یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے

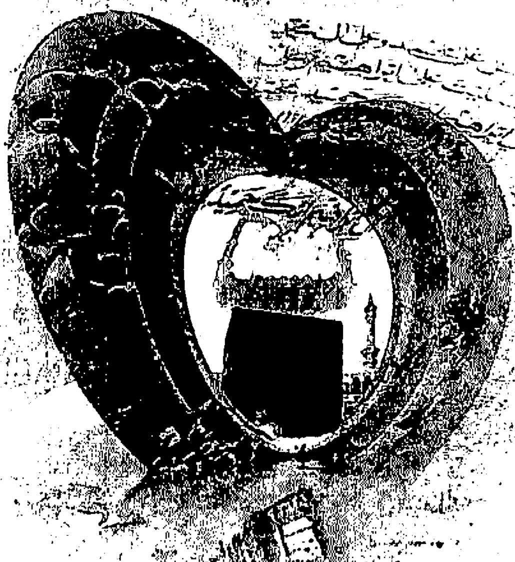
محبت کے تقاضے



يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

محبت کے تقاضے



اردو ترتیب، تحسین اور ترجمہ: ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد — انگریزی تصنیف و تالیف: ابو تیمیہ ساجد الرحمٰن چوہدری

نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ حامد محمود الخضری، ابو حمزہ میاں عبد الخالق (نیویارک)

انصار السنہ 398۔ جہاں زیب بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17۔ اردو بازار لاہور 7357587

نام کتاب: اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے تقاضے
مؤلف: ابو تیمیہ ساجد الرحمٰن چوہدری
ترجمہ: ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد
نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ حامد محمود الخضری
ابو حمزہ میاں عبد الخالق (نیویارک)
اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

ناشر: اسلامی اکادمی 17 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

DAR-US-SALAM
486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217
TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511
E-MAIL: DARUSSALAMNY@HOTMAIL.COM
Web Site: WWW.DARUSSALAMNY.COM

فہرست

خُطْبَه مَسْنُونَه

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُه‘وَنَسْتَعِينُه‘[1] ، وَنَسْتَغْفِرُه‘[2]، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا[3] وَمِنْ سَيِّاٰتِ أعْمَالِنَا[4]، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَه‘ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلا هَادِیَ لَه‘وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه‘ لَا شَرِيْكَ لَه‘وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه‘ وَرَسُوْلُه‘[5]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ○[6]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○[7]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوا قَوْلًا سَدِيْدًا○ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○[8]

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهُدَى هُدٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَا تُهَا ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ[9] وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[10]، أَلضَّلَالَةُ فِي النَّارِ"

---

❶❸❹❺ صحیح مسلم، کتاب الجمعه ،باب تخفیف الصلاۃ والجمعه ،حدیث : ۲۰۰۸،

❻❼❽ ابوداؤد، کتاب النکاح ،باب في خطبة النکاح ،حدیث : ۲۱۱۸ (نَحْمَدُہ کے بغیر) مسند احمد ۳۹۳/۱ (إنّ اور نَحْمَدُہ کے بغیر) جامع الترمذی ، کتاب النکاح ،باب ماجاء فی خطبة النکاح ، حدیث۱۱۰۵ (نَحْمَدُہ کے بغیر) ابن ماجه بحواله مشکوٰۃ المصابیح ،حدیث : ۳۱۴۹ تصحیح فضیلة الشیخ الالبانیؒ وقال: حدیثٌ صحیحٌ ❷ جامع الترمذي ،حواله سابقه ❻ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲

❼ سوۃ النساء آیت نمبر۱ ❽ سورۃ الاحزاب آیت نمبر۷۰۔۷۱ ❾ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ......کے الفاظ مسند احمد ۱۲۷/٤ کے ہیں۔ ❿ صحیح مسلم حدیث ۲۰۰۵

ترجمہ خطبہ مسنونہ

بلا شبہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں۔اس سے مدد مانگتے اور اسی سے ہم بخشش طلب کرتے ہیں۔ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔جسے اللہ (سیدھی) راہ سجھا دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں (ہوسکتا۔) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ،وہ اکیلا ہے،اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں یقیناً محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

''اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔''[1] ''اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور (پھر) اس (جان) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پیدا کر کے (زمین پر) پھیلا دیے۔اور ڈرو اللہ سے کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے (حاجت براری کے لیے) سوال کرتے ہو اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بلا شبہ اللہ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔''[2]

''اے ایمان والو!اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور بات سیدھی (سچی) کہا کرو۔(ایسا کرو گے تو) اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی،اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''[3]

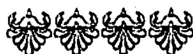
حمد و صلوٰۃ کے بعد: یقیناً تمام باتوں سے بہتر اللہ کی کتاب ہے۔تمام طریقوں سے بہتر

---

❶ سورۃ آل عمران آیت: ۱۰۲ ❷ سورۃ النساء آیت: ۱

❸ سورۃ الاحزاب آیت: ۷۱،۷۰

طریقہ محمد (رسول اللہ ﷺ) کا ہے۔ اور تمام کاموں سے بدترین کام وہ ہیں جو (دین اسلام میں) اپنی طرف سے وضع کیے جائیں۔ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ گمراہی کا انجام جہنم کی آگ ہے۔''



عرضِ ناشر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اس وقت پوری دُنیا میں (سوائے چند ایک عرب معاشروں کے) مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت نے جن عادات ورسومات اور بدعات وخرافات کو دین سمجھ کر اپنار کھا ہے اُنہیں دیکھ کر صحیح العقیدہ اور ایک مومن بندے کے جی میں ایک ہمدردانہ سا دُکھ پیدا ہوتا ہے کہ جس قوم کوان کے رب نے دُنیا پر غلبے والا دستور اور نظام حیات عطا کیا تھا وہ آج کس قدر پستی میں گر چکی ہے۔قرآن وسنت اور صحیح الاسناد تاریخی شواہد کی روشنی میں جب وہ حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے قوم کی اصلاح کے لیے اُٹھتا ہے تو اس کے دل میں تلاطم برپا کرنے والے جذبات کبھی انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں کے ذریعے اصلاح کی خاطر زبان پر آجاتے ہیں، اور کبھی بصورتِ تحریر یہ کلمات کتابی وجود اختیار کر لیتے ہیں۔

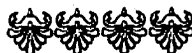
بھائی ابو تیمیہ ساجد چوہدری کے دل کی کیفیت بھی ہمارے سامنے ایسی ہی رہی ہے۔اس اللہ کے بندے نے اپنے گردونواح (امریکہ) میں اصلاحی عمل کے لیے جدوجہد کا جو حلقہ قائم کیا ہوا ہے اس سے وہاں کے احباب خوب واقف ہیں۔تحریر ہذا Love for Allah & His Messanger اُن کے دل کی ترجمانی تھی جسے ایک معروف مصنف ومترجم کتب ہائے کثیرہ ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد نے اُردو قالب میں اس اسلوب کے ساتھ ڈھالا ہے کہ ترجمہ وتدوین کا حق ادا ہو گیا ہے۔ میں اپنے دوست ابوحمزہ عبدالخالق بھائی کا بھی ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ رب العالمین کے دینِ حق کی اشاعت میں مشغول رکھتے ہوئے اس کتاب کی تکمیل اپنی خاص دلچسپی کے ساتھ کروائی۔فجزاهم الله خيراً ادارہ

اسلامی اکادمی اللہ رب العالمین اور خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ومنہج اور سلف صالحین کے مسلک حقہ کو پیش کرنے والے مذکورہ بھائیوں کی دل کی آواز کو قارئین کے سامنے اس ارادے سے پیش کر رہا ہے کہ ؎

اس سے بھلا ہو جو کسی کا تو اور کیا چاہیے

مدیر و منتظم اعلیٰ

اسلامی اکادمی، اُردو بازار، لاہور



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُقدّمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وبعد : جہالت، اخلاقی گراوٹ، دینی بے حسی، شخصیت پرستی اور تقلیدِ محض کے نتیجہ میں تفقہ فی الدین کے لیے عقلوں پر جمود کے اقفال نے عالمِ اسلامی کی جو حالت آج بنا رکھی ہے، اس سے قبل آسمانِ دُنیا نے اس زمین پر اہلِ ایمان کی ایسی بے بسی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہنود و یہود اور مشرکین و نصاریٰ کی اتباع میں، دنیا پر صدہا صد سال تک حکومت کرنے والے مسلمان، آج اپنی تہذیب وتمدّن، دینی شعائر، طریقہ ہائے عبادات اور عقائد ونظریات تک پسِ پُشت ڈال چکے ہیں۔ یہ مبالغہ نہیں، عرب وعجم کی ۵۵ مملکتوں کے ایک ارب ۳۵ کروڑ سے زائد مسلمانوں کی حالتِ زار کا مشاہدہ اس دعویٰ کی سو فیصد بیّن دلیل ہے۔ مسلمانوں کو ان کی اس حالت تک پہنچانے میں بلا شبہ یہود ونصاریٰ اور ہنود ومجوس کی سازشوں، منصوبہ بندیوں اور محنتوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے مگر تاریخ کی ورق گردانی اور حالاتِ حاضرہ کی تجزیہ نگاری کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں کہ اس حد تک پستی میں گرنے کے اندر اے مسلمان! تیرا اپنا بھی ایک کردار ہے۔ اقبال نے ہماری آہ وفغاں اور نالۂ دل کی ترجمانی کیا خوب کی ہے

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدّن میں ہنود — یہ مسلمان ہیں! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

اس ضمن میں خاتم النبیّین محمد رسول اللہ ﷺ کا چودہ صدیاں پہلے والا فرمانِ گرامی آج بالکل سچ ثابت ہو رہا ہے۔

((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ " قُلْنَا ؛ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اَلْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ : "فَمَنْ")) [صحيح البخاری ح : ۷۳۲۰]

''تم اپنے سے پہلی اُمتوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ برابر اتباع کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کی تابعداری کرو گے۔'' (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) ہم نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ ! کیا اُن (پہلی اُمتوں) سے یہود و نصاریٰ مُراد ہیں؟ تو فرمایا: ''پھر اور کون؟'' (یہی مُراد ہیں)''

یہاں اس کتاب [اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے تقاضے] میں ایک انتہائی اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو دراصل دین اسلام کے اساسی اصول وضوابط اور عقائد ونظریات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے مگر عامة المسلمین اور اُن کے قائدین قرآن وسنت کی رُشد وہدایت والی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی اور یہود ونصاریٰ کی تقلید میں ایسے غرق ہوئے ہیں کہ

اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پیچھے مُڑ کر دیکھنا (العیاذ باللہ) گستاخی سمجھتے ہیں۔ کسی مخلص اصلاح پسند ہمدرد کی سُنتے ہی نہیں۔ مگر اہل حق کا جیسے ہمیشہ شیوہ رہا ہے کہ وہ بھولی بھٹکی منزلوں کے راہرووں کو حق کی روشنی دکھاتے ہی چلے آئے ہیں تاکہ لوگ جہنم کے سفر سے واپس مڑ کر کامرانیوں اور جنتوں والے صراطِ مُستقیم پر چل کھڑے ہوں۔ ابو تیمیہ ساجد بھائی نے انگریزی کے امریکی لہجہ واسلوب میں نبی کریم ﷺ کی محبت میں غلو پر آپ ﷺ کی اُس تنبیہ کو انتہائی مدلل انداز میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے پیش کرنے کی شاندار کوشش کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((لَا تُطْرُوْنِي، كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ،

فَقُوْلُوْا : عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُه')) [صحیح البخاری ح : ۳۴۴۵]

''(مسلمانو!) میری تعریف حد سے بڑھ کر نہ کرنا جس طرح نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی حد سے بڑھ کر تعریف کی۔ (اور انہیں اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں تو بلاشبہ اس کا بندہ ہوں۔ پس تم (میرے متعلق) یوں کہا کرو! اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔''

ابو حمزہ عبدالخالق بھائی نے میرے ذمے لگایا کہ ابو تیمیه حفظہ اللہ کی کتاب ''Love For Allah & His Messanger'' کا اُردو ترجمہ بھی کر دوں اور یہ کہ مزید دلائل جمع کر کے موضوع کی خوب وضاحت بھی۔ چنانچہ بتوفیق ربنا الکریم ایسا ہی کیا گیا۔ ترجمہ کرتے وقت کوشش رہی کہ مذکورہ کتاب کا پورا پورا مفہوم بھی آ جائے اور مزید وضاحت بھی۔ چونکہ انگلش کتاب کے مصنف نے زیادہ تر امریکہ میں مسلمانوں کی ایمانی حالت زار دیکھی تھی اور جو خرابیاں وہاں نظر آئیں انہی کے مطابق اس نے ناصحانہ انداز اختیار کیا تھا اس لیے پاکستانی اور ہندوستانی مسلم ماحول سے واقف لوگوں کو ممکن ہے کہ طرزِ تحریر میں کچھ اجنبیت سی محسوس ہو۔

پروف ریڈنگ کے وقت یہ بھی طے پایا کہ موضوعِ سُخن کے افہام میں مزید حُسن اور نکھار پیدا کرنے کے لیے موضوعات کی ترتیب بدل دی جائے۔ وذالك بالاعتذار من المؤلف جزاه الله خيراً. کتاب ہذا کی تقدیم کے پیشِ نظر...... مصنف، مترجم و مدوّن اور نظر ثانی کرنے والے ہم سب کا مقصد اور ہدف صرف ایک ہی بات رہی ہے دیگر کچھ نہیں......

﴿وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ط اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ o﴾ [سورهٔ هود : ۸۸]

''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے تمہیں منع کروں خود اُسے کرنے لگوں۔ میں تو

جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہارے معاملات کی اصلاح چاہتا ہوں اور اس بارے میں مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

ابویحییٰ محمد زکریا زاہد

۲۱/محرم/۱۴۲۵ھ

غرض وغایت

۱۔ تحریر ہذا کے ذریعے دراصل ان غلط عقائد ونظریات کا پتہ لگانا ہے جن میں اس وقت امتِ مسلمہ، اللہ کے پیغمبر (ﷺ) کی محبت میں غلو کرتے ہوئے کچھ ایسی گھر چکی ہیکہ بہت سے لوگوں نے اس ضمن میں تو آخری درجے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے جبکہ بعض نے اس کے اصل مطلوب کی بجائے انتہائی نیچے والے درجہ کو تھام رکھا ہے۔

۲۔ اور پھر اس خرابی کا حل بتلاتے ہوئے ان وجوہات کی وضاحت کرنا ہے جن کے سبب لوگ اس گناہ کا ارتکاب کر چکے ہیں۔ تا کہ لوگوں کی ٹھیک ٹھیک اصلاح ہو جائے۔ اس لیے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾[آل عمران : ١٠٤]

''اور تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں، جو بھلائی کی طرف (لوگوں کو) بلائیں، اچھی بات کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں اور یہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہوں گے۔''

حضرتِ پیغمبر (نبی کریم ﷺ) سے محبت کا مطلب ہے: ''ان تمام شرعی اصول وقوانین کی مکمل فرمانبرداری کرنا، جنہیں دے کر آپ کو بھیجا گیا تھا اور جو خالصتاً قرآن حکیم اور مستند سنت (صحیح مجموعہ احادیث) پر مشتمل ہیں۔'' محبت تب تک اپنا وجود ثابت نہیں کر سکتی جب تک کہ آدمی عملی طور پر اپنی سچائی کا دعویٰ ثابت نہ کر لے۔ مثلاً جس سے محبت کی جا رہی ہے وہ کہے کہ فلاں کام کرو! تو جب آدمی اپنے محبوب کے ان حکمیہ الفاظ کا ذکر تو بہت کرے مگر عملاً

دوسروں کے پیچھے دوڑتا پھرے تو کیا اسے محبت کی کسی درجہ بندی میں لایا جا سکے گا؟

صرف اسی محبت کی پیداوار ہی ایمان کا حصہ بن سکے گی جو ایک مسلمان غلام کے دل میں اپنے (حقیقی) مالک، اللہ تعالیٰ کے لیے داخل ہو جائے۔ تب وہ ویسا ہی کرے گا جیسا اسے اس کی طرف سے حکم دیا گیا ہے اور ان ساری باتوں کو رد کر دے گا جن سے اسے نبی ﷺ کی مستند سنت تشریعی حیثیت والی کے ذریعے ان کی طرف سے منع کیا گیا ہے۔ جان لینا چاہئے کہ وہ آدمی جو اپنے دل میں ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہو وہ صحیح طور پر نبی ﷺ سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے ماتحت کر لیتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

[سورة النساء : ٦٥]

''(اے پیغمبر!) تمہارے رب کی قسم! (تب تک) وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو وہ حاکم (فیصلے کرنے والا) بنا دیں اپنے ان تمام کاموں میں جن میں وہ جھگڑ پڑیں۔ اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ وایمان میں نبی ﷺ کے قطعی فیصلے کو صاف طور پر اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی محبت رکھتا ہو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہی بجا لائے گا۔ محبت اور اطاعت دونوں لازم وملزوم عمل ہیں۔ جہاں یہ دونوں حقیقتاً پائی جاتی ہوں، وہاں سچا ایمان ضرور اپنا وجود ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ جو شخص نبی ﷺ کے مستند راستے پر چل کھڑا ہوتا ہے بہر کیف سچائی اسے دکھائی دینے لگتی ہے اور وہ کسی بھی ایسے شخص کے راستے کا انتخاب نہیں کرتا جس

کے متعلق اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے جہنم کے راستے کا چناؤ کر رکھا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَ تْ مَصِيْرًا۝﴾

[النساء : ١١٥]

''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر (ﷺ) کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کی بجائے کسی دوسرے راستے پر چلتا ہو، ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔''

ہر مسلمان کو آگاہ رہنا چاہیے کہ ایمان کا انحصار ہر اس بات کے قبول کرنے اور رد کرنے پر ہوتا ہے جس کا پیغمبر (ﷺ) نے حکم دیا اور جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہو۔

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رُک جاؤ۔''

ایمان اتنی دیر تک اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا جب تک ہر وہ بات اور کام کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے وضع فرمایا ہو اسے لازم نہ کر لیا جائے اور جب تک ہر اس کام کو چھوڑ نہ دیا جائے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو۔ (عصر حاضر میں اکثر مسلمانوں کی محبت تو بہر کیف فقط زبانی ہے۔) اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ

اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○﴾ [سورۃ النساء : ۱۵۰ تا ۱۵۲]

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں (اوامر و نواہی کے اعتبار سے) فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (احکام) کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ ایمان و کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان (سارے پیغمبروں) میں سے (ان کی اصلی اور بنیادی تعلیمات میں) کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب کو مانا) ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اجر (آخرت میں) عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''



تصنیف کا مقصد

اس رسالے (کتابچے) کا مقصد مسلمانوں کو ان کی اپنے پیغمبر (ﷺ) سے محبت میں صحیح راہنمائی کی طرف دعوت دینا ہے کہ (تحریر ھذا میں) جس کی بنیاد قرآن حکیم اور مستند سنت (صحیح احادیث کے مجموعہ) پر رکھی گئی ہے۔ محبوب پیغمبر (ﷺ) سے ہماری یہ محبت ہی ہے کہ جس نے ہمیں قدرتی طور پر اس مقصد کی طرف ملتفت کر دیا ہے۔ اس سے ان شاء اللہ ہم بھی کچھ نتائج حاصل کرسکیں گے اور دوسرے لوگ بھی۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ٥ ﴾

[سورة النور : ٥١، ٥٢]

''اہل ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو یہ کہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے (اگلے گناہوں پر) ڈرتا رہے اور (آئندہ اس کی نافرمانی) سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "لَا يُؤْمِنُ

(1) صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث: ۱۳، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: ۱۷۰

اَحَدُكُم حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) [1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرنے لگے جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہو۔''

مزید برآں:

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَا يَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيْ الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلَى اَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)) [1]

''سیدنا (ابوالولید) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی میں، خوشی اور ناگواری میں اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے، (ہر حال میں آپ کی) سمع واطاعت کریں گے۔ اور اس بات پر کہ ہم اقتدار کے معاملے میں مسلمان حکمرانوں سے نہ لڑیں اور اس بات پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، حق بات کہیں۔ اللہ تعالیٰ کے (دین کے) بارے میں ہم کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں۔''

مسلمانوں کو نصیحت کرنے کا خیال، آج کل ایک میدان جنگ بن جانا نظر آتا ہے۔ کیونکہ دعوت دینے میں سنت کے اصول بگاڑ بھی دیے گئے ہیں اور غیر معقول جذبات کے ساتھ ان کی جگہ بھی بدل دی گئی ہے۔ جونہی کسی نے قرآن وسنت پر عمل کا حق جتایا اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کی بنیاد جذبات اور منطقی باتوں

[1] صحیح البخاری، کتاب الأحکام، حدیث: ۷۱۹۹۔ صحیح مسلم، کتاب الإمارہ، حدیث: ۴۷۶۸۔ ریاض الصالحین، حدیث: ۱۸۶ واللفظ لِمُسْلِمٍ

پر نہیں رکھی گئی بلکہ اس کی بجائے اسلام کی اساس قرآن وسنت کی ٹھوس گواہی پر ہے۔ یہ ایک پڑھی لکھی بات ہے کہ مومن کا ہتھیار علم ہے اور جب وہ قرآن وسنت کا علم سیکھتا ہے تو ایک مؤثر داعی بن جاتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ،وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ○﴾ [سورة المجادلہ : ١١]

''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔''

اور پھر اللہ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ○اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ○ ﴾ [سورة الزمر : ٩]

''کہو! بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ اور جو علم نہیں رکھتے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (کبھی نہیں، اس لیے) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقل مند ہیں۔'' (لہذا قرآن وسنت کا علم حاصل کرو۔)

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّه‘ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ، وَاللّٰهُ الْمُعْطِي وَاَنَا الْقَاسِمُ وَلَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ ظَاهِرِيْنَ عَلَى مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُوْنَ))[1]

''حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ (بن ابوسفیان) رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس کے ساتھ اللہ

[1] صحیح البخاری، کتاب العلم ٧١ و کتاب فرض الخمس۔ ٣١١٦ صحیح مسلم، کتاب الامارہ، حدیث : ٤٩٥٦۔ واللفظ للبخاری

تعالیٰ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے اور (علم وحکمت) دینے والا تو اللہ ہی ہے میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور یہ امت مسلمہ ان سب پر ہمیشہ غالب رہے گی جو ان کی مخالفت (یا ان سے دشمنی) کریں گے۔ تا آنکہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے۔ اس وقت بھی وہ غالب ہی ہوں گے۔''

یہ دعوت کے اعضائے رئیسہ میں سے ہے کہ لوگوں کو ''صراط مستقیم'' سیدھی راہ کی طرف بلایا جائے۔ اور ایک مومن کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ پوری زندگی درمیانی راہ پر گامزن رہے اور انتہائی پرلے درجے کی گمراہ کن دورُخی چھوڑ دے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کا دین، حد سے بڑھی ہوئی بے اعتدالیوں اور انتہائی معمولی اعمال کے مابین ہوتا ہے۔ یہ دو پہاڑوں کے درمیان والی وادی کی مانند ہوتا ہے۔ چنانچہ جو گروہ اسے معمولی جانتا ہے وہ غفلت شعاروں کا ٹولہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں وہ غیر اعتدال پسندی کا شعار ہوتے ہیں۔ پہلے والا گروہ کم سے کم والی حد سے بھی نیچے جا گرتا ہے۔ (یعنی معلوم ہی نہیں پڑتا کہ یہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں، سب کچھ ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔) جبکہ دوسرا گروہ سب حدوں سے متجاوز ہو جاتا ہے۔ (اور دکھائی دیتا ہے کہ شاید یہ کوئی راہبوں اور سادھوؤں کا ٹولہ ہے۔)[1]

ان دونوں انتہاؤں کے درمیان والے راستے کا امتیاز کرنا، ایک مومن آدمی کے لیے صرف اپنے دین کے علم کو حاصل کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ امت کے کبار علماء کرام نے ''علم شریعت'' کے طور پر اس علم کا تعین کر دیا ہوا ہے۔ اللہ کی کتاب قرآن حکیم، رسول اللہ ﷺ کی سنت (صحیح احادیث کے مجموعہ جات) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال.......... جو کتاب اللہ کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔'' ان مصادر سے ہی آدمی کو صحیح راہنمائی مل سکتی ہے۔

---

[1] مدارج السالکین جلد دوم ص٤٩٦

اللہ کے ساتھ محبت

اللہ سے محبت کے نتائج:

جب کوئی انفرادی طور پر اپنے رب سے غیر مشروط محبت کرتا ہے تو اس کے لیے ظاہر میں بھی بہت سارے فوائد نظر آنے لگتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے ہم ان فوائد کو دو حصوں میں بیان کرتے ہیں۔ (ان شاء اللہ)

1۔ دنیاوی زندگی میں اطمینان کا حصول:

معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''اسلام نے بنی نوع انسان کے لیے امن وسلامتی اور سکون والی ایک زندگی رواج دی ہے۔ یہ امن وسلامتی والا حکم (کہ جس میں مجرم کو اس کے جرم کی سزا کے ساتھ امن قائم ہوتا ہے۔) صرف انفرادی طور پر (کہ جس میں کمزوروں کو تو سزا ملے) قائم نہ تھا بلکہ فرمانرواؤں پر بھی لاگو ہوتا تھا۔ اور پھر اس قانون کو وہ ان پر برقرار رکھتے تھے جو ان کے قوانین ودساتیر کے تحت امن وسلامتی میں ہوتے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اوپر اس علم قرآن وسنت کی مہربانی فرمائے جو ہمیں (جرائم کی آلائشوں سے) محفوظ رکھے اور ہمیں امن عطا کرے۔ صرف علم کی ہی نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد وہ ہم سے شریعت کے نفاذ کا کام لے لے۔ یہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سلامتی کی منظوری دی ہے۔ اور یہ ایمان ہی ہے جو ایک آدمی کو بھی امن وسکون مہیا کرتا ہے۔ اسلام کی بعثت سے پہلے امن وسلامتی دنیا میں موجود نہ تھی یعنی اسلام سے پہلے کا دوران عظیم نعمتوں

سے محروم تھا۔

اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں آدمی افراتفری کی زندگی گزار رہا تھا۔ زمین پر بے چینی کا عالم تھا کتنی ہی مختلف کتابوں میں کتنے ہی مختلف ادوار کے بارے میں ہم ان لڑائیوں کے بارے میں پڑھ چکے ہیں جنہوں نے اسلام سے پہلے والے دور کے بارے میں ان کتابوں کے اندر جگہ سنبھال رکھی ہے۔ سمجھنے (اور سمجھانے) کے لیے ہم بالکل ٹھیک ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اُس جاہلیت کے دور میں ایک قبیلہ تھا جو مسود کہلاتا تھا جو ایک دوسرے قبیلے کے ساتھ چالیس سال تک برسرِ پیکار رہا۔ اس لمبی جنگ کا سبب کیا تھا؟ ان دونوں قبیلوں میں سے کسی ایک قبیلے کا پرندہ تھا (غالباً فاختہ) جس نے کچھ انڈے دے رکھے تھے۔ قبیلے والوں نے اس کے لیے گھونسلہ بنا کر اسے ایک جانب رکھا ہوا تھا تاکہ یہ پرندہ اپنے انڈے سینے کے لیے اس کی طرف باآسانی آ جا سکے۔ ایک دن دوسرے قبیلے والے اس علاقے سے اپنی سواریوں پر گزرے اور ایک اونٹ کا پاؤں اس گھونسلے پر آ گیا جس سے اس پرندے کے انڈے ٹوٹ گئے۔ اس ''جرم'' نے (کہ جو بالکل ان جانے میں ہوا تھا) پہلے قبیلے کو غضبناک کر دیا۔ اور انہوں نے دوسرے قبیلے کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ پھر دوسرے قبیلے نے پہلے قبیلے کے دو آدمی قتل کر دیے۔ جیسے کو تیسے والے اس قتل و غارت نے ان دونوں قبائل کی لڑائی (یعنی جنگ) کو چالیس سال تک جاری رکھا۔

اس دور میں اس طرح کا دنگا فساد اور تشدد ہوتا تھا کیونکہ ابھی تک انہیں اسلام کی خوش نصیبی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ان کی باہمی نفرت کے اثر کو باطل کرتی اور ان کے دلوں کو جوڑ دیتی۔ ہر قبیلے کے اپنے قانون تھے اور جو کوئی طاقتور ہوتا وہ اپنے نظریات کے ذریعے کمزور کو دبا لیتا اور پھر کمزوروں

پر تشدد سے حکومت کرتا۔ لوگوں کے لیے سلامتی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لیے کہ قبائلی لڑائیوں کے علاوہ لوگوں کو جو راستوں کے لٹیروں اور چوروں کے ساتھ مجبوراً تعاون کرنا پڑتا کہ جنہوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔''

مگر جب اسلام آیا تو اس بدامنی، قتل و غارت اور تشدد کا ہی نرا علاج نہ ہوا بلکہ اللہ رب العالمین کی اس (ایمان و اسلام والی) نعمتِ عظمیٰ نے عرب معاشرے کو مال و دولت سے بھی مالا مال کر دیا اور سلطنتیں بھی عطا کر دیں۔ اس بات کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے:

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ ، ثُمَّ أَتَاهُ آخَرُ فَشَكَا إِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيلِ ، فَقَالَ (عليه السلام): "يَا عَدِيُّ! هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ ؟ " قُلْتُ ! لَمْ أَرَهَا وَقَدْ أُنْبِئْتُ عَنْهَا ، قَالَ: فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ۔" قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي ، فَأَيْنَ دُعَّارُ طَيِّءٍ الَّذِينَ قَدْ سَعَّرُوا الْبِلَادَ۔ (وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ) وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى۔"قُلْتُ ؛ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ؟ قَالَ:"كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ۔ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ ، وَلَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ فَيَقُولَنَّ:"أَلَمْ أَبْعَثْ إِلَيْكَ رَسُولًا فَيُبَلِّغَكَ؟" فَيَقُولُ ، بَلٰى۔ فَيَقُولُ : "أَلَمْ أُعْطِكَ مَالًا وَأُفْضِلْ عَلَيْكَ؟" فَيَقُولُ، بَلٰى ، فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ

وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا يَرَى اِلَّا جَهَنَّمَ۔"قَالَ عَدِيٌّ؛ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ:"اِتَّقُوالنَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ شِقَّ تَمْرَةٍ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔" "فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ وَكُنْتُ فِيمَنِ افْتَتَحَ كُنُوزَ كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ ، وَلَئِنْ طَالَتْ بِكُمْ حَيَاةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ اَبُوالْقَاسِمِ ﷺ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ)) [1]

''عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فقر وفاقہ کی شکایت کی۔ پھر دوسرا آدمی آیا اور اس نے راستوں پر بدامنی (ڈاکے، چوریوں) کی شکایت کی۔اس پر آں حضرت ﷺ نے فرمایا:''عدی! کیا تم نے (جنوبی عراق کا مشہور شہر) حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: (اللہ کے رسول!)''دیکھا تو نہیں البتہ اس کا نام سنا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر تمہاری زندگی کچھ لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج میں ایک عورت اکیلی حیرہ سے سفر کرے گی اور ایک لمبا سفر کر کے، مکہ پہنچ کر کعبۃ اللہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا اسے کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔''

میں نے (حیرت سے) اپنے جی میں کہا: پھر قبیلہ بنو طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہو گا جنھوں نے شہروں کو تباہ کر رکھا ہے۔(اور اپنے چہار جانب فساد کی آگ لگائی ہوئی ہے۔) نبی ﷺ نے مزید فرمایا:''(اے عدی!) اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو (خود دیکھو گے کہ) کسریٰ ایران کے خزانے (مسلمانوں کے لیے) کھول دیے جائیں گے۔''میں نے (حیرانی سے) پوچھا:''کسریٰ بن ہرمز کے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''(ہاں) کسریٰ بن ہرمز کے۔(آپ

---

[1] صحیح البخاری/کتاب المناقب، حدیث: ٣٥٩٥

صلی اللہ علیہ وسلم نے بات آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:) اور اگر تم کچھ دنوں تک اور زندہ رہے تو یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا اور اسے کسی ایسے آدمی کی تلاش ہوگی جو اس کی زکوۃ قبول کرلے مگر اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اسے لے لے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا جو دن ہے، اس روز تم میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ دونوں کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ جو اس کے لیے اللہ کی بات کا ترجمہ کرے۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست باتیں کرے گا اور) رب العالمین اس سے دریافت کرے گا: ''کیا میں نے تمہارے پاس رسول نہیں بھیجے تھے جنہوں نے تم تک میرا پیغام پہنچا دیا ہو؟'' تو وہ عرض کرے گا: ''کیوں نہیں۔'' (اللہ! تو نے اپنے رسول بھیجے تھے۔) پھر اللہ دریافت کرے گا: ''کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور کیا میں نے تجھے اس کے ذریعے فضیلت نہیں دی تھی؟'' تو وہ جواب دے گا: ''کیوں نہیں۔'' (اللہ! تو نے مجھے مال دے کر فضیلت دی تھی۔) پھر وہ اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو سوائے جہنم کے کچھ نظر نہ آئے گا اور اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو جہنم ہی جہنم۔''

سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (اسی مجلس میں) نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''(لوگو!) جہنم سے ڈرو! اگرچہ نصف حصہ کھجور کے صدقہ کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو کسی سے اچھی بات ہی کہہ دے۔ (یہ بھی صدقہ ہے۔) عدی کہتے ہیں: ''میں نے (اپنی زندگی میں خود اپنی آنکھوں سے) ہودج میں بیٹھ کر حیرہ سے اکیلی سفر کرنے والی اس عورت کو بھی دیکھ لیا جس نے (مکہ پہنچ کر) بیت اللہ کا طواف کیا اور اسے (راستے میں) اللہ کے سوا کسی (ڈاکو وغیرہ کا) خوف نہ تھا۔ اور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت میں خود شریک تھا جس نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے۔

(اس روایت کے راویوں میں سے تابعین کو یہ ساری بات بتاتے ہوئے حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے) اور اگر تم لوگوں کی زندگی اللہ نے لمبی کی تو وہ بھی دیکھ لوگے جو اللہ کے نبی ابو القاسم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''ایک شخص اپنے ہاتھ میں زکوٰۃ کا سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔'' (مگر اسے لینے والا کوئی نہیں ملے گا۔ یعنی مسلمانوں کے ہاں دولت اتنی عام ہو جائے گی۔ اور پھر یہ بھی سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور میں ہو گیا۔)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾[سورۃ آل عمران : ۱۰۳]

''اور (اے مسلمانو!) سب مل کر اللہ کی رسی (یعنی اس کے دین، قرآن و سنت) کو مضبوطی سے (ایک ہو کر) تھامے رکھو اور متفرق نہ ہونا۔ اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے (جہنم) کے کنارے آ لگے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم سچی راہ پر قائم رہو۔''

نبی کریم ﷺ کی بعثت اور ہجرتِ مکہ سے قبل عرب معاشرے کی بالعموم اور یثرب کے قبائل اوس و خزرج کی بالخصوص حالت کا بنظرِ غائر ذرا جائزہ تو لیں، اسلام سے پہلے لوگ ایک دوسرے کے خون کے کس قدر پیاسے تھے۔ مگر جب انہوں نے عقیدہ توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو دل و جان سے قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل آپس میں اس حد تک ملا دیے کہ باہمی نا اتفاقی اور ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ اقدامات ختم ہو گئے۔ یہ

اللہ تعالیٰ سے محبت ہی تھی کہ جس سے ان کے درمیان باہمی محبت پیدا ہوگئی۔ اسلام کہ جو ایک مکمل دین شریعت ہے، وہ عملی طور پر اپنے ماننے والوں کو امن وآشتی سکھاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلام موجود نہیں ہوتا وہاں اسی قدر امن وحفاظت نہیں ہوتے۔ آج کی بڑی بڑی اقوام کے ممالک کی حالت آپ دیکھ لیں۔ اگر امریکہ میں صرف ۳۰ منٹ (آدھ گھنٹے) کے لیے بلیک آؤٹ ہوجائے تو ہزاروں نہیں، لاکھوں جرائم کا ارتکاب ہوجائے۔ ہزارہا گھر لوٹ لیے جائیں اور دیگر کتنے ہی ایسے کام ہوجائیں جو بتائے نہیں جاسکتے اور ان سے خوف ودہشت پھیل جائے۔ کیوں بھلا؟ اس لیے کہ وہاں پر ایمان ویقین، مذہب، قانون وشریعت اور نہ ہی ایسے مجتمع کا وجود ہوتا ہے جو امن وسلامتی کے قیام کا وعدہ کرے۔ جبکہ اسلام یہ سب کچھ مہیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [سورة الانعام : ۸۲]

''جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم واستبداد (شرک) کی ملاوٹ نہ کی، انہی کے لیے امن وسلامتی (خاطر جمعی) ہوگی اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔''

سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کو ترغیب ودعوت دی کہ:

﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾ [سورة القريش ۳۔۴]

''ان لوگوں کو چاہیے کہ، اس خانہ کعبہ کے رب (اللہ تعالیٰ) کی ہی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے امن بخشا۔''

انسانی معاشرے میں خوراک اور امن دونوں اللہ تعالیٰ کی اہم ترین نعمتیں ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں نعمتیں اللہ پر ایمان، رب العالمین اور

اس کے رسول (ﷺ) سے محبت کے ذریعے ایک ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔سکون اور سلامتی حاصل کرنے کی غرض سے ہمیں لازماً اللہ رب العالمین کے حق کو جاننا اور اسے عملی جامہ پہنانا ہو گا۔تب وہ ہمیں ہمارے حقوق عطا کرے گا۔حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی ہمیں پہنچے تو چاہیے کہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔

بنو اسرائیل کے ایک نبی سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو اللہ نے زمین پر بہت بڑی حکومت عطا کر رکھی تھی کہ اس سے بڑی سلطنت کبھی کسی کو نہیں ملی۔حتیٰ کہ انسانوں کے علاوہ جنوں اور حیوانوں پر بھی وہ حکومت کرتے تھے۔انہیں رب العالمین نے درندوں ، پرندوں ،حیوانات اور جنوں کی زبان سمجھنے اور ان سے انہی کی زبان میں باتیں کرنے کا ملکہ عطا کر رکھا تھا۔یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر خاص مہربانی تھی۔تاہم ایک دفعہ ان کی سلطنت کے کسی حصے پر بارش کی کمی کے سبب تباہی و بربادی آ گئی اور جب اللہ کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام نمازِ استسقاء کے لیے لوگوں کو باہر کھلے میدان میں لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی نے آسمان کی طرف اپنے (اگلے قدم یعنی) ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں اور اللہ سے بارش مانگ رہی ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا خَلق مِنْ خَلْقِكَ ، وَلَا غنى بِنَا عَنْ سُقْيَاكَ ، وَاِلَّا تُسْقِنَا تُهْلِكْنَا ، فَقَالَ سُلَيْمَانُ (عَلَيْهِ السَّلَام) اِرْجِعُوْا فَقَدْ سُقِيتُم بِدَعْوَةِ غَيْرِ كُمْ))

”اے اللہ ہم تیری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں۔(تو نے ہمیں زندگی عطا کر رکھی ہے۔) تیرے فضل کے ہم محتاج ہیں۔ہمیں بارش سے محروم رکھ کر ہلاک نہ کر۔“

سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ دیکھ کر اپنی قوم سے فرمانے لگے: ”واپس چلو ،تم سے پہلے تمہارے علاوہ اللہ کی مخلوق نے بارش کی دعا کر دی۔اب تمہاری طلب کے بغیر ہی بارش ہو گی۔“[1]

معلوم ہوا کہ جب لوگ اللہ رب العالمین پر ایمان لا کر اس سے محبت شروع کر دیں تو اللہ کی دیگر مخلوقات بھی ان کے حق میں دعائیں کرنے لگتی ہیں۔دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ

[1] تفسیر ابن کثیر عند تفسیر آیت : ۱۹ من سورة النمل بحواله ابن ابی حاتم عن ابی الصدیق الناجی

دیکھئے: ایک انتہائی کم عقل وشعور والا سب سے چھوٹا جانور ''چیونٹی'' عقیدۂ توحید میں کس قدر پختہ ہے کہ مشکل کے وقت اپنے رب کو ہی پکارتی ہے جب کہ بے شمار انسان ایسے ہیں جو اپنے رب کو چھوڑ کر اوروں کے سامنے التجائیں کرتے پھرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ۝﴾ [سورة الاعراف آیت: ۱۷۹]

''ان کے دل تو ہیں مگر ان کے ساتھ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن ان سے (حق بات) دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں مگر ان سے (حق بات) سنتے نہیں۔ یہ لوگ بالکل چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ (بھٹکے ہوئے) یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

عقیدۂ توحید پر پختہ اس چیونٹی کی دعا سے اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کو بربادی سے بچا لیا۔ کیا اکرم الخلائق، انسان کی دعا سے اللہ رب العالمین اس کی مشکلات آسان نہیں کر سکتا؟ عقیدۂ توحید میں پختگی اللہ کا حق ہے جو اس کے بندوں پر واجب ہے۔ جب وہ اس کا یہ حق ادا کرتے ہیں تو پھر وہ انہیں عذاب نہیں بلکہ کشادگی و راحت عطا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا ، فَقَالَ: "يَا غُلَامُ ! اِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ ، اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى

اَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ ـ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) [1]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:''اے لڑکے! (میری بات غور سے سن!) میں تمہیں کچھ باتیں سکھاتا ہوں۔ انہیں یاد کر لے۔ تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر وہ تیری نگہبانی کرے گا۔ تو اللہ کی طرف دھیان رکھ، اسے تو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب تو کچھ مانگے تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ۔ جب تو مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد مانگ۔ اور اس بات کو جان لے کہ ساری امت (یعنی دنیا جہاں کے لوگ) اگر اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ تجھے کچھ فائدہ پہنچائیں۔ تو وہ تجھے کسی قسم کا نفع نہ دے سکیں گے اِلّا کوئی چیز اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ رکھی ہو۔ اور اگر وہ اس بات پر سارے اکٹھے ہو جائیں کہ وہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائیں تو ایسا وہ ہرگز نہیں کر سکتے الا کوئی چیز اللہ نے تمہارے خلاف تقدیر میں لکھ رکھی ہو۔ تقدیر کے اقلام (لکھنے سے) اٹھا لیے گئے ہیں اور صحائف خشک ہو چکے ہیں۔ (یعنی وہی ہوگا جو اللہ نے لکھ رکھا ہے۔ البتہ آدمی کا اپنے رب کی طرف رجوع کرنا اور اس سے مدد مانگنا اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔)''

اس حدیث مبارکہ میں خالص توحید کی بہترین انداز میں تعلیم دی گئی ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے توحید والے حق کو ادا کرنے اور اس کی حفاظت کرنے والے بن جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں امن وسکون بھی عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ متعدد آیات اور احادیث میں ظاہر وبیّن موجود ہے۔ اگر ہم قرآن حکیم میں موسیٰ وخضر علیہما السلام کا بیان کردہ واقعہ پڑھیں تو ہمیں اس کا وعدہ ایفاء کیا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس واقعہ کو نبی

[1] صحيح الترمذى، حديث: ٢٥١٦ كتاب الزهد و قال ابو عيسىٰ الترمذي : هٰذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ وصححه الألبانيؒ۔

ﷺ نے بھی اپنی احادیث مبارکہ میں بیان فرمایا ہے۔

((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ : "قَامَ مُوسَىٰ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ......الخ" يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَىٰ لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا)) [1]

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(ایک دن) موسیٰ نبی (علیہ السلام) بنو اسرائیل میں خطبہ دینے کی غرض سے کھڑے ہوئے۔ (جب ایک فصیح و بلیغ وعظ فرمایا تو) آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا: ''اس وقت لوگوں میں سب سے زیادہ صاحبِ علم کون ہے؟'' کہا: ''میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوں۔'' پس اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگئے۔ کہ علم کو انہوں نے اللہ کی طرف کیوں نہ لوٹا دیا۔ (وہی بہتر جانتا ہے۔) پس اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ: میرے بندوں میں سے ایک بندہ دو سمندروں کے سنگھم پر رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (جاؤ اور اس سے ملاقات کرو۔) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے پروردگار! میری ان سے ملاقات کیسے ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لو۔ پھر جہاں تم اس مچھلی کو گم پاؤ تو وہ بندہ تمہیں وہیں ملے گا۔''

پس موسیٰ علیہ السلام چل کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے غلام یوشع بن نون بھی چلے۔ دونوں نے مچھلی زنبیل میں رکھ لی۔ (اور پھر چلتے ہی گئے۔) حتی کہ (دونوں ملاقات کی جگہ پر) ایک پتھر کے پاس پہنچ گئے۔ (سفر سے تھکے ماندے آئے تھے، لہٰذا) دونوں نے اپنے سر اس پر رکھے اور سو گئے۔ پس (اسی دوران) مچھلی تڑپ کر زنبیل سے نکلی اور (اکیلا اکیلی) سمندر کی راہ لی۔ اور اسے سرنگ کی طرح بنا لیا۔ (خادم نے یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام سو چکے تھے اس لیے احتراماً نہ جگایا۔ پھر جب سو کر اٹھے اور آگے چل کھڑے ہوئے تو قرآن میں ہے۔) ''پس جب دونوں اس مجمع البحرین سے آگے نکل گئے (اور موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی تو)

---

[1] صحيح البخاري، كتاب العلم، حديث : ١٢٢

اپنے خادم (یوشع بن نون) سے کہنے لگے! ہمارا ناشتہ لاؤ، ہم نے اپنے اس سفر سے بڑی تکان اٹھائی ہے۔ وہ کہنے لگا: بھلا دیکھا آپ علیہ السلام نے کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (کا قصہ کہنا) بھول گیا۔ اس کا ذکر کرنا شیطان نے مجھے بھلا دیا (کہ آپ سے اس کا ذکر کرتا۔) مچھلی نے عجیب طرح سے اپنے لیے دریا میں جانے کا راستہ بنالیا تھا۔'' یہ بات موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کے لیے بے حد تعجب کی تھی۔ (حدیث میں اس آرام والی جگہ سے بعد والا سفر مذکور ہے کہ) پھر دونوں باقی رات اور دن میں (جتنا وقت باقی تھا) چلتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے خادم سے کہا: ہمارا ناشتہ لاؤ، اس سفر میں ہم نے (کافی) تکلیف اٹھائی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام (پچھلے سفر میں) بالکل نہیں تھکے تھے۔ مگر جب اس جگہ سے آگے نکل گئے جہاں تک انہیں جانے کا حکم ہوا تھا (تو تھک گئے۔) تب ان کے خادم نے کہا: بھلا آپ علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ جب ہم (آرام والی جگہ) صخرہ کے پاس ٹھہرے تھے (اور مچھلی سمندر کے اندر چلی گئی تھی) تو میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے! وہی تو ہماری منزلِ مقصود تھی۔ چنانچہ وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے واپس لوٹ گئے۔ جب پتھر (صخرہ) کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک شخص وہاں کپڑا اوڑھے موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا تو یہ شخص (کہ جس کا نام) خضر علیہ السلام (تھا) گویا ہوا، تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں موسیٰ ہوں۔'' تو اس نے پوچھا: ''بنی اسرائیل کے موسیٰ (علیہ السلام)؟'' کہا: ''ہاں'' پھر پوچھا: ''کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ اس شرط پر کہ جو بہتر علم تمہیں سکھایا گیا ہے وہ تم مجھے سکھا دو؟'' خضر کہنے لگے: ''تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ (اور جس بات کی آپ کو پوری خبر نہ ہوئی اس پر آپ علیہ السلام کیسے صبر کرسکیں گے؟) اے موسیٰ! مجھے اللہ نے ایسا علم دیا ہے جسے تم نہیں جانتے اور جو علم آپ علیہ السلام کو دیا گیا ہے اسے میں نہیں جانتا۔'' موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں

کروں گا۔'' پھر دونوں دریا کے کنارے کنارے پیدل چلنے لگے۔ (پار جانے کے لیے) ان کے پاس کوئی کشتی نہ تھی کہ ایک کشتی ان کے سامنے سے گزری۔ پس کشتی والوں سے انہوں نے بات کی کہ وہ انہیں سوار کرلیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کو انہوں نے پہچان کر بغیر کرایہ کے انہیں سوار کرلیا۔ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی۔ پھر سمندر میں اس نے ایک یا دو چونچیں ماریں۔ (اسے دیکھ کر) حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: اے موسیٰ! میرے اور تمہارے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنا ہی کم حصہ لیا ہوگا جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ مارنے کے ساتھ سمندر کے پانی سے۔ پھر خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ عمداً نکال ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے: ان لوگوں نے تو ہمیں کرایہ لیے بغیر (مفت میں) سوار کیا اور آپ علیہ السلام نے ان کی کشتی کا تختہ اکھاڑ پھینکا تاکہ کشتی والوں کو آپ ڈبو دیں؟ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بھول پر میری گرفت نہ کرو۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پہلی مرتبہ بھول جانا تھا۔ پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں پیدل چلنے لگے کہ ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ اسے تن سے جدا کر دیا۔ (موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا) پوچھا: آپ علیہ السلام نے ایک بے گناہ بچے کو بغیر کسی جانی حق کے مار ڈالا؟ (تم نے بڑا خراب کام کیا۔) حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے: کیا میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے؟ (ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اب کی بار حضرت خضر علیہ السلام کی بات میں زیادہ تاکید تھی کہ اگر ساتھ رہ کر علم حاصل کرنا ہے تو خاموش رہو۔) [موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں اس کے بعد تم سے کچھ پوچھوں (یعنی اعتراض کی شکل میں) تو (بے شک) مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیو۔ آپ کو میری طرف سے پورا عذر مل گیا ہے۔] پھر دونوں چلتے چلتے ایک گاؤں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضر علیہ

السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے (بنا کر) سیدھا کر دیا۔موسیٰ علیہ السلام (سے پھر نہ رہا گیا۔) بول اٹھے کہ اگر آپ چاہتے تو گاؤں والوں سے اس کام کی مزدوری لے سکتے تھے۔خضر علیہ السلام کہنے لگے: (بس میرا تیرا ساتھ ہو چکا۔) اس بات نے مجھے تجھ سے جدا کر دیا۔(میری تیری علیحدگی کا وقت آ گیا۔) نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے۔ہماری تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر اور صبر کرتے تو مزید واقعات ان دونوں کے بیان کیے جاتے۔''[1]

آگے قرآن (سورۃ الکھف میں ہے کہ: خضر علیہ السلام کہنے لگے: (موسیٰ!) جن باتوں پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اب میں ان کی حقیقت تجھ سے بیان کیے دیتا ہوں۔وہ کشتی چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں مزدوری کرتے تھے۔(یعنی ان کی ساری پونجی یہی کشتی تھی، اسے وہ کرائے پر چلاتے اور روزی کماتے تھے۔) میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (اس لیے ایک تختہ نکال ڈالا۔) کیونکہ ان کے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔(تا کہ وہ اس عیب دار کشتی کو غصب نہ کر سکے۔) اور وہ جو لڑکا تھا (جسے میں نے مار ڈالا) اس کے ماں باپ دونوں مومن، مسلمان تھے۔ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔(یعنی وہ بھی کہیں مرتد نہ ہو جائیں۔(جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور ان کی شریعت میں نابالغ کافر کا قتل جائز تھا۔) اس لیے انہوں نے اس بچے کو ختم کر دیا تھا۔) تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس لڑکے کے بدلے (ایسا لڑکا) انہیں دے جو پاکیزگی (یعنی تقویٰ و طہارت) میں اس سے بہتر ہو اور (اپنے ماں باپ پر) اس سے زیادہ مہربان ہو۔اور وہ جو دیوار تھی؟ تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) تمہارے پروردگار کی مہربانی سے وہ اپنا خزانہ نکالیں۔یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔یہ ہے

---

[1] صحیح البخاری، کتاب العلم، حدیث: ۱۲۲۔ و سورۃ الکھف

ان باتوں کی حقیقت جن پر تم صبر نہ کر سکے۔“

یہاں اس واقعہ میں کشتی والوں کے علاوہ باقی دونوں واقعات میں دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عزت اور ان کے مال کی حفاظت کیسے فرماتے ہیں؟ ان دونوں (یتیم) بچوں کا باپ نیک آدمی تھا۔ اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا۔ (کہ اس کے نیچے ان بچوں کا خزانہ تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور بستی والے اسے لُوٹ لیتے۔) ان بچوں کے صالح باپ نے اپنے رب کی توحید کو محفوظ رکھا تھا اس لیے اللہ نے اس کے اپنے اور اس کے بچوں کے حق کی حفاظت فرمائی اور انہیں عطا کر دیا۔ اور اس نے اس دولت کی حفاظت فرماتے ہوئے کہ جسے اس آدمی نے اپنے بچوں کے لیے چھوڑا تھا اور کافی حد تک ان کی باعثِ دکھ، غربت و افلاس کو ان سے دور کر دیا۔ یہ عقیدۂ توحید کی قوت کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے اس صالح آدمی کی اولاد کا حق بھی محفوظ رکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کئی ایک مقامات پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ہم ان سب روایات کو جمع کر کے نقل کر رہے ہیں تاکہ اپنے موضوع کی وضاحت میں مزید استفادہ کر سکیں۔

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ تُوُفِّيَ (اَبِيْ) عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنُ حَرَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ [قَالَ الشَّعْبِيُّ : اَنَّ اَبَاهُ اسْتُشْهِدَ يَومَ أُحُدٍ وَتَرَكَ سِتَّ بَنَاتٍ وَتَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا ـ وَأَخْبَرَ جَابِرٌ : فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ] فَطَلَبْتُ إِلٰى أَصْحَابِ الدَّيْنِ اَنْ يَّضَعُوا بَعْضًا فَأَبَوا۔ [فَعَرَضْتُ عَلٰى غُرَمَائِهِ اَنْ يَأْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَيْهِ فَأَبَوْا وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ فِيهِ وَفَاءً] فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَشْفَعْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ وَقُلْتُ : لَيْسَ عِنْدِيْ اِلَّا مَا يُخْرِجُ نَخْلُه‘ وَلَا يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِيْنَ مَا عَلَيْهِ ، فَانْطَلِقْ مَعِيَ لِكَيْ لَا يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ۔

فَسَأَلَهُمْ اَنْ يَقْبَلُوا تَمْرَحَائِطِىْ وَيُحَلِّلُوا اَبِىْ فَأَبَوْا]فَلَمْ يُعْطِهِمُ النَّبِىُّ ﷺ حَائِطِىْ وَقَالَ:"سَنَغْدُوْعَلَيْكَ۔"فَغَدَا عَلَيْنَا حِيْنَ اَصْبَحَ، فَطَافَ فِى النَّخْلِ وَدَعَا فِيْ ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ۔[وَفِي رِوَايَةِ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ جَابِرٌ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ اَبَاهُ تُوُفِّىَ وَتَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِيْنَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ فَأَبَى اَنْ يُنْظِرَهُ۔فَكَلَّمَ جَابِرٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِيَشْفَعَ لَهُ اِلَيْهِ۔ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهِ عَلَيه وسَلَّمَ وَكَلَّمَ الْيَهُوْدِىَّ لِيَأْخُذَ ثَمَرَ نَخْلِهِ بِالَّتِى لَهُ فَأَبَى ، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ النَّخْلَ فَمَشَى فِيْهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ : جُدَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ الَّذِىْ لَهُ۔" فَجَدَّهُ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَوْفَاهُ ثَلَاثِيْنَ وَسْقًا وَفَضَلَتْ لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ وَسْقًا ، فَجَاءَ جَابِرٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِىْ كَانَ ، فَوَجَدَه يُصَلِّىَ الْعَصْرَ۔ فَلَمَّا نصَرَفَ اَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ ، فَقَالَ : " اَخْبِرْ ذَ لِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ ۔" فَذَهَبَ جَابِرٌ إِلَى عُمَرَ (رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) فَاَخْبَرَه فَقَالَ لَهُ عُمَرُ : لَقَدْ عَلِمْتُ حِيْنَ مَشَى فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُبَارَكَنَّ فِيْهَا ۔"] فَلَمَّا حَضَرَ جَذَاذُ النَّخْلِ قَالَ : " أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ : قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِىْ قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَاِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ ۔ فَقَال : "إِذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلَىٰ نَاحِيَةٍ [وَفِىْ رِوَايَةِ عَامِرٍ قال عليه السلام : "صَنِّفْ تَمْرَكَ كُلَّ شَىْءٍ مِنْهُ عَلَى حِدَةٍ ، عِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلَى حِدَةٍ وَاللِّيْنَ عَلَى حِدَةٍ وَالْعَجْوَةَ عَلَى حِدَةٍ۔ ثُمَّ احْضِرْ هُمْ حَتّى آتِيَكَ۔"] فَفَعَلْتُ ثُمَّ

أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَ وَمَعَهُ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ فَجَلَسَ عَلَى أَعْلَاهُ أَوْفِي وَسْطِهِ۔[وَفِي رِوَايَةِ الشَّعْبِيِّ ، فَلَمَّا نَظَرُوْا إِلَيْهِ كَأَنَّهُمْ أُغْرُوْا بِي تِلْكَ السَّاعَةَ، فَلَمَّا رَأَى مَا يَصْنَعُونَ أَطَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : " أُدْعُ أَصْحَابَكَ۔" فَمَازَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتَّى أَدَّى اللّٰهُ أَمَانَةَ وَالِدِىْ وَأَنَا وَاللّٰهِ رَاضٍ أَنْ يُؤَدِّيَ اللّٰهُ أَمَانَةَ وَالِدِىْ وَلَا أَرْجِعَ إِلٰى أَخَوَاتِي تَمْرَةً فَسَلِمَ وَاللّٰهِ الْبَيَادِرُ كُلُّهَا حتى أَنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِىْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَأَنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ تَمْرَةً وَاحِدَةً] وَبَقِيَ التَّمْرُ كَمَا هُوَ كَأَنَّهُ لَمْ يُمَسَّ۔وَغَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى نَاضِحٍ لَنَا فَأَزْحَفَ الْجَمَلُ فَتَخَلَّفَ عَلَيَّ۔ فَوَكَزَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ خَلْفِهِ ، قَالَ : "بِعْنِيْهِ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ۔" فَلَمَّا دَنَوْنَا إِسْتَأْذَنْتُ فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !إِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ، قَالَ : "فَمَا تَزَوَّجْتَ؟بِكْرًا أَوْ ثَيِّبًا ؟ " قُلْتُ :ثَيِّبًا ،أُصِيْبَ (أَبِىْ)عَبْدُ اللّٰهِ وَتَرَكَ جَوَارِىَ صِغَارًا فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا تُعَلِّمُهُنَّ وَتُؤَدِّبُهُنَّ،ثُمَّ قَالَ:"إِئْتِ أَهْلَكَ ۔" فَقَدِمْتُ فَأَخْبَرْتُ خَالِىْ بِبَيْعِ الْجَمَلِ فَلَامَنِىْ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِإِعْيَاءِ الْجَمَلِ وَبِالَّذِىْ كَانَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَوَكْزِهِ إِيَّاهُ ۔ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْجَمَلِ فَأَعْطَانِىْ ثَمَنَ الْجَمَلِ وَالْجَمَلَ وَسَهْمِىْ مَعَ الْقَوْمِ)) [1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب البیوع ، حدیث : ۲۱۲۷،کتاب الاستقراض ، حدیث : ۲۳۹۵، ۲۳۹۶، ۲۴۰۵، ۲۴۰۶،کتاب الصلح،حدیث : ۲۷۰۹ ، کتاب الوصایا ، حدیث: ۲۷۸۱، کتاب المناقب،حدیث : ۳۵۸۰، کتاب المغازی ، حدیث : ۴۰۵۳

''سیدنا جابر بیان کرتے ہیں کہ: ''میرا باپ عبداللہ بن عمر بن حرام رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے اور ان پر (ڈھیر سارا) قرض تھا۔ (امام شعبی رحمہ اللہ والی سند میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد جنگِ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ جابر کے علاوہ چھ بیٹیاں بھی انہوں نے ترکہ میں چھوڑی تھیں اور قرضہ بھی۔ جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ قرض خواہوں نے اپنے حقوق کے مطالبے میں سختی کرنا شروع کر دی۔) میں نے قرض خواہوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا کچھ قرض معاف کر دیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر میں نے اپنے باپ کے قرض خواہوں پر یہ بات پیش کی کہ وہ قرض کے بدلے (اس سال کی) کھجور لے لیں، مگر انہوں نے (اس سے بھی) انکار کر دیا اور انہوں نے (پھل کی قلت اور قرض کی کثرت کی وجہ سے) دیکھا ہی نہیں کہ اس سے قرض پورا ہو سکے گا۔ چنانچہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور ان پر آپ کی سفارش کا طلبگار ہوا۔ اور میں نے کہا: ''(اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) میرے پاس سوائے اس پیداوار کے جو کھجوروں سے ہو گی اور کچھ نہیں ہے۔ اور جو میرے باپ پر قرض ہے، اس پیداوار سے تو وہ برسوں ادا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ قرض خواہ میرے اوپر بد تمیزی نہ کریں۔

تو (نبی ﷺ تشریف لے گئے اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ میرے باغ کی کھجوریں لے لیں اور میرے باپ (ابو جابر) کو معاف کر دیں، لیکن انہوں نے اس سے (بھی) انکار کر دیا۔ پس نبی ﷺ نے بھی انہیں میرا باغ (زبردستی) نہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: ''ہم کل تمہارے پاس (باغ میں) آئیں گے۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (باغ میں) تشریف لائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درختوں میں گھومے پھرے اور ان کے پھل میں برکت کی دعا کرتے رہے۔ (وہب بن کیسان کی روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ان کے باپ شہید ہوئے تو یہودیوں کے ایک آدمی کا اپنے اوپر تیس وسق (یعنی ۱۸۰۰ صاع = ۴۵۰۰ کلو گرام تقریباً) قرض اپنے اوپر چھوڑ گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت مانگی مگر اس نے انہیں مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی (ابوشحم) سے ان کے بارے میں سفارش کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے یہودی سے بات کی کہ وہ جابر رضی اللہ عنہ کے (کھجوروں والے) باغ کا پھل اس قرض کے بدلے لے لے جو اس کا ہے، مگر اس نے انکار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ باغ میں داخل ہوئے اور اس میں پیدل چلتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”باغ کا پھل توڑ کر اس کا قرض ادا کر دو۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں اتاریں اور یہودی کا تیس وسق قرض ادا کر دیا۔ سترہ وسق (۱۰۲۰ صاع = ۲۵۵۰ کلو گرام کھجوروں کا ڈھیر) اس میں سے بچ بھی رہا۔ جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تاکہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیں جو ہو گیا۔ تو انہوں نے آپ ﷺ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو باقی بچ جانے والے مال (کھجوروں) کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس بات کی خبر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی دے دو۔“ تو جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی

طرف گئے اور انہیں پچھلے معاملے کی اطلاع دی۔ ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب رسول اللہ ﷺ باغ میں چل رہے تھے تو میں نے جان لیا کہ اس میں ضرور برکت ڈال دی جائے گی۔ دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ) جب کھجوروں کے درختوں سے پھل کی اتروائی کا وقت آیا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ میرے والد اُحد والے دن شہید ہو گئے تھے اور پیچھے بہت زیادہ قرض چھوڑ گئے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کو (ادائیگی کے وقت وہاں باغ میں) دیکھ لیں۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لیے وہاں تشریف لے چلیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کر لیں) تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور ہر قسم کی کھجور کا الگ الگ ڈھیر لگا لو۔'' (حضرت عامر والی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اپنے باغ کی) تمام کھجور کی قسمیں الگ الگ کر لو۔ (کھجور کی ایک قسم) ابنِ زید کے خوشے الگ کر لو۔ نرم کھجور الگ اور عجوہ علیحدہ۔ پھر قرض خواہوں کو بلا لو۔ (اور اتنی دیر تک تقسیم شروع نہ کرنا) حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آ جاؤں۔'' چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اور پھر نبی ﷺ کو بلوا بھیجا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی آ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کھجوروں والے ڈھیروں کی اوپر والی جانب یا ان کے درمیان میں بیٹھ گئے ۔ (راوی کہتا ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے کوئی ایک بات کہی تھی۔ امام شعبی رحمہ اللہ والی روایت میں ہے، جابر کہتے ہیں کہ: جب قرض خواہوں نے (کہ جو یثرب کے یہودی تھے) نبی ﷺ کو دیکھا (تو غصے سے لال پیلے ہو گئے۔) گویا اس وقت وہ اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ جو وہ کر رہے تھے اسے جب

رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین مرتبہ چکر لگایا اور پھر آپ اس پر بیٹھ گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے قرض خواہوں کو بلا لو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ناپ ناپ کر دیتے چلے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کی طرف سے ان کی امانت (قرض) کو ادا کر دیا۔ اللہ کی قسم! میں اس بات پر راضی (خوش) تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کے تمام قرض ادا کر دے اور میں (گھر میں) اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی نہ لے جاؤں۔ اللہ گواہ ہے (تمام قرض ادا کرنے کے بعد بھی) سارے کے سارے ڈھیر صحیح سلامت بچ گئے اور میں دیکھ رہا تھا کہ جس ڈھیر پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اس میں سے گویا ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ (یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور اللہ رب العالمین کا اپنے بندے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پر خاص کرم تھا۔) اور ساری کی ساری کھجور بچ رہی، گویا اسے چھوا ہی نہ گیا تھا۔

(آگے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس سے متصل اپنا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔) اور میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ اپنے ایک اونٹ پر کسی غزوہ میں شرکت کی۔ اونٹ تھک گیا اور میں لوگوں سے پیچھے رہ گیا۔ نبی ﷺ نے اسے پیچھے سے مارا اور فرمایا: اسے مجھ کو بیچ دو (یعنی میں اسے خرید لیتا ہوں) مدینہ منورہ تک اس پر سواری تمہاری رہی۔ (تم اس پر سفر کر سکتے ہو) جب ہم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! میں نے ابھی نئی نئی شادی کی ہے۔ (اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کس سے شادی کی ہے؟ کنواری سے یا بیوہ سے؟'' میں نے کہا: ''بیوہ سے'' میرے والد عبداللہ شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے (چھ عدد) چھوٹی بچیاں چھوڑ گئے ہیں۔ تو

میں نے بیوہ سے شادی کی ہے جو انہیں تعلیم دیتی اور ادب سکھاتی ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''(ٹھیک ہے، چلو) اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ۔''
چنانچہ میں گھر آیا اور اپنے ماموں (جد بن قیس) کو اونٹ کی فروخت کے بارے میں بتلایا تو اس نے مجھے ملامت کی۔ (ایک ہی اونٹ ہمارے پاس تھا۔ اس سے گھر کا کام کاج نکلتا تھا، وہ بھی تو نے بیچ ڈالا) تو میں نے اسے اونٹ کے تھک جانے، نبی ﷺ کے اس کو مارنے اور پھر آپ ﷺ کی جانب سے جو ہوا اس کا ذکر کیا۔ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو میں صبح کے وقت اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اونٹ کی قیمت بھی دے دی، اونٹ بھی عنایت فرما دیا اور مجاہدین کے ساتھ مالِ غنیمت میں سے میرا حصہ بھی مجھے دے دیا۔''

اللہ رب العالمین کی یہ مہربانی اور اس کا انعام، اس عقیدۂ توحید کو قبول کرنے کا نتیجہ تھا جسے نبی ﷺ کو دے کر بھیجا گیا تھا۔ سبحان اللہ! یہ توحید، عقیدہ اور تقویٰ ...... دیکھ لیں! ان کے نتیجے میں سیدنا عبداللہ بن عمر بن حرام کی شہادت کے بعد اللہ نے ان کے خاندان کو قرض کے بوجھ سے کیسے نجات دلا دی؟ جو لوگ اللہ کے حق (عقیدۂ توحید میں پختگی اور اللہ کی عبادت میں کما حقہ انہماک) کی حفاظت کرتے ہیں، دیکھ لیں اللہ تعالیٰ انہیں اور انکے خاندان کو ڈر، خوف اور نقصان سے کیسے محفوظ رکھتے ہیں؟ عقیدۂ توحید کی حفاظت کیونکر ممکن ہے؟ اس طرح کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ (مالی، بدنی، قلبی اور لسانی عبادات میں سے کوئی بھی) کسی اور کے لیے عبادت اور پوجا ہرگز نہ کریں۔ اور نہ ہی اپنے مصائب میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو پکاریں۔ تب وہ آپ کو (جو اسی کے ہی بندے اور غلام ہو) امن واطمینان عطا کرنے پر راضی ہو جائے گا۔ مگر وہ آدمی جو توحید میں ڈگمگانا شروع ہو جائے اسے جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنی مہربانیاں اپنی حفاظت اور سکون واطمینان دور کرنا شروع کر دیتا ہے جو

زیادہ دیر اس کے پاس نہیں رہتیں۔ ہم اس بات کو کیسے قبول کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارا حق دیتے ہوں گے جبکہ ہم خود اس کے حق میں ادھورے ہیں؟ اگر آپ نے کسی ایسے ماحول اور معاشرے کا مشاہدہ کیا ہو جہاں اللہ کے حق کو عملی جامہ نہ پہنایا جا رہا ہو آپ دیکھیں گے کہ وہاں پر شرک و بدعت نے اس علاقے اور عوام الناس کو ڈر، خوف میں مبتلا کر رکھا ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں، جب تک وہ خلیفہ رہے، زکوٰۃ کا مال بیت المال میں اس قدر زیادہ آتا رہا کہ وہ مکمل طور پر بھر گیا۔ اور ان کی زندگی کے اختتام تک دولت امڈ امڈ کر آتی رہی۔ اس تاریخی حقیقت کے خلاف کیا کوئی قوم دعویٰ کر سکتی ہے کہ ایسا نہیں تھا؟ دولت اس قدر عام ہوئی کہ (اوپر عدی بن حاتم والی مذکورہ روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان پورا ہوا اور) لوگ زکوٰۃ کا مال ہاتھوں میں لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا ملتا نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کو حکم دے دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جائیں اور تمام غلام آزاد کر دیں۔

ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں چہار جانب امن و اطمینان اور سلامتی کا دور دورہ تھا۔ ایک چرواہا اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے دوران اطمینان سے سو جایا کرتا تھا (اور اس کے جانور آزادی سے چرا کرتے تھے۔) اسے اس بات کی پریشانی نہ ہوتی کہ اس کے ریوڑ پر کوئی شکاری درندہ حملہ کر دے گا۔ ایک دن اپنی نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کی ایک بھیڑ کو کھا لیا گیا ہے۔ جب اس نے تحقیق کی، کیا واقعہ ہوا ہے؟ تو وہ اس بات پر مطلع ہوا کہ خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فوت ہو گئے ہیں۔

یہ حفاظت ملک بھر میں تھی (امن والی اللہ کی نعمت نے ساری مملکت کو اطمینان بخش رکھا تھا۔) کیونکہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے رب کا حق ادا کرنے پر بڑے پختہ اور سختی سے کاربند تھے۔ نہ صرف اپنی ذات پر اس کی پابندی کرتے بلکہ پوری امت کو پابند کیا ہوا تھا جو

ان کی زیرِ نگرانی تھی۔ آپ رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی ترویج واشاعت، اسے عملاً قبول کرنے اور بدعات کے سدِ باب میں بہت سختی سے کاربند تھے۔

آیئے! اب ہم اپنا جائزہ بھی لے لیں۔ کیا ہم اللہ کا حق (عقیدۂ توحید کی پختگی اور تمام عبادات کو اسی کے لیے خالص کرنے والا) ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہم توحید کو عملاً بالکل اسی طرح اپنائے ہوئے ہیں جس طرح اسے نبی کریم ﷺ اللہ سے لے کر آئے تھے؟ اس سوال کا جواب اس وقت امتِ مسلمہ کی حالتِ زار دیکھ کر دیا جا سکتا ہے۔ اسلامی ممالک میں نہ امن و اطمینان ہے اور نہ ہی عدل و انصاف۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کے گھر شرک و بدعات سے بھرے ہوئے ہوں۔ ہمیں امن و حفاظت اور عدل و انصاف والی نعمتیں اسی وقت نصیب ہو سکتی ہیں جب ہم سلف صالحین کے طریق و منہج پر چلیں گے اور اللہ کے حق کی حفاظت کریں گے۔ ہمیں لازماً خالص توحید و تقویٰ کو قرآنِ حکیم اور مستند سنت کی راہنمائی میں اختیار کرنا پڑے گا۔ تب ہمیں وہ امن و سلامتی حاصل ہو سکے گی جس کی ہمیں تلاش ہے۔ یہی بات اللہ نے قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوفٍ ۝﴾ [سورة القريش: ٣،٤]

"(لوگوں پر) لازم ہے کہ وہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب (اللہ تعالیٰ) کی ہی عبادت کریں کہ جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور ڈر، خوف سے امن بخشا۔"

2۔ آخرت میں فوائد

اللہ کے ساتھ محبت کے نتیجے میں دنیاوی زندگی میں ملنے والے اللہ کے انعامات کے ساتھ ساتھ آخرت میں بہت سارے فوائد آدمی کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ سے محبت کرنے والے کو اس کی محبت اسے اس وقت نفع دیتی ہے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے

اور اس کے اعمال صالحہ کا حساب وکتاب ایک مقام اختیار کر لیتا ہے۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا، كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَقُولُ: " أَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا ؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ ؟ " يَقُولُ : لَا ، يَارَبِّ! فَيَقُولُ: أَفَلَكَ عُذْرٌ؟ فَيَقُولُ : لَا ، يَارَبِّ ! فَيَقُولُ :" بَلٰى ، إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً ، فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا : أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، فَيَقُولُ : احْضُرْ وَزْنَكَ ، فَيَقُولُ : يَارَبِّ! مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ؟ فَقَالَ: فَإِنَّكَ لَا تُظْلَمُ، قَالَ: فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام مخلوقات کے سامنے میری امت میں سے ایک شخص کا انتخاب فرمائیں گے۔اور اس کے سامنے (اس کے اعمال کے) بہت بڑے بڑے ننانوے رجسٹر پھیلا دیں گے۔ہر رجسٹر (یعنی کھاتے کا طول وعرض) انسان کی تاحدِ نظر کے برابر ہوگا۔پھر اللہ فرمائیں گے: ''کیا تو اس میں سے کسی بات کا انکار کر سکتا ہے؟ (کہ یہ غلط درج

---

[1] جامع الترمذي/كتاب الايمان ، حديث: ٢٦٣٩ و مسند احمد: ٢/٢١٣، ص: ٤٣٠ واللفظ للترمذي وقال ابوعيسىٰ رحمه الله : هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ وقال الالباني رحمه الله عند تخريجه في مشكاة المصابيح حديث رقم : ٥٥٥٩/وإسناده صحيحٌ

کی گئی ہے) کیا میرے کراماً کاتبین نے کہ جو اسی کام پر مقرر تھے، تیرے ساتھ کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ (کہ تو نے کوئی کام سرے سے کیا ہی نہ تھا اور انہوں نے تیرے رجسٹر میں لکھ دیا ہو؟)'' تو وہ (جواباً) کہے گا: نہیں میرے پروردگار! (ایسا نہیں ہے) اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے: ''تو کیا تجھے کوئی عذر تھا؟ (کہ نیکی اور ہدایت والی راہ پر نہ چلا؟) وہ (پھر جواباً) کہے گا: ''نہیں میرے پروردگار (مجھے کوئی عذر بھی نہ تھا) پس اللہ فرمائیں گے: ''ہاں! ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج کے دن تیرے اوپر ظلم نہیں ہوگا۔'' چنانچہ ایک کارڈ نکالا جائے گا۔ اس میں درج ہوگا: ''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ بلا شبہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''(اپنے اعمال والے رجسٹروں کا) وزن ہوتے وقت قریب رہنا۔'' وہ کہے گا: میرے پروردگار! ان (بھاری بھرکم) رجسٹروں کے مقابلے میں اس ایک (چھوٹے سے کاغذ کے پرزے) کارڈ کی کیا حیثیت ہے؟ تو اللہ فرمائیں گے: ''(بس دیکھتا رہ، آج) تیرے ساتھ ظلم نہیں ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تمام رجسٹروں کو ایک پلڑے میں اور اس کاغذ کے پرزے کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ سارے رجسٹر ہلکے پڑ جائیں گے (ان کا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا۔) اور یہ کارڈ (تمام رجسٹروں پر) بھاری ہو جائے گا۔ (یعنی اس کا پلڑا جھک جائے گا۔) کیونکہ اللہ کے نام سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی۔''

اللّٰہُ الرَّحمٰن قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

فِیۡۤ اَسۡمَآئِہٖ ط سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ٥﴾

[سورة الاعراف : ۱۸۰]

''اور اللہ کے اچھے (خاصے) نام ہیں۔اس کو انہی ناموں کے ساتھ پکارو۔اور جو لوگ اس کے ناموں میں بے دینی کرتے ہیں اُنہیں چھوڑ دو۔وہ اپنے کیے کا بدلہ عنقریب پالیں گے۔''

اچھے ناموں سے مراد ہے کہ اللہ ذوالجلال کے ان ناموں سے اس کی عظمت، جلالتِ شان، تقدس اور صفاتِ کمال کا اظہار ہوتا ہے۔علماء نے اسماء حسنیٰ کی تشریح اور ان کے ساتھ دعوت و دعا پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔امام رازی رحمہ اللہ کی ''اللوامع'' حلیمی کی ''المنہاج'' اور امام قرطبی رحمہ اللہ کی ''الکتاب الامنیٰ'' قابلِ دید ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلّٰهِ تِسۡعَةً وَّ تِسۡعِيۡنَ اِسۡمًا ، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَنۡ اَحۡصَاهَا [حَفِظَهَا][1] دَخَلَ الۡجَنَّةَ ـ [وَهُوَ وِتۡرٌ يُحِبُّ الۡوِتۡرَ]))[1]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے (ایسے) ننانوے نام ہیں (یعنی) ایک کم سو۔جس نے ان کو شمار کرلیا۔یعنی انہیں یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔اور اللہ تعالیٰ طاق ہے، وہ طاق (عدد) کو پسند کرتا ہے۔''

جامع الترمذی، کتاب الدعوات ، حدیث : ۳۵۰۷ میں یہ ننانوے نام دیے گئے ہیں اور وہ ترتیب وار یوں ہیں :

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ الۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلَامُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ

[1] [1] یہ الفاظ صحیح البخاری رکتاب الدعوات کی حدیث ۶۴۱۰ اور صحیح مسلم رکتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار حدیث: ۶۸۰۹ کے ہیں۔باقی کلمات میں شیخین متفق علیہ ہیں اور امام ترمذی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِي الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِي الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُتَعَالِي الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُوْفُ. مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيُّ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِئُ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيُّ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرِ ﴾

امام نووی نے صحیح مسلم کی کتاب الذکر والدعاء کی حدیث: ۶۸۰۹ کی شرح اور اپنی کتاب الاذکار اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی (مذکورہ بالا) آیت: ۱۸۰ کی تفسیر میں اوّلاً جامع الترمذی کی اسی روایت کو جس میں ننانوے اسماء ذکر ہوئے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔(یہ بھی بتلایا ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی سُنن میں اس روایت کو درج کیا ہے۔) ثانیاً: مسند احمد (۳۹۲/۱ ص: ۶۴۶)[1] کی درج ذیل حدیث کی بنیاد پر اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اللہ رب العالمین کے اسماء حسنیٰ غیر معدود اور غیر محدود ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] فضیلۃ الشیخ عبدالقادر الارنؤوط کہتے ہیں: "وهو حديث صحيح ورواه ايضاً الحاكم و ابو يعلىٰ والطبراني والبزار۔ دیکھئے: صحيح الكلم الطيب لشيخ الاسلام ابن تيميه رحمه الله طبع المكتب الاسلامي بالبيروت.

''کسی شخص کو کبھی کوئی دُکھ یا غم پہنچا ہو اور اس نے یہ دُعا پڑھ لی ہو: ''اے اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم مجھ میں جاری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اُس خاص نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے خود اپنا نام رکھا ہے۔ یا اُسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے۔ یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تو نے سکھایا ہے یا علم الغیب میں اسے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے فکر کو لے جانے والا بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے غم اور فکر کو لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فراخی (آسانی) کو لے آتا ہے۔ فراخی سے بدل دیتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اسے ہم سیکھ نہ لیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ جو بھی سُنے اُسے چاہیے کہ اس کو سیکھ لے۔''

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتے ہیں انہیں تو جنت میں ان کی خواہشات کے مطابق ساری ہی نعمتیں عطا کر دی جائیں گی۔ اور اللہ کا ان پر سب سے بڑا انعام یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کا دیدار کر سکیں گے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

((عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ ؟ فَيَقُولُونَ : أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ؟ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ (عَزَّوَجَلَّ۔)) [1]

---

[1] صحيح مسلم/كتاب الايمان، حديث : ٤٤٩

''سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ (انہیں مخاطب کر کے) فرمائیں گے: ''تم لوگ اور کچھ چاہتے ہو؟'' (اپنی نعمتیں بڑھا دوں؟) تو وہ کہیں گے: ''اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے (حسن وسرور سے) روشن نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور تو نے ہمیں جہنم سے نجات نہیں دے دی؟ (یہ تیرے کتنے بڑے انعامات ہیں، اور ہمیں کیا چاہیے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''پھر اللہ تعالیٰ پردے کو ہٹا دیں گے۔ اور اس وقت اہلِ جنت کو اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب کوئی چیز ان ساری نعمتوں سے نہ ہوگی جو کچھ وہ دیے جا چکے ہوں گے۔''

یہی بات اللہ تعالیٰ قرآن میں بھی بیان فرماتے ہیں:

﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾

[سورة القيامة: ٧٢،٧٣]

''اس (قیامت والے) دن بہت سارے چہرے بارونق ہوں گے اور وہ اپنے رب کے محو دیدار ہوں گے۔''

محترم بھائیو! اللہ رب العالمین کے مذکورہ بالا سارے انعامات کب ملیں گے جب ہم اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا اَنَا رَدِيْفُ النَّبِيِّ ﷺ [عَلَى حِمَارٍ يُقَالُ لَه، عُفَيْرٌ] لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَه، إِلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ ، فَقَالَ : "يَا مُعَاذُ!" قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: "يَا مُعَاذُ ! " قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ : يَا مُعَاذُ! قُلْتُ :

لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ: هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ قُلْتُ : اَللّٰهُ وَرَسُولُه' أَعْلَمُ ، قَالَ :"حَقُّ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۔" ثُمَّ سَارَ سَاعَةً قَالَ: يَا مُعَاذُ بْنِ جَبَلٍ! قُلْتُ ؛ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ۔" قَالَ: "هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَا فَعَلُوْهُ؟ قُلْتُ ؛ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَعْلَمُ ، قَالَ:"حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ)) [1]

''سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک گدھے پر (جسے عفیر کہا جاتا تھا) سوار تھا۔ آں حضرت ﷺ اور میرے درمیان کجاوے کی آخری لکڑی کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: ''اے معاذ!'' میں نے عرض کیا: ''میں بار بار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول!'' (آپ ﷺ حکم فرمائیے!) پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے چلتے رہے، اس کے بعد فرمایا: ''اے معاذ!'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تھوڑی دیر چلتے رہے اور پھر (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: ''معاذ!'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سوالاً پوچھتے ہوئے) فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ رب العالمین کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی ہی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی

---

[1] صحیح البخاری / کتاب اللباس ، حدیث : ٥٩٦٧ ، کتاب الجهاد والسیر ، حدیث : ٢٨٥٦، کتاب الرقاق ، حدیث : ٦٥٠٠۔ صحیح مسلم / کتاب الایمان حدیث : ١٤٣، واللفظ للبخاری

دیر چلتے رہے اور (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا: ''اے معاذ بن جبل!'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و اطاعت کے لیے حاضر ہوں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سوالاً پوچھتے ہوئے) فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ جب وہ ایسا کر لیں (یعنی بغیر شرک کیے وہ ایک اللہ کی ہی عبادت کریں) تو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندوں کا اپنے اللہ پر (اس صورت میں) حق یہ ہوگا کہ وہ انہیں عذاب (اور سزا) نہ دے۔'' (بلکہ انہیں بخش دے اور جنتوں کا وارث بنا دے۔)

اس دنیاوی زندگی سے متعلق جتنی شکایات اور مشکلات ہو سکتی ہیں تاہم وہ اس وقت باعثِ غم نہ رہیں گی جب آخرت میں آدمی کے لیے گرفت ڈھیلی کر دی جائے گی۔ اور دوسری جانب ذرا اس پہلو کو بھی مدِ نظر رکھیے کہ وہاں کے عذاب کتنے سخت ہوں گے؟ آخرت میں سب سے چھوٹی، کم اور تھوڑی سزا جس آدمی کو ملے گی، اسے جہنم کی آگ سے بنے ہوئے جوتے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ کھولنے لگے گا۔ اور پھر اس آدمی کا کیا حال ہوگا جسے اس سے نہ جانے کتنے گنا زیادہ سزا دی جائے گی۔ جب اس کے بارے میں اس سزا کا فیصلہ کیا جائے گا اور وہ تسلیم کرے گا کہ اس نے ان گناہوں کا بدلہ پا لیا ہے جنہوں نے اس کو رب العالمین کی رحمت سے جدا کر رکھا تھا۔ (یعنی گہرائی میں سوچ کے تصور کو پختہ کرو تو ڈر کے مارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضي الله عنه قَالَ: " قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ، كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرَى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا۔ وَإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا)) [1]

---

[1] صحیح مسلم/ كتاب الايمان، حديث: ٥١٧

''سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جہنمیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جو دو جوتے اور دو ہی تسمے آگ کے پہنے ہوئے ہوگا۔ ان (جوتوں) کی وجہ سے اس کا دماغ یوں کھولتا ہوگا جیسے (آگ پر رکھی) ہنڈیا (میں کوئی چیز) ابلتی ہے۔ وہ سمجھے گا اس سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں ہو رہا۔ حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔''

ذرا غور کیجئے! اس شخص کے صرف دو پاؤں میں ہی آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہوں گے جب کہ اس کا باقی سارا جسم آگ سے آزاد ہوگا۔ اور اس کا حال یہ ہوگا کہ جیسے کوئی آگ پر رکھا برتن ابال کھاتا ہے اسی سبب سے وہ یہ سمجھے گا کہ اسے سب سے سخت سزا دی جا رہی ہے۔

صحیح بخاری (کتاب الرقاق، حدیث: ٦٥٦٢) میں یوں ہے: ''نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت والے دن عذاب کے اعتبار سے جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب پانے والا وہ شخص ہوگا جس کے دونوں قدموں کے نیچے دو انگارے رکھ دیے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ یوں کھول رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا اور کیتلی جوش کھاتی ہے۔'' (یعنی ان انگاروں کی حرارت اس قدر شدید ہوگی۔) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ. (اے اللہ! ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں۔)

مذکورہ بالا گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ (اپنے پاک کلام قرآن مجید) اور اپنے پیغمبر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے اس بات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید والی سچائی کو جسے اس کا پیغمبر لے کر آیا تھا قول صادق، دلی تصدیق اور عملِ صالح کے ذریعے قبول کر لیا ان کے لیے دنیاوی مصائب و مشکلات، ڈر، خوف اور پریشانیاں معمولی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور آخرت میں اللہ کے انعامات ان کے منتظر ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾

[سورة النحل آيت: ۹۷]

''جو شخص نیک اعمال کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ (اپنے رب سے محبت کرنے والا) مومن بھی ہوا، تو اسے ہم (دنیا میں) پُر امن پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔ اور ایسے لوگوں کو (آخرت میں) ان کے نیک اعمال کا نہایت اچھا صلہ بھی دیں گے۔''

جب کہ مقابلۃً وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کھلی کھلی نافرمانیاں کیں ان کے لیے سخت قسم کے عذاب اور سزائیں اللہ ذوالجلال نے تیار کر رکھی ہیں۔ اس لیے محترم بھائیو! اللہ کی سزا سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور اس دنیا میں ڈر، خوف سے بچنے کے لیے ہمیں چاہئے کہ ہم عقیدۂ توحید کی مضبوطی کے ساتھ حفاظت کریں۔



رسول اللہ ﷺ کی محبت

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) [1]

سیدنا ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اتنی دیر تک ایمان والا نہیں ہو سکتا حتی کہ میں اس کے باپ (اور اس مرتبے کے سارے رشتوں، اس کے بیٹے (اور اس مرتبہ کے سارے رشتوں) اور تمام لوگوں سے (یعنی رشتہ داریوں سے ہٹ کر بھی) سب سے زیادہ اس کے ہاں محبوب نہ ہو جاؤں۔''

یہ یاد رکھیے کہ بنی نوع انس و جن میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہمارے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ پیغمبر کہ جن کا کردار اور شخصیت، مرتبہ اور حیثیت، تقویٰ اور پرہیز گاری ساری مخلوقات سے ممتاز تھا اور کسی کا بھی موازنہ آپ کے ان اوصاف عالیہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اس دعویٰ کے دلائل میں بہت ساری آیات و احادیث اور آثار پیش کیے جا سکتے ہیں۔ کچھ دیر بعد ہم ان کا ذکر کریں گے۔ (إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)

اللہ رب العالمین نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کو بے شمار انعامات و اکرامات سے نواز رکھا تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ اسلام کے داعی اور نمائندہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور نمونہ اپنے آپ کو ایک مسلم پیش کرتے تھے۔ دکھاوے کے طور پر نہیں بلکہ اللہ ذوالجلال پر ایمان جو آپ صلی اللہ

[1] صحيح البخاري/كتاب الايمان ، حديث : ١٥،١٤

علیہ وسلم کے دل میں راسخ تھا اس کا اظہار اسلام کی صورت میں آپ کے افعال واعمال سے ہوتا تھا۔ اور اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انس وجن کے لیے ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ اسی لیے اللہ نے ہر اہلِ ایمان کے لیے اپنے نبی سے غیر مشروط محبت لازم کردی ہے۔ مگر کچھ سوالات اس محبت سے متعلق ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ان سوالات کے تناظر میں ہی اس محبت کے معیار کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

- محبت کی کونسی قسم یہاں لازم ہے؟
- اس محبت کا حصول کتنا لازم ہے؟
- اس محبت کا اظہار کیسے ہو؟
- اور ہماری زندگی میں جو انتہائی ضروری بات ہے؛ کہ وہ کونسے اصول وقوانین ہیں جو اس محبت کے دائمی اور مفید ہونے پر مؤثر ہوں گے؟

ان سوالات کے جوابات سے قبل آیئے اس بات کا جائزہ لے لیں کہ جس شخصیت سے ہم محبت کرنے چلے ہیں کیا، انہیں بھی ہم سے پیار تھا یا نہیں؟ اور اگر وہ ہم سے محبت کرتے تھے ،تو کتنی؟ تاکہ طرفین کی محبت کو انصاف کے پیمانے سے جانچا جاسکے۔ اس لیے کہ محبت کے دائمی، پختہ اور انتہائی مفید ہونے کے لیے بنیادی اصول وضوابط اور شرائط میں سے ہے کہ:

نمبر۱............دونوں اطراف سے برابر کی ہو۔

نمبر۲............اخلاص کی بنیاد پر ہو۔

نمبر۳............غیر مشروط ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنی اُمّت سے محبت

ہر مسلمان کو نبی مکرم ﷺ سے لازماً جو محبت کرنی چاہیئے، اس کا بہتر ادراک کرلیا گیا ہے۔ اور انتہائی ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت سے جو محبت کرتے تھے اسے سیکھ لیا

جائے۔آپ کو اپنی امت سے یہ محبت اللہ رب العالمین کی ذات کے بعد سب سے زیادہ تھی۔ اور دنیا میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے کہ جس کی محبت کا آپ کی محبت سے موازنہ کیا جا سکے۔ بلکہ ہمیں بھی اپنی ذات سے اتنی محبت نہ ہوگی جتنی ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو ہم سے تھی۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

[سورة الاحزاب : ٦]

”یہ پیغمبر (محمد رسول اللہ ﷺ) تو اہل ایمان پر خود ان سے زیادہ مہربان ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمٌ۝﴾ [سورة التوبه : ١٢٨]

”(لوگو!) تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے وہ بہت خواہش مند ہیں۔ مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهٖ))[1]

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں مجھ محمد (ﷺ) کی جان

[1] صحيح مسلم / كتاب الفرائض ، حديث : ٤١٥٩.

ہے! زمین پر کوئی ایسا مومن نہیں کہ جس کے ساتھ سارے لوگوں سے زیادہ میں
مہربان نہ ہوں۔''

اگر ہم دنیا و جہان کی ساری محبت کو بھی اپنے محبوب نبی محمد ﷺ بن عبداللہ کی اپنی امت کے ساتھ محبت کے مقابلے میں لے آئیں تب بھی وہ ناکافی ہوگی۔اس کا ایک ثبوت نبی ﷺ کی وہ دعا ہے۔جو اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عطا کر رکھی تھی اور جس کا اس نے پورا کرنے کا وعدہ اپنے نبیوں سے کر رکھا تھا۔ چنانچہ نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دیگر معزز بھائیوں،انبیاء کرام سے بالکل مختلف اس عطا کردہ دعا کو اپنی حیاتِ طیبہ میں مانگنے کی بجائے قیامت تک کے لیے مؤخر کر رکھا ہے۔

حدیث رسول ﷺ ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (فَيُلْهَمُوْنَ لِذَالِكَ) فَيَقُولُوْنَ؛ لَواسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا ،فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُولُوْنَ : (يَا آدَمُ ! أَمَا تَرَى النَّاسَ؟)أَنْتَ أَبُو النَّاسِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَه' وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَیْءٍ ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَرَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا ، (أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرَى إِلٰى مَا قَدْ بَلَغْنَا ؟) فَيَقُوْلُ: " لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ذَنْبَه' فَيَسْتَحْيِي،إِئْتُوا نُوحًا فَإِنَّه' أَوَّلُ رَسُوْلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ ، فَيَأْتُوْنَه' (فَيَقُولُوْنَ:يَا نُوحُ!اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرضِ وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُوْرًا ،اِشْفَعْ لَنَا أَلٰى رَبِّكَ ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟) فَيَقُوْلُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَيَذْكُرُ سُؤَالَه' رَبَّه' مَا لَيْسَ لَه' بِهٖ عِلْمٌ فَيَسْتَحيِی فَيَقُوْلُ:إِئْتُوا خَلِيْلَ الرَّحْمٰنِ ،

فَيَأْتُوْنَه‘ (فَيَقُوْلُوْنَ : اَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيْلُهُ مِنَ الْاَرْضِ،اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ؟ أَلَا تَرَى مَا بَلَغْنَا ؟) فَيَقُوْلُ،لَسْتُ هُنَاكُمْ، (وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطَايَاهُ الَّتِيْ أَصَابَهَا) إِئْتُوْا مُوْسٰى عَبْدًا كَلَّمَهُ اللّٰهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ، فَيَأْتُوْنَه‘، (فَيَقُوْلُوْنَ:يَا مُوسىٰ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَضَّلَكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهٖ وَبِتَكْلِيْمِهٖ عَلَى النَّاسِ ، اِشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ ،أَ لَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيْهِ ؟ اَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغْنَا؟)فَيَقُوْلُ،لَسْتُ هُنَاكُمْ،وَيَذْكُرُ قَتْلَ النَّفْسِ بِغَيْرِ نَفْسٍ فَيَسْتَحْيِي مِنْ رَبِّهٖ فَيَقُوْلُ : إِئْتُوْا عِيْسَى عَبْدَاللّٰهِ وَرَسُوْلَه‘ وَكَلِمَةَ اللّٰهِ وَرُوحَه‘، (فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُوْنَ : يَا عِيْسىٰ! اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ ـاَلَا تَرَى مَانَحْنُ فِيْهِ؟) فَيَقُوْلُ:لَسْتُ هُنَاكُمْ،إِئْتُوْا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًاغَفَرَ اللّٰهُ لَه‘ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَأْتُوْنِيْ ، (أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) فَأَنْطَلِقُ (فَآتِيَ تَحْتَ الْعَرْشِ) حَتّٰى أَسْتَأْذِنَ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنَ [لِيْ عَلَيْهِ] فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّيْ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَاءَ (ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِيْ فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ، يُلْهِمُنِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى) ثُمَّ يُقَالُ : إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهُ وَقُلْ يُسْمَعْ،وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَرْفَعُ رَأْسِيْ فَأَحْمَدُه‘ بِتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ، ثُمَّ أَشْفَعُ (فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ، اُمَّتِيْ۔“ فَيُقَالُ لِي : اِنْطَلِقْ،فَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا۔ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : فَيُقَالُ :

يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنْ بَابِ الْاَيْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَ اَعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ لَكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ ، اَوْكَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وبُصْرٰى) فَيَحُدُّلِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ،ثُمَّ أَعُودُ إِلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي ،مِثْلَه، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ ، ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَقُولُ : مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرآنُ وَ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ۔" [قَالَ :ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾

[سورۃالاسراء : ٧٩]

قَالَ: وَهٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِي وُعِدَهُ نَبِيُّكُمْ ﷺ][1]

"سیدنا انس بن مالک (اور ابو ہریرہ) رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اہلِ ایمان قیامت والے دن (پریشان ہوکر) اکٹھے ہوں گے۔ (اور اس پریشانی کے لیے انہیں (اللہ کی طرف سے) فکر ڈال دی جائے گی۔) پس وہ (آپس میں ایک دوسرے کو) کہیں گے: بہتر تھا کہ اپنے رب کے ہاں کسی کو ہم سفارشی بناتے۔ چنانچہ وہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور عرض گزار ہوں گے :"[ہمارے جد امجد اے آدم! علیہ السلام کیا آپ لوگوں (کی حالت) کا مشاہدہ نہیں کررہے۔؟] آپ تمام لوگوں کے باپ ہیں۔ اللہ تبارک

[1] صحیح البخاری/کتاب التفسیر ، حدیث : ٤٤٧٦، کتاب التوحید ، حدیث: ٧٤١٠، ٧٥١٠، ٧٤٤٠۔ وصحیح مسلم/کتاب الایمان ، حدیث : ٤٨٠،٤٧٩،٤٧٥۔ (نوٹ) بڑی بریکٹ والے الفاظ اور بغیر بریکٹوں والی عبارت صحیح بخاری کی روایات سے لی گئی ہے جبکہ صحیح مسلم کی روایات میں جو اضافہ ہے وہ چھوٹی بریکٹوں میں دے دیا گیا ہے۔

وتعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ آپ کے لیے اس نے فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا اور اس نے آپ کو ہر چیز کے نام سکھائے۔ (اس لیے) اپنے پروردگار کے ہاں ہماری شفاعت کریں تاکہ آج کی اس مصیبت سے ہمیں نجات ملے۔ (کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ یہ بھی نہیں دیکھ رہے جو مصیبت ہمیں پہنچی ہوئی ہے؟) تو آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ''میں تمہارے یہاں اس لائق نہیں ہوں۔'' پھر وہ اپنی (جنت میں شجر ممنوعہ کا پھل کھانے والی) لغزش کا ذکر کریں گے اور (اللہ کے حضور جانے میں) شرم محسوس کریں گے۔ (فرمائیں گے) تم نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہیں اللہ نے (میرے بعد صاحبِ شریعت) رسول بنا کر زمین والوں کی طرف بھیجا۔ چنانچہ سب اہلِ ایمان ان کے پاس آئیں گے۔ (اور عرض کریں گے: جناب نوح علیہ السلام! آپ سب رسولوں سے پہلے زمین پر (نبی بن کر) آئے اور اللہ نے آپ علیہ السلام کو شکر گزار بندے کا لقب دیا۔ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کر دیں (کہ وہ حساب شروع کرے۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہم کس حال میں ہیں؟) تو وہ (بھی یہی) فرمائیں گے میں تمہارے یہاں اس لائق نہیں ہوں (کہ سفارش کر سکوں) اور وہ اپنے رب سے اس سوال کو یاد کریں گے جس کے متعلق انہیں کوئی علم نہیں تھا۔ (اور وہ اپنے نافرمان بیٹے کے بارے رب العالمین سے سفارش کر بیٹھے تھے۔) چنانچہ وہ (اللہ کے حضور جانے میں) شرم محسوس کریں گے۔ اور کہیں گے: اللہ کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔'' تو لوگ ان کے پاس آئیں گے۔ (اور عرض کریں گے: جناب ابراہیم علیہ السلام! آپ اہلِ ارض میں سے اللہ کے دوست اور اس کے نبی تھے، اپنے پروردگار کے ہاں ہماری شفاعت کر دیں۔ کیا آپ علیہ السلام دیکھ نہیں رہے کہ ہم

کس حال میں ہیں؟ کیا آپ یہ بھی نہیں دیکھ رہے جو مصیبت ہمیں گھیرے ہوئے ہے؟) تو وہ (بھی یہی) کہیں گے۔ ''میں تمہارے یہاں اس لائق نہیں ہوں۔'' (کہ سفارش کر سکوں۔) [اور ان سے اپنی ان لغزشوں کا تذکرہ کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھیں۔] تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ ایک ایسے بندے ہیں کہ (دنیا میں) اللہ رب العالمین نے ان سے کلام فرمایا تھا اور انہیں اللہ نے تورات عطا کی تھی۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آئیں گے۔ (اور عرض کریں گے: جناب موسیٰ! آپ وہ اللہ کے رسول ہیں کہ اس نے آپ کو سب لوگوں پر اپنے پیغاموں اور ہم کلام ہونے والے شرف کے ساتھ فضیلت بخشی تھی۔ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ علیہ السلام یہ بھی نہیں دیکھ رہے، جو مصیبت ہمیں پہنچی ہوئی ہے؟) تو وہ کہیں گے؟ ''میں تمہارے یہاں اس لائق نہیں ہوں۔ اور وہ ناحق ایک شخص کے قتل کا ذکر کریں گے۔ انہیں اپنے رب کے حضور جاتے ہوئے شرم دامن گیر ہوگی۔ کہیں گے: ''تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔'' تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔ جناب عیسیٰ! آپ علیہ السلام اللہ کے رسول بھی ہیں، آپ نے جھولے میں (رضاعت کے دنوں) لوگوں سے بات کی (یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔) اور اللہ کی طرف سے ایک کلمہ تھے جسے اس نے (آپ کی طاہرہ و مقدسہ ماں) مریم علیہا السلام کی طرف (ان کے رحم میں) القاء کر دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی (تشریفاً) آپ روح ہیں۔ اس لیے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ علیہ السلام دیکھ نہیں رہے ہم کس حال میں ہیں؟) تو وہ بھی کہیں گے: ''میں تمہارے یہاں اس لائق نہیں ہوں (کہ تمہاری اپنے رب سے شفاعت کر سکوں) تم لوگ محمد (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے ایک ایسے مقبول بندے ہیں کہ

اللہ نے انکی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر رکھی ہیں۔

چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے۔(میں قیامت والے دن لوگوں کا سردار ہوں گا۔)اور میں (اللہ کی طرف) چلنا شروع کردوں گا۔(پس میں عرشِ معلّٰی کے نیچے آؤں گا۔)اور اپنے رب سے (شفاعت وعبادت کی) اجازت چاہوں گا۔پس مجھے اس کی اجازت دے دی جائے گی۔جب میں اپنے رب کا دیدار کروں گا تو سجدے میں گر جاؤں گا۔اور وہ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں چھوڑے رکھے گا۔(پھر اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا اور اپنی تعریفیں میرے اوپر الہام کرے گا۔پس میں اس کی وہ تعریفیں کرسکوں گا جن کی اب میں قدرت نہیں رکھتا۔اللہ تعالیٰ ہی میری طرف وہ تعریفیں وحی کرے گا۔)

پھر (اللہ رب العالمین کی طرف سے) کہا جائے گا: (اے محمد! ﷺ) اپنا سر اٹھائیے! اور مانگیے آپ کو دیا جائے۔کہیے! آپ کی بات سنی جائے گی۔سفارش کریں! آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔تو میں اپنا سر (سجدے سے) اٹھاؤں گا۔اور اللہ کی وہ حمد بیان کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی گئی ہو گی۔پھر میں شفاعت کروں گا۔(اور کہوں گا: ''اے میرے پروردگار! میری امت، میری امت (یعنی اے اللہ! میری امت کو بخش دے۔)'' تو مجھ سے کہا جائے گا: جائیے جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں یوں درج ہے:

''مجھے حکم ہوگا: اے محمد! (ﷺ) اپنی امت میں سے ہر اس شخص کو جنت کے ''الأیمن'' نامی دروازے سے داخل کرلے جس پر کوئی حساب نہیں ہے۔ایسے لوگ دوسرے دروازوں میں سے جنت میں داخل ہونے میں بھی لوگوں کے

ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ (مگر یہ دروازہ ان کے لیے خاص ہے۔) قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ جنت کے دروازوں میں سے دو کواڑوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور (بحرین کے ایک شہر) ہجر کے درمیان کا۔ یا جیسے مکہ اور (دمشق سے تین منزل کے فاصلے پر) شہر بصریٰ کے درمیان کا۔[1] اور میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان میں سے فلاں فلاں طبقے کی شفاعت کر سکتے ہیں۔) تو میں انہیں (اپنی شفاعت سے) جنت میں داخل کراؤں گا۔ پھر (دوسری بار) اللہ رب العالمین کی طرف پلٹوں گا اور جب پہلے ہی کی طرح اپنے رب کو دیکھوں گا پھر میں شفاعت کروں گا۔ پس میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ (کہ اس بار اہلِ ایمان میں سے فلاں فلاں طبقے کی سفارش کر سکتے ہو۔) تو میں انہیں (اپنی شفاعت سے) جنت میں داخل کراؤں گا۔ پھر میں اسی طرح تیسری بار واپس پلٹوں گا۔ (اور شفاعت کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کا ایک گروہ شفاعت کر کے جنت میں داخل کراؤں گا۔) پھر اسی طرح چوتھی بار پلٹوں گا اور کہوں گا جہنم میں (جانے والوں میں سے) اب ان لوگوں کے سوا کوئی اور نہیں رہا کہ جنہیں قرآن نے اپنے فیصلے سے روک کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں رہنا ضروری قرار دے دیا ہو۔

راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے سورۃ الاسراء کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''عجب نہیں کہ (تہجد والی نفلی عبادت کی برکت سے) اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو (روزِ قیامت) مقامِ محمود تک پہنچا دے۔'' فرمایا کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) سے وعدہ کر رکھا ہے۔]''

---

[1] یاد رہے کہ مکہ اور ہجر کا درمیانی فاصلہ ۱۱۶۰ کلومیٹر اور مکہ و بصریٰ کا درمیانی فاصلہ ۱۲۵۰ کلومیٹر ہے۔

مذکورہ حدیث سے پہلے ہم نے جو یہ بات کہی تھی کہ: ہر نبی کو اللہ کی طرف سے قبول ہونے والی ایک دعا عطا کی گئی تھی اور اسی طرح ہمارے محبوب نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) کو بھی......تو وہ بات درج ذیل حدیث میں دیکھ لیجئے :

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لِكُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَه' وَإِنِّی اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔فَهِیَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِیْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا)) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک قبول ہونے والی دعا (عطا کی گئی) تھی۔ تو ہر نبی نے اپنی دعا مانگنے میں (دنیا کے اندر ہی) جلدی کر لی۔ اور میں نے اپنی دعا کو قیامت والے دن تک اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھا ہے۔ اور یہ ضرور ان شاء اللہ پوری ہونے والی ہے ہر اس مومن، مسلمان کے لیے جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔''

یہ دعا (جو ہر نبی کو عطا کی گئی) اس قدر اعلیٰ حیثیت والی تھی کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے اس کی قبولیت میں کوئی کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔ تو پھر کیا سبب تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو روزِ قیامت کے لیے محفوظ کر لیا؟ جبکہ آپ ﷺ اسے اپنے لیے بھی استعمال کر سکتے تھے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت والی زندگی میں مشکلات کا سامنا نہیں کیا؟ کیا آپ ﷺ کے مبارک جسم کو اس وقت لہولہان نہیں کر دیا گیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی؟ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے یہ بات ثابت ہے :

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لِلنَّبِیِّ ﷺ : " یَا رَسُولَ اللّٰهِ !هَلْ أَتٰی عَلَیْكَ یَوْمٌ كَانَ أَشَدُّ مِنْ یَوْمِ أُحُدٍ؟فَقَالَ : لَقَدْ لَقِیْتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِیْتُ مِنْهُمْ یَوْمَ الْعَقَبَةِ ،إِذْ

[1] صحیح مسلم/ کتاب الایمان ، حدیث : ٤٩١، ٤٩٨

عَرَضْتُ نَفْسِیْ عَلَی ابْنِ عَبْدِ یَا لِیْلَ بْنِ عَبْدِ کَلَالٍ، فَلَمْ یُجِبْنِیْ إِلَی مَا أَرَدْتُ ، فَا نْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلٰی وَجْهِیْ فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ ، فَرَفَعْتُ رَأْسِیْ فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِیْ فَنَظَرْتُ فإِذَا فِیْهَا جِبْرِیْلُ، فَنَادَانِي فَقَالَ ؛ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَومِكَ لَكَ وَما رَدُّوْا عَلَیْكَ وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَیْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَہ' بِمَا شِئْتَ فِیْهِمْ ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَیَّ ، ثُمَّ قَالَ : یَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَولَ قَومِكَ لَكَ وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِیْ رَبُّكَ إِلَیْكَ لِتَأْمُرَنِیْ بِأَمْرِكَ فَمَا شِئْتَ؟ إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَیْهِمُ الْأَخْشَبَیْنِ۔" فَقَالَ لَہ' رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : " بَلْ أَرْجُوْأَنْ یُخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَہ' لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا)) [1]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُحد والے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن گزرا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تمہاری قوم (قریش وعرب) کی طرف سے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں؟ اور سب سے سخت رنج مجھے ان کی طرف سے (طائف میں دعوت کے دوران) عقبہ کے دن پہنچا۔ (یہ وہ موقع تھا) جب میں نے (طائف کے سردار) کنانہ بن عبد یا لیل بن عبد کلال کے ہاں اپنے آپ کو پیش کیا (اور اسے مسلمان ہونے کو کہا) مگر اس نے میری دعوت کو قبول نہ کیا۔ میں وہاں سے انتہائی رنجیدہ ہو کر واپس ہوا۔ (کیونکہ اس نے میرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعلق بدتمیزی کی تھی۔) پھر مجھے ہوش نہ آیا مگر اس وقت کہ

---

[1] صحیح البخاری/کتاب بدء الخلق ، حدیث : ۳۲۳۱۔صحیح مسلم/کتاب الجهاد، حدیث: ٤٦٥٣ وأكثر اللفظ لِمُسْلِمٍ۔

جب میں مقامِ قرن الثعالب (نیا نام قرن المنازل) پر پہنچ گیا۔ (یعنی میں اسی غم والی حالت میں چلتا رہا۔ بروایت ابن اسحاق: طائف کے اوباش پیچھے لگ گئے اور دیوانہ، دیوانہ کہہ کر پتھر مارتے اور بدزبانیاں کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور وہ نبی مکرم ﷺ کے سامنے آڑ بن کر پتھر روکتے رہے مگر پھر بھی آپ ﷺ کی ایڑیوں اور باقی جسم پر اتنے زخم آئے کہ دونوں جوتے خون میں تر بتر ہو گئے۔) میں نے (وہاں پر ستانے کے لیے بیٹھتے ہوئے) اوپر سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ بادل کی ایک ٹکڑی نے میرے اوپر سایہ کیا ہوا ہے۔ اور میں نے دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے متعلق آپ کی قوم کی بات اور جو انہوں نے آپ کی تردید کی وہ بھی سن چکا ہے۔ اللہ نے آپ کی طرف پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ ان (اپنی قوم والوں) کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم دے دیں۔ (وہ بجا لائے گا۔) چنانچہ پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کہا۔ پھر عرض کی: اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کی قوم کی بات سن لی ہے اور میں پہاڑوں پر مامور ایک فرشتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم فرمائیں۔ تو آپ جو چاہیں (حکم کریں) اگر آپ چاہیں تو میں دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں۔" (کہ جس سے وہ چکنا چور ہو جائیں۔) تو اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (نہیں ایسا نہ کرو) بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسی اولاد پیدا کرے جو ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔"

پھر اس روایت میں جو اُحد والے دن" کا ذکر ہوا ہے، اس کی بابت بھی سن لیجئے:

((إِنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِلَ عَنْ جُرْحِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ: " جُرِحَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰى رَأْسِهِ ، فَكَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَغْسِلُ الدَّمَ وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَسْكُبُ عَلَيْهَا بِالْمِجَنِّ ، فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيْدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً ، أَخَذَتْ قِطْعَةَ حَصِيرٍ فَأَحْرَقَتْهُ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا ثُمَّ أَلْصَقَتْهُ بِالْجُرْحِ فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ)) [1]

''سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ''احد والے دن'' رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ (عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا نچلا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ (نچلا ہونٹ بھی زخمی ہو گیا) اور (ابن قمیہ کے تلوار والے وار سے) آپ ﷺ کے سر مبارک پر آپ ﷺ کا خود ٹوٹ گیا۔ (آنکھ سے نیچے والی ہڈی میں اس کے دوسرے وار سے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں جنہیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالا۔)

تو سیدہ فاطمہ (الزہراء رضی اللہ عنہا) بنت رسول اللہ ﷺ خون کو دھوتی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ڈھال سے پانی ڈالتے جاتے تھے۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی سے خون اور زیادہ نکلتا ہے تو انہوں نے بوریے کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے جلا دیا حتیٰ کہ وہ راکھ کی صورت اختیار کر گیا۔ پھر اسے زخم پر چپکا دیا تو خون رک گیا۔''

---

[1] صحيح مسلم/ كتاب الجهاد ، حديث : ٤٦٤٢

بتایئے اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کو کتنی تکلیف پہنچی ہو گی؟ مگر آپ ﷺ نے پھر بھی وہ دعا نہ مانگی جس کا آپ ﷺ کو حق دیا گیا تھا۔

اسی طرح کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، صحابہ کرام اور وہ قبیلہ نہ تھا کہ جسے (تین سال تک) کفارِ مکہ کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا؟ (ان سب کو رسول اللہ ﷺ کے تیئس سالہ دور نبوت میں پہاڑوں جیسی کتنی بڑی بڑی مشکلات سے واسطہ پڑا؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اس دعا کو سب سے کڑے وقت روزِ قیامت کے لیے محفوظ رکھا۔) کیا آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں دھوکے سے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے نہیں بنائے گئے؟ ان ساری مشکلات اور مصائب بلکہ ان سے بھی بہت زیادہ (کہ جن کے تذکرے سے احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں۔) کا سامنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی اس دعا کو نہیں مانگا بلکہ اپنی امت کی شفاعت کے لیے روزِ قیامت جیسے دہشت ناک دن تک باقی رکھا ہے۔

ہمارے پیارے نبی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی باضابطہ اعلان کردہ شفاعت متعدد اقسام کی ہو گی۔

۱۔ بڑی شفاعت.......... جو آپ کے بھائیوں، اللہ کے رسولوں اور اس کے انبیاء کے ساتھ ایک خصوصی دعا کی صورت میں آپ ﷺ عطا کی گئی اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزِ قیامت کو اللہ کے ہاں پیش کرنے کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ (اس کا پیچھے تذکرہ ہوا)

۲۔ آپ ﷺ کو دیا گیا شفاعت کا وہ حق جو آپ ﷺ صالح اور گنہگار دونوں طرح کے لوگوں کے لیے سفارش میں استعمال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کر دے۔

۳۔ آپ کی شفاعت کچھ ایسے لوگوں کے لیے جنہیں جہنم میں داخل کیے جانے کا حکم ہو چکا ہو گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے جنت میں داخلہ کی شفاعت کریں گے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، درجات کی بلندی کے لیے ان لوگوں کے واسطے جو جنت

میں داخل ہو جائیں گے۔ اہل جنت کو ان کے اعمال صالحہ کا انعام جو دیا جائے گا (داخلۂ جنت کی صورت میں) تو ان کے درجات وہاں مزید بلند ہو جائیں اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے۔

۵ کچھ ایسے لوگوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حساب نہ ہوگا (جیسے کہ شہداء) کہ اللہ انہیں جنت میں داخل کر دے۔

۶ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بعض لوگوں کا عذاب ہلکا کرنے کے لیے جو اس کے سزا وار ہو چکے ہوں گے۔ جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کا عذاب ہلکا کرنے کے لیے ہوگی۔

۷ جنت میں داخلہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اطاعت گزاروں کے لیے (جو عقیدہ وایمان میں پختہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج وطریق پر جانیں فدا کرنے والے ہوں گے۔ اہل الحدیث، اہل السنۃ والجماعۃ)

۸ جو اہلِ ایمان (سنت پر کار بند لوگ) بعض بڑے گناہوں کا ارتکاب دنیا میں کر چکے ہوں گے اور وہ جہنمیوں میں شامل ہو چکے ہوں گے۔ ان کے لیے آپ کی شفاعت......... ممکن ہے اللہ ان کی سزا ختم کر کے انہیں جہنم سے نکال دے۔ (تفصیل کے لیے "شرح عقیدہ طحاویہ بشرح ابن ابی العز" ص: ۲۲۹۔۲۳۹ دیکھیں)

(کیا آپ ﷺ کی یہ ساری باتیں ہمارے ساتھ محبت کی دلیل نہیں ہیں؟) رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنی امت کے لیے سوچا کرتے تھے۔ اور باوجود اسکے کہ آپ بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے، اپنی امت والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سامنے رویا بھی کرتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ

النَّبِيَّ ﷺ تَلَاقَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[سورة ابراهيم:٣٦] وَقَالَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[سورة المائده :١١٨] فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ: "اَللّٰهُمَّ أُمَّتِي ، أُمَّتِي وَبَكٰى۔" فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : يَا جِبْرِيلُ! إِذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ ، وَرَبُّكَ أَعْلَمُ، فَسَأَلْهُ مَا يُبْكِيكَ ؟ "فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَه، فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَ وَهُوَ أَعْلَمُ ، فَقَالَ اللّٰهُ:"يَا جِبْرِيلُ! إِذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ: إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمان والی آیت تلاوت کی۔ (اللہ فرماتے ہیں: ''ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے: ''(ان بتوں نے) اے پروردگار! بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ سو جس شخص نے میری اتباع کی وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو کوئی شک نہیں کہ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' اور عیسیٰ علیہ السلام جو کہیں گے: ''(اے میرے پروردگار!) اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے۔) بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (یعنی سورۃ المائدہ والی آیت ۱۱۸ بھی تلاوت فرمائی۔) اور اپنے دونوں ہاتھ (دعا کے لیے) اٹھا لیے اور عرض کی: ''اے اللہ! میری امت، میری امت'' (کو اپنے عذاب سے بچا لینا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے۔

---

[1] صحیح مسلم/کتاب الایمان، حدیث : ٤٩٩

تو اللہ تعالیٰ نے (حضرت جبریل کو حکم دیتے ہوئے) فرمایا: ”اے جبریل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ، حالانکہ تیرا رب خوب جانتا ہے مگر تم ان سے جا کر پوچھو: ”تمہیں کونسی بات رلاتی ہے؟“ تو حضرت جبریل نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے (جو کہا گیا تھا اس کے بارے میں) سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی امت کی فکر میں) جو کہا تھا اس کے متعلق حضرت جبریل کو بتلا دیا۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے واپس جا کر اللہ کو (جو سن کر آئے تھے وہ) بتلا دیا جبکہ اللہ تو خوب جانتا ہے۔ (کہ اس کا بندہ اور محبوب نبی اپنی امت کی فکر میں کس قدر پریشان ہے۔) تو اللہ رب العالمین نے (دوبارہ پھر زمین کی طرف بھیجتے ہوئے) فرمایا: ”اے جبریل! محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کے پاس جاؤ اور کہو: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے معاملے میں خوش کر دیں گے اور آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔“



رسول اللہ ﷺ سے محبت

اوپر دیے گئے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ہمارے محبوب نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سے کتنی محبت تھی۔ اب ان سے محبت کرنے والے اُمتیوں پر لازم آتا ہے کہ وہ بھی ان سے بہت زیادہ محبت کریں۔ کس کی، کس سے زیادہ والی بات رسول اللہ ﷺ سے محبت کو دل میں غیر مشروط نہیں رہنے دیتی۔ اور مشروط محبت دل کو ایمان سے خالی کر دیتی ہے جبکہ غیر مشروط محبت توحید و رسالت کی سچی گواہی ہوتی ہے۔ فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان (الخطب المنبریہ جلد ۲ ،ص:۱۰۱ میں) بیان فرماتے ہیں:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ....)) ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔'' میرا اس بات کا پرزور دعویٰ ہے کہ محمد ﷺ اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ گواہی اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ یہ تصدیق دل میں جاگزیں ہو۔ اس شہادت کے (تقاضا کے اعتبار سے) چند پہلو قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ اس بات کی گواہی دینے والے تمام باتوں میں نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں جن کا آپ نے حکم دیا ہو، ان تمام اخبار کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہوں، جن کاموں سے (باتوں سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان سے وہ رُک جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی وہ اس طرح سے عبادت کرتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے ان کی ادائیگی کا طریقہ بتلایا ہو۔

۲۔ جو کچھ بھی (قرآن وسنت میں سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا اس پر وہ (بلا تنقیص وتشکیک) ایمان رکھتے ہیں اور وہ عبادت کے صرف انہی اعمال میں شریک ہوتے ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعاً جائز قرار دیا ہو۔

۳۔ دین میں ایجاد کی جانے والی تمام بدعات سے وہ بچتے ہیں اور ان تمام بیانات وآراء کو چھوڑ دیتے ہیں جو نبوی سنت ومنہج کے برعکس ہوں چاہے یہ بیانات وآراء کسی بھی معاملہ میں کتنے ہی فہیم ودانش مند لوگوں نے کیوں نہ دیے ہوں۔

اگر کوئی شخص ان باتوں کا صدق دل سے عمل بالجوارح کے ساتھ خیال رکھتا ہے تو اس آدمی کی یہ محبت لازماً اس محبت سے بہت اعلیٰ ہوگی جو وہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ اپنے والدین، اپنی شریک حیات، اپنے بچوں اور کسی بھی چیز سے کرتا ہو۔ یہ بات درج ذیل حدیث سے بھی یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اتنی دیر تک ایمان والا نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ میں اس کے باپ، (اور اس مرتبے کے سارے رشتوں) اس کے بیٹے (اور اس مرتبے کے سارے رشتوں) اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے ہاں محبوب ہو جاؤں۔"

اس حدیث مبارک میں ایمان کے لیے مشروط نبی مکرم ﷺ کی محبت کا انتہائی گہرا تعلق تو ملاحظہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ اس نکتے کو اپنی امت میں مستقل بنیادوں پر استوار کرنے

---

[1] صحیح البخاری/کتاب الایمان، حدیث : ١٤، ١٥

کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم اٹھا رہے ہیں۔ اور قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی قسم نہ اٹھاتے تب بھی آپ کے بیان کی سچائی میں کوئی شک نہ تھا ۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے حبیب تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں نبی ﷺ ایمان کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد کا قطعی طور پر حکم دے رہے ہیں۔ (جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی مندرجہ بالا حدیث پر اس ایمانی اساس کا باب باندھا ہے: ''بَابُ حُبِّ الرَّسُولِ مِنَ الْإِيْمَانِ..... باب ہے اس بارے میں کہ رسول کریم ﷺ سے محبت ایمان میں سے ہے۔''

ایک اور حدیث بھی ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے ان چیزوں کے متعلق مزید فرمایا ہے جو آپ ﷺ کی محبت کی لازماً تائید کرتی ہیں۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ : أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ))[1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں اس نے ایمان کی حلاوت (مٹھاس) کو پالیا۔''

☆1 اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) دونوں، ہر چیز کے سوا آدمی کے نزدیک زیادہ محبوب ہو جائیں۔ (مسند احمد ۴/ ۲۳۳، ۳۳۶ میں زهره بن معبد التیمی کی عن جده عبدالله بن هشام والی روایت میں نبی ﷺ کے الفاظ یوں ہیں:

---

[1] صحیح البخاری/ کتاب الایمان ، حدیث: ۱۶، ۲۱۔ صحیح مسلم/ کتاب الایمان ، حدیث: ٦٧ مسند احمد: ۲۰۷/۳ واللفظ للبخاری۔

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ ......))

''اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص تب تک ایمان والا نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں''

☆ یہ کہ وہ کسی بھی شخص سے محبت کرے تو محض اللہ کے لیے۔

☆ اور یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو یوں ناپسند کرے جیسا وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں پھینک دیا جائے۔''

جو آدمی اپنی سوچ، فکر کو دھوکہ نہ دے رہا ہو اور وہ اپنے خاندان، اپنی جان اور سارے جہان سے زیادہ نبی مکرم ﷺ سے محبت کرتا ہو تب اس کا ایمان مکمل ہو گا۔ یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جو ایمان کو مطلوب ہیں۔ اور ان کو اپنانے والا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبت کرنے لگتا ہے۔ مسند احمد میں عبداللہ بن ہشام سے مروی مندرجہ بالا حدیث سے (کہ جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے) اور دیگر بہت ساری احادیث و روایات سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ نبی ﷺ کی محبت دنیا جہاں کی ہر ہر چیز حتی کہ آدمی کی اپنی جان پر بھی غالب آ جائے۔ تب جا کر آدمی کا ایمان اپنے اصول و قواعد کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ محبت لازماً اس محبت سے زیادہ ہو جو آدمی اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے تمام خاندان اور سارے جہان سے کرتا ہو۔

فضیلۃ الشیخ محمد جمیل زینو مندرجہ بالا صحیح البخاری اور صحیح مسلم والی حدیث (کتاب الایمان :۱۶، ۲۱) کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب ''منهاج الفرقة الناجية (ص: ۱۱۱) میں لکھتے ہیں:

''یہ صحیح حدیث ہمیں اس بات کا علم بہم پہنچاتی ہے کہ مسلمان آدمی کا ایمان اتنی دیر تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت نہ کرے جو والدین و اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر ہو۔ حتیٰ کہ مسلمان کی محبت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ جیسا کہ ایک دوسری

حدیث (مسند احمد والی) میں آیا ہے اور اس محبت کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی آدمی کی نفسانی خواہشات کے مخالف ہوں۔ اور اسی طرح اس محبت کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بیوی، اولاد اور ان سب لوگوں کی جو اس کے ارد گرد ہوں کسی معاملے میں رغبت و آرزو رسول اللہ ﷺ کی پسند یا ناپسند کے الٹ ہو۔ چنانچہ (یہاں پرکھ ہو جاتی ہے) اگر وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کا محبّ صادق ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و اوامر کو ہمیشہ مقدم رکھے گا اور اپنے نفس، اہل وعیال، اپنی خواہشات نفس اور جتنے لوگ بھی اس کے ارد گرد ہوں گے اُن کی مخالفت کرے گا۔ اور اگر وہ جھوٹا ہوا تو اللہ رب العالمین اور اس کے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور شیطان و خواہشات نفسیہ کی موافقت کرے گا۔''

اگر کوئی شخص نبی ﷺ سے اپنی محبت میں ناقص ہونا شروع ہو گیا اور اسے کسی بھی چیز یا فرد سے اللہ کے سوا دوسرے درجے پر لے گیا تو سمجھو کہ اس کا ایمان ڈگمگا گیا۔ اور اگر وہ اپنے اس طور طریقے پر مسلسل چلتا رہا (اور اس نے اپنی اصلاح نہ کی) تو اسے اللہ کی پکڑ اور اس کی سزا کا انتظار کرنا چاہیے۔

اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَاَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ ﴾

[سورة التوبه : ٢٤]

''(اے میرے نبی!) کہہ دیجئے! اگر تمہارے باپ دادا (اور اس مرتبہ کے سارے رشتے دار)، تمہارے بیٹے (اور پوتے، نواسے) تمہارے بھائی (اور

اس مرتبہ کے سارے رشتے) تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان کے (باقی) افراد اور وہ مال کہ جسے تم کماتے ہو، وہ تجارت کہ جس کے نقصان (گھاٹے اور بند ہونے) سے تم ڈرتے ہو اور جن مکانوں کو تم پسند کرتے ہو، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ محبوب (اور پیارے) ہو گئے تو پھر انتظار کرو کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے۔ اور (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ نا فرمان (فاسق) لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

اس آیت میں آٹھ چیزیں ذکر ہوئی ہیں جن کے متعلق ہمیں خبردار کیا گیا ہے۔ انہیں ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب نہ رکھیں (اور ان آٹھ کے اندر ہی ساری دنیا کی باقی سب چیزیں آ جاتی ہیں۔) اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کی محبت میں گرفتار ہو گیا تو اس کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فاسق (یعنی مجرم، سرکش اور نافرمان) کہا ہے اور وہ کبھی بھی اپنے رب سے مہربانیاں اور انعامات حاصل نہ کر سکیں گے۔

اوپر ذکر کی گئی عبداللہ بن ہشام والی حدیث بھی بالالتزام استفادی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت اپنی ذات سے بھی بہت زیادہ ہو۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ ہماری محبت کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ ﷺ تو اللہ کے خلیل و حبیب اور انتہائی قریبی دوست ہیں۔

((عَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ؛ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ : "إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا ، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا ، أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَآءِ هِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا

الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ ، إِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ)) [1]

''جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اُن کی وفات سے پانچ دن قبل یہ بات سُنی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے :''میں اللہ کی طرف اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ کسی کو تم میں سے اپنا دوست بناؤں۔ بلا شبہ اللہ نے مجھے اپنا دوست بنا لیا ہے ۔جیسے اُس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا دوست بنالیا تھا۔اور اگر میں نے اپنی اُمت میں سے کسی کو اپنا گہرا دوست بنانا ہوتا (کہ جس کی طرف میرا دل ہر وقت لگا رہتا) تو میں ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو اپنا (ایسا) دوست بناتا۔خبردار! تم میں سے جو پہلے لوگ تھے وہ اپنے پیغمبروں اور صالح لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! کہیں تم قبروں کو مسجدیں نہ بنا لینا۔میں تمہیں اس بات سے منع کر رہا ہوں۔''

اللہ آپ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔وہ محبت کہ جو ایک مومن کو اپنے رب سے مطلوب ہوتی ہے۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○ ﴾

[سورة آل عمران : ٧٦]

''ہاں! جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (اللہ کا) ڈر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ (بھی اپنے سے) ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ [آل عمران : ٣١]

[1] صحيح مسلم/كتاب المساجد ، حديث : ١١٨٨

"(اے میرے پیارے نبی!) آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ اور وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

اس آیت کریمہ میں جو اطاعت و فرمانبرداری والا عمل ذکر ہوا ہے۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع والا) وہ صرف اسی صورت میں بجالایا جاسکتا ہے کہ آدمی ساری خلقت سے بالکل بالاتر، یکسر مختلف اور مکمل محبت انتہائی منفرد انداز میں اللہ اور اس کے رسول سے ہی کرے۔ نبی ﷺ سے محبت کی کیفیت کا معیار اس حد تک ہو کہ اس کے ذریعے بنی نوع انسان کے رب (اللہ تعالیٰ) سے معافی حاصل کر سکے۔ اہل اسلام کے دلوں میں پیغمبر ﷺ کی محبت کا اختیار کرنا صرف اس زندگی میں ہی کامیابی حاصل کرنے کی انفرادیت کو راہنمائی نہیں کرے گا بلکہ انہیں آخرت میں بھی کامرانی عطا کرے گا۔ یہ انفرادیت ہی اس (ایمان والے) کے دل میں ایمان کی حلاوت حاصل کر سکے گی اور اسی سے اللہ کی محبت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اللہ کی محبت حاصل کرنے کی غرض سے نبی ﷺ کی محبت والے راستے پر ہر ایک کو لازماً چلنا ہوگا۔

اگر یکسوئی اختیار کرنے والے کسی شخص کے دل میں (مندرجہ بالا مطلوب) ایمان داخل ہو جائے تو اس کا دل صرف نیک کام کرنے کی ہی آرزو کرنے لگتا ہے۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو اس کا دل اپنے رب کے ذکر کی ہی تمنا کرتا رہتا ہے۔ وہ نفلی نماز میں اور زیادہ منہمک ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن حکیم کی مزید تلاوت کرتا ہے۔ اور اس کا دل ان کاموں کے ساتھ اس حد تک منسلک ہو جاتا ہے کہ جب وہ اللہ کا گھر (مسجد) چھوڑتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے۔

مگر (افسوس کہ) آج یہ بات امت کے نصیب میں نہیں رہی۔ مسلمانوں کے دل مساجد کے ساتھ معمولی حد تک منسلک رہتے ہیں۔ (مساجد میں داخل ہونے سے تھوڑی دیر

بعد) ان کے دل باہر جانے والے راستوں کی طرف لگے رہتے ہیں۔اس مسلمان کی زبان اپنے رب کی یاد میں مصروف رہنے کی بجائے اس بات میں زیادہ استعمال ہونے لگتی ہے کہ امام صاحب نے نماز لمبی کردی۔ جب امام خطبہ دے رہا ہو آپ (کمزور ایمان والے اس) مسلمان کو دیکھو گے کہ وہ بار بار اپنی گھڑی کو گھور رہا ہوگا۔کبھی وہ دیواروں اور باہر نکلنے والے راستوں کو تک رہا ہوگا۔سیکنڈز اور منٹس شمار کرتا ہوا نظر آئے گا حتی کہ نمازِ جمعہ ختم ہوئی اور اس نے مسجد کو چھوڑا۔اس طرح کے ہمارے بھائی مسجدوں میں سب سے آخر میں آتے ہیں اور سب سے پہلے نکل جاتے ہیں۔اگر پہلے آ بھی جائیں تو کرگس کی طرح باہر دروازوں پر ہی منڈلاتے رہتے ہیں۔

گھنٹوں کے گھنٹے اس کھیل تماشے میں صرف کیے جاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی صریحًا خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جمعرات والی ساری رات ٹیلیویژن دیکھنے میں گزار دی جاتی ہے اور جمعہ والا دن پھر سو کر گزارا جاتا ہے۔(اگر نمازِ جمعہ کے لیے ایسے لوگ مسجد میں آ بھی جائیں تو دورانِ خطبہ سوئے رہتے ہیں۔) پوری رات جاگ کر گزار دیں گے، مگر خطبہ جمعہ کے لیے آدھ گھنٹہ نہیں جاگ سکتے۔حرام چیزوں کو پوری فرمانبرداری کے ساتھ ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں گے مگر جب نماز کے لیے آئیں گے تو صحیح طرح سے سیدھا کھڑے بھی نہیں ہوتے۔پھر بھی اس دعویٰ کی جسارت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ ایک بہت بڑی بیماری ہے جس نے امت کو تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ یہ بیماری کینسر سے بھی زیادہ بری ہے۔کیونکہ کینسر کے ساتھ کہ جو آدمی کے وجود میں سرایت کر جاتا ہے صرف اس کی زندگی ہی ختم ہوتی ہے۔مگر اس بیماری کے ساتھ بالخصوص اس کی دنیا بھی تباہ و برباد ہوتی ہے اور آخرت بھی۔اور وہ بالآخر جہنم کی دہکتی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس بیماری کا علاج کیسے کریں؟(یاد رہے کہ) اس بیماری کی اصلاح سے ہی ایمان مکمل اور صرف اسی راستے سے ہی اس کی حلاوت کا حصول

ہوسکتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت ساری مخلوقات اور اپنی جان سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ بات قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے۔ (منکرات سے نفرت اور نیک اعمال سے محبت کے ذریعے) ایک دفعہ ایمان بڑھنا شروع ہو جائے، بہت سارے انعامات کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ان انعامات میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارا تعلق ان لوگوں کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جو آخرت سے محبت کرتے ہوں۔ (اور وہ ہمیں آخرت میں محبوب ہوں۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَتَى السَّاعَةُ قَائِمَةٌ ؟ قَالَ: "وَيْلَكَ ، وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا ؟ " قَالَ : مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا أَنِّيْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ، قَالَ : " اِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔" فَقُلْنَا : وَنَحْنُ كَذٰلِكَ؟ قَالَ: " نَعَمْ " فَفَرِحْنَا يَوْمَئِذٍ فَرَحًا شَدِيْدًا ، فَمَرَّ غُلَامٌ لِلْمُغِيْرَةِ وَكَانَ مِنْ أَقْرَانِيْ، فَقَالَ: اِنَّ أُخِّرَ هٰذَا يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) [1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افسوس ہے تیرے اوپر! تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' کہنے لگا: میں نے اس کے لیے کوئی خاص تیاری نہیں کی البتہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تم بلاشبہ (قیامت والے دن) انہی کے ساتھ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو۔'' (راوی حدیث بیان کرتے ہیں۔) تو ہم نے عرض کی: (اے

---

[1] صحيح البخارى ، كتاب الأدب ، حديث : ٦١٦٧

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا ہمارا بھی یہی معاملہ ہوگا؟ فرمایا: ''ہاں'' (سب کا یہی معاملہ ہوگا۔) ہم اس دن بہت خوش ہوئے۔ پھر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام وہاں سے گزرا وہ میرا ہم عمر تھا۔ (اسے دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس بچے کی عمر دراز ہوئی تو اس کو بڑھاپا آنے سے پہلے قیامت قائم ہو جائے گی۔'' (یعنی تم سب لوگ دنیا سے گزر جاؤ گے۔ موت بھی ایک قیامت ہے جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ ......))

''جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ والی مذکور بالا حدیث سے یہی قیامت مراد ہے۔ باقی رہا مسئلہ قیامت کبریٰ کا، آسمان کے پھٹنے کا تو اس کو بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی نہیں جانتے۔ واللہ اعلم بالصواب.)

محبت کی علامتیں

نبی ﷺ سے صرف محبت کا دعوی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کا تعین نہیں کرتا۔ (بلکہ عمل کے ساتھ اس محبت کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی مکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے، تب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے اپنے دوستوں اور اپنے دشمنوں کے درمیان فرق کرنے والا بنا دیا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی شخص اللہ کا ولی (یعنی اس کا دوست) نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ وہ اس کی ذات پر پختہ ایمان لائے اور اس پر بھی جو (شریعت اور دینِ اسلام) رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ اور پھر یہ کہ ظاہر و باطن میں اس (دین و شریعت) کی اتباع (بالعمل فرمانبرداری) بھی کرے۔ جو شخص

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ولایت (دوستی) کا دعویٰ کرے اور وہ اس کی تابع داری (عملاً) نہ کرتا ہو، تو وہ اولیاء اللہ میں سے ہرگز نہیں۔ بلکہ عملی طور پر جو اس کی مخالفت کرتا ہو وہ اللہ کے دشمنوں اور شیطان کے ولیوں (دوستوں) میں سے ہوگا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥﴾ [سورة آل عمران: ٣١]

''(اے میرے نبی! لوگوں سے) کہہ دیجیے! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو، (اس سے محبت کرتے ہو) تو میری پیروی کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ اور وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

[الفرقان بين اولياء الرحمن واولياء الشيطان ص:١٢، طبع المكتب الاسلامى، بيروت / لبنان]

آج کل آپ جب بھی کسی سے پوچھ لیں: کیا وہ نبی ﷺ سے محبت کرتا ہے؟ تو وہ اقرار میں ہی جواب دے گا۔ اور وہ دعویٰ جتائے گا کہ اس کی (اپنے نبی سے) محبت ان کے علاوہ (دنیا جہان کی ہر چیز) کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن جمیل زینو (مدرس دار الحدیث الخیریہ، مکہ المکرمہ) فرماتے ہیں: ''جب آپ کسی مسلمان سے پوچھیں؛ کیا تم اپنے نبی (ﷺ) سے محبت کرتے ہو؟ تو وہ آپ سے کہے گا؛ ہاں! کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو میرا مال بھی قربان اور میری جان بھی۔ پھر جب آپ اس سے پوچھیں گے؛ تو تم اپنی داڑھی کیوں منڈواتے ہو؟ اور فلاں فلاں کام میں تم اپنے نبی (ﷺ) کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ اور تم اپنے نبی جیسے عمل کے اظہار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی توحید کی مشابہت کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ اپنی بات سے آپ کو یوں جواب دے گا؛ محبت دل میں ہوتی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میرا دل پاک (اور بہت اچھا) ہے۔ ہم

---

❶ رواه البخاری ومسلم۔منهاج الفرقة الناجية،طبع جمعية احياء التراث الاسلامى ص١١٢

اس سے کہیں گے: ''اگر تیرا دل (نبی کی سنتوں سے نفرت اور دنیا کی محبت سے) پاک ہوتا تو اس کا اظہار (عمل کی صورت میں) تیرے جسم پر ضرور ہو جاتا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) [1]

''خبردار! بلاشبہ جسم میں ایک گوشت کا (بوٹی جیسا) ٹکڑا ہوتا ہے۔ جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم (اعمال و افعال کے اعتبار سے) درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! یہ دل ہے۔''

تب ہمیں لازماً اس بات پر نظر کرنی چاہیے کہ اگر ان کے اعمال ان کے دعویٰ کی تائید کر رہے ہوں تو ان سے اس محبت کی نشانیوں کا اظہار بھی ہو گیا۔ (اور اگر ایسا نہیں ہوا تو سمجھئے کہ دعویٰ جھوٹا ہوا۔) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا، ہم اپنی محبت سے موازنہ کر کے دیکھ لیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اس حد تک محبت رکھتے تھے کہ وہ دنیا جہاں کی پابندیاں اور بندھن توڑنے پر ہمہ وقت تیار رہتے۔ اور چاہے سنت کے مقابلے میں کوئی بھی ہوتا پرواہ نہ کرتے، حتیٰ کہ اپنے رشتے داروں کی بھی۔

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ ، أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ ؛ لَا تَخْذِفْ ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ: " إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَا يُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ ، وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ۔" ثُمَّ رَآهُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَخْذِفُ فَقَالَ لَهُ ؛ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ وَأَنْتَ تَخْذِفُ؟ لَا أُكَلِّمُكَ كَذَا وَكَذَا)) [1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الذبائح و الصید، حدیث نمبر ٥٤٧٩، صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح، حدیث ٥٠٥٠

''عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے (اپنے عزیزوں میں سے) ایک آدمی کو کنکری پھینکتے دیکھا تو اس سے کہا کہ کنکری نہ پھینکو۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے (یوں بلا مقصد) کنکری پھینکنے سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ: ''اس سے نہ ہی تو شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے دشمن کو کوئی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ کسی کا دانت توڑ سکتی ہے اور کسی کی آنکھ پھوڑ سکتی ہے۔'' پھر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا کہ وہ (باز نہیں آیا اور) کنکریاں چلائے جا رہا ہے تو انہوں نے اس سے کہا: میں تم سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان بیان کر رہا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کنکریاں چلانے سے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکریاں پھینکے چلا جا رہا ہے؟ میں تم سے (کبھی بھی) اتنے دنوں تک بات نہیں کروں گا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (اس حدیث کی شرح میں) فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں ان لوگوں سے ترکِ سلام و کلام جائز ثابت ہوا جو سنت کی مخالفت کرتے ہوں۔ اور یہ عمل اس حدیث کے خلاف نہ ہوگا جس میں تین دن سے زیادہ (اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ) ترکِ کلام کی مخالفت آئی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کے لیے ہے اور یہ سنتِ نبوی (علی صاحبها التحية والسلام) کی محبت میں ہے۔ (فداہ روحی وجسدی)

فرض کریں کوئی آدمی، بازار ایک انتہائی قیمتی گھڑی خریدنے کے لیے جاتا ہے۔ گھڑی بیچنے والا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ فلاں کمپنی (اور ماڈل) کی گھڑی ہے اور اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ (یعنی صرف وہی کمپنی کا ڈیلر ہے۔) تو کیا خریدار بیچنے والے کے صرف انہی الفاظ پر اکتفاء کر لے گا یا وہ دیگر دوکانوں پر جا کر تصدیق کرے گا؟ ہر عقل مند آدمی (ایک قیمتی چیز کی خریداری کے لیے) ضرور جائے گا اور اس بیچنے والے کے الفاظ کی تصدیق اپنی مطلوبہ چیز کی خریداری سے پہلے بہر حال کرے گا۔ بعینہٖ وہ آدمی جو رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ

کرتا ہے، ہم فوراً اس کے الفاظ کا یقین نہیں کر لیں گے جب تک ہم دیکھ نہ لیں کہ واقعتاً وہ عملی طور پر اس کا ثبوت بھی پیش کر رہا ہے؟ یا نہیں۔ (اس سے اس کے دعویٰ کی تصدیق یا نفی ہو جائے گی۔)

کچھ نشانیاں ہیں جو اس کے اعمال سے لازماً اس کے دعویٰ کی تائید کے لیے واضح ہونی چاہییں۔ اور یہ اعمال واضح ہو سکتے ہیں تو صرف اس وقت جب کوئی آدمی ساری مخلوقات سے یکسر مختلف محبت رسول اللہ ﷺ سے ہی کرتا ہو۔ اگر کسی آدمی کو اس وقت موت آ جاتی ہے جب وہ اپنے دل میں نبی ﷺ سے محبت نہیں رکھتا تب وہ سارے کے سارے اچھے کام جو اس نے اپنی زندگی میں کیے تھے، برباد ہو جائیں گے اور آخرت میں اس کے کسی کام نہیں آئیں گے اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوگا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ زندگی کے آخری لمحے تک وہ ہمیں ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی بے بہا محبت نصیب کیے رکھے۔ اور اسی محبت پر ہماری موت واقع ہو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں ان لوگوں کی طرح بنا دے جو آخرت میں نبی مکرم ﷺ کی معیت کو حاصل کرنے کی کوشش میں دنیا کے ڈھیروں مال و منال سے بچتے رہتے تھے۔ اپنے محبوب نبی (ﷺ) کے پیارے چہرے کا دیدار کرتے رہنے اور ان کی مصاحبت کے لیے وہ اپنی دنیا چھوڑے رکھتے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا طریقہ کار تھا۔ دنیا اور آخرت دونوں میں وہ ہمیشہ اپنے محبوب پیغمبر کے ساتھ رہنے کی آرزو رکھتے تھے۔

((عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ ؛ كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَآتِيهِ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ ، فَقَالَ لِي :" سَلْ" فَقُلْتُ ؛ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ قَالَ :" أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟" قُلْتُ ؛هُوَ ذَاكَ۔ قَالَ : "فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ))[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ،حدیث : ۱۰۹۴، مسند أحمد : ۵۹/۴ حدیث : ۱۶۱۴۲،۴۳

''سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ؛ میں رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارا کرتا تھا اور (رات کے وقت جب بھی ضرورت پیش آتی) میں وضو والا برتن اور دیگر کوئی ضرورت والی چیز حاضر کر دیتا۔ تو (ایک دن) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ربیعہ! مانگو کیا چاہتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ''میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اس کے علاوہ بھی کوئی آرزو ہے؟'' میں نے عرض کی: بس یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر (جنت میں میری رفاقت حاصل کرنے کے لیے) کثرتِ سجود کے ساتھ اپنے آپ پر میری مدد کر۔'' (یعنی اللہ کی عبادت زیادہ کیا کرتا کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تیرے حق میں میری شفاعت قبول کرلے۔ اس حدیث کی تفصیل مسند احمد ٤/ ٥٩ میں موجود ہے اور علماء کی ایک گیارہ رکنی جماعت نے مسند احمد کی تخریج میں اس روایت کی سند کو '' حسنٌ'' کہا ہے۔ یہ نسخہ مکتبۃ الرسالۃ بیروت سے ۵۰ جلدوں میں چھپ چکا ہے۔)

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اِنَّ اللّٰهَ تَعالیٰ قَالَ :مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ، وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ أَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَیْهِ۔ وَمَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ ، فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِهَا ، وَاِنْ سَأَلَنِیْ لَأُعْطِیَنَّهُ ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَأُعِیْذَنَّهُ ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهُ)) [1]

---

[1] صحیح البخاری ، کتاب الرقاق ، حدیث : ٦٥٠٢

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے میرے کسی دوست (ولی اللہ) سے دشمنی کی، اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ جن عبادات سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے مجھے کوئی عبادت زیادہ پیاری نہیں لگتی مگر وہ جو میں نے اس پر فرض کر رکھی ہو۔ اور میرا بندہ (فرائض کی ادائیگی کے بعد) نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور میں (اس محبت کے نتیجے میں) اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا وہ قدم بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے میں ضرور عطا کر دیتا ہوں۔ اگر وہ (کسی شیطان یا دشمن سے) میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دے دیتا ہوں۔ اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اس کو تکلیف دینا برا لگتا ہے۔''

نوٹ:...... (یہاں پر اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندے کا کان، اس کی آنکھ، اس کا ہاتھ اور اس کا پاؤں بننے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مومن آدمی اخلاصِ توحید کے ساتھ عبادت میں اس قدر انہاک و یکسوئی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کے حواسِ خمسہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہی استعمال ہونے لگتے ہیں، یہ مطلب بالکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتا ہے۔ یہ باطل عقیدہ ہے اور تردد سے مُراد شفقت و رحمت ہے، کہ مجھے اس کی تکلیف پر رحم آ رہا ہوتا ہے یا ایسے سمجھیں کہ کسی عورت (ماں) کا بچہ بیمار ہو جائے اور سخت تکلیف میں ہو تو وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے اور ڈاکٹر علاج کے لیے ٹیکہ لگاتا ہے جو کہ تکلیف دہ ہوتا

ہے مگر ماں اپنے بچے کے آنے والے وقت میں شفایاب ہو جانے کا سوچ کر ٹیکہ لگوا لیتی ہے جو کہ درحقیقت اس کی بچے پر شفقت ہے، تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس کے مستقبل میں بہر جگہ پہنچنے کا سوچ کر اس کی جان قبض کر لیتے ہیں۔)

اللہ رب العالمین کی اپنے بندے سے محبت کی ایک علامت یوں بھی بیان ہوئی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادَی جِبْرِیْلُ : اِنَّ اللّٰهُ یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهٗ ، فَیُحِبُّهٗ جِبْرِیْلُ ، فَیُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِیْ أَهْلِ السَّمَاءِ ؛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ ، فَیُحِبُّهٗ أَهْلُ السَّمَاءِ ، ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِیْ أَهْلِ الْاَرْضِ))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے: اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ چنانچہ جبریل (علیہ السلام) بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جبریل تمام آسمان والوں میں منادی کرتا ہے؛ (اے مقرب فرشتو!) اللہ باری تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے تمام (فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس آدمی کا زمین والوں میں قبول رکھ دیا جاتا ہے۔

یعنی لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کا اخلاق اعلیٰ ہو جاتا ہے اور لوگوں میں اس کا وقار بڑھ جاتا ہے۔ مگر اس ولی اللہ کا احترام اور اس سے محبت اہل ایمان کے دلوں میں گھر کرتی ہے، فاسقوں، فاجروں اور منافقوں کے دلوں میں نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا اور بلا امتیاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب

[1] صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث: ٦٠٤٠

مقرب صحابہ کرام کا احترام اور وقار ہے۔ رضوان الله عليهم اجمعين.

بہت ضروری ہے کہ ہمیں اس گزارش کی طرف نہایت گہرائی سے توجہ کرنی چاہیے جو حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کی تھی اور پھر ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ہماری (اب اللہ تعالیٰ سے) کیا گزارشات ہوتی ہیں؟ ریڈیو پر جب کوئی ہمارا پسندیدہ گیت آجاتا ہے تو ہمارا شوق والا جوش دوبالا ہوجاتا ہے۔ (اور ہم وفور شوق میں ڈوب جاتے ہیں۔) ہم سب نئے اور پرانے گلوکاروں کے نام اور ان کے تمام گیتوں کے سب الفاظ تو جانتے ہیں مگر جب اللہ کے ناموں کو یاد کرنے کی بات آتی ہے تو ہم جاھل اور ناواقف بن جاتے ہیں۔ شرمناک قسم کی عورتوں کے گیت سننے کے لیے ہم گھنٹوں تک تو بیٹھ سکتے ہیں مگر جب تک (جمعہ والے دن خطبہ کے بعد) امام صاحب قرآن کی قرأت نماز میں شروع نہ کرے ہم اٹھتے ہی نہیں۔

ہماری کیا گزارشات ہوں گی؟ کوئی (ہمارا ساتھی، بھائی) باہر (بازار) جارہا ہو تو ہم اس سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ فلاں فلاں میگزین یا فلاں ناول اور رسالہ ہمارے لیے لیتا آئے۔ کیا آج کل ہماری یہی گزارشات (اور مطالبات) نہیں ہیں؟ اب ہم اپنے مطالبات کا سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی گزارشات سے موازنہ کریں۔ انہیں ایک ہی گزارش پیش کرنے کا موقعہ دیا گیا اور انہوں نے کیا مانگا؟ عرض کی: " أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ ..... اے اللہ کے حبیب! (ﷺ) میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنے کی گزارش کرتا ہوں۔" اب ذرا غور کیجئے! کیا وہ ان سب محبانِ رسول میں سے ایک نہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرتے ہیں؟ جیسے ہی نبی ﷺ نے ان سے پوچھا: أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ ..... کیا اس کے علاوہ بھی کوئی آرزو ہے؟ تو حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا: هُوَ ذَاكَ ..... بس یہی ہے۔" (کوئی اور نہیں۔) اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آرزو کی تکمیل کے لیے ایک شرط عائد کردی اور وہ یہ کہ: ربیعہ! جس قدر ممکن ہو اللہ سے مدد طلب کرو کہ وہ

اس ضمن میں مجھے تیری سفارش کی اجازت دے دے۔ (اس اہم ترین نقطے پر آگے بالتفصیل گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ)

اب ایسے لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے جو کبھی فرض نماز بھی نہیں پڑھتے۔ (کیا وہ مسلمان کہلانے کے حقدار ہو سکتے ہیں۔) ان سے نوافل پڑھنے کے بارے میں کیا پوچھیں۔
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ میرے بچوں اور میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ میں جب بھی گھر پر ہوتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں گھر جاتا ہوں اور میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو ترسنے لگتا ہے۔ مجھے اتنی دیر تک چین نہیں آتا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں نہ پہنچ جاؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرۂ انور کو دیکھ نہ لوں۔ اس دنیا میں میری پریشان کن خواہش یہی ہوتی ہے کہ میں اپنے آپ کو آسائش بہم پہنچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ کو دیکھ سکوں، مگر ہم آخرت میں کیا کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمادی۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ [سورة الحديد آيت: ١٩]

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے (تمام) پیغمبروں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے ہاں صدیق اور شہید (جو تمام لوگوں سے مقدم ان کی تصدیق کر کے گواہی دینے والے) ہیں۔ انہیں ان کا ثواب اور ان کا نور (قیامت والے دن ضرور) ملے گا۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو نہ مانا اور جھٹلا دیا وہی لوگ جہنمی ہیں۔''

نبی ﷺ کے صحابی کی پریشانی کا سبب تو دیکھیے کیا تھا؟ صحابی اپنے محبوب پیغمبر کے چہرۂ

انور کے لیے مسلسل تڑپ محسوس کرتا تھا۔ اور اسی سبب سے وہ پریشان ہو جاتا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ممکن ہے نہ دیکھ سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر اسے جنت میں داخلے والی خوش نصیبی عطا فرما دے تو ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہو جو وہاں نچلے والے درجہ میں رہائش پذیر ہوں گے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب میں شامل نہ ہو سکے۔ کیا ہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ اسی طرح کی محبت رکھتے ہیں؟ کیا ہمارے دل اپنے محبوب پیغمبر (علیہ التحیۃ والسلام) کی یاد کے اسی طرح مشتاق ہیں یا ہم حرام کام کرنے کے دلدادہ ہیں؟ بڑی احتیاط اور سنجیدگی کے ساتھ ذرا ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھ لیں اور اپنے آپ سے یہ سوال کر لیں۔ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کی کونسی قسم کے مالک ہیں؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس قدر شدید محبت کرتے تھے کہ وہ کوشش کرتے ہر معاملے میں مکمل اتباع کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔ اعمال وافعال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسالیب کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی کردار کو اپنانے میں پوری مثال پیش کرنے کے ساتھ۔ جس راہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہوتے، جس انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو فرمائی ہوتی، جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ہوتے اور جس انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا ہوتا وہ اسی راستے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ ان کی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا عکس تھا۔ اس لیے کہ ان کے دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے پورے کے پورے بھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی عمل انہیں بتلایا انہوں نے اسے فوراً کر ڈالا۔ (ہماری طرح وہ سوچوں اور تاویلوں میں نہ پڑتے تھے اور نہ ہی وہ ملاؤں کی فقہ کے محتاج تھے۔)

ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آرام کرنے کے لیے ہم ایک جگہ رک گئے اور دور دور پھیلنے لگے۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ''میرے ساتھیو! یہ ایک دوسرے سے دور پھیلنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔'' اس

کے بعد جب بھی ہم کسی سفر کے دوران آرام کرتے، اتنا قریب ہو کر بیٹھتے کہ اگر کوئی ہمارے اوپر خیمے والی چادر تن دے تو ہم اس کی نیچے آ سکتے ہوتے۔'' (سنن ابی داؤد)

یہ وہ محبت تھی جو صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے رکھتے تھے۔ وہ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے الفاظ سنتے بغیر کسی تأمل اور شک کے فوراً ان پر عمل شروع کر دیتے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اس معیار کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتے ہوں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو جانتے ہیں، ہم انہیں سنتے بھی ہیں اور ابھی تک انہیں پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ کچھ وہ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے فرامین کا اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ اللہ ہمیں ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔ انہیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ کونسی انتدابی قوت ہے جو انہیں ان کی زندگی پر کوئی سنت نبوی اثر انداز ہونے میں تنہا کر دے۔

اپنے اعمال کا امتحان لیتے ہوئے آیئے ہم اس محبت کی جانچ پڑتال کرنے کے متعلق معلوم کریں جو آج امت اسلامیہ اپنے نبی (ﷺ) سے رکھتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے مسلمانوں کو نمازِ جمعہ اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَعَلَى كُلِّ مَنْ رَاحَ الْجُمُعَةَ الْغُسْلُ ......)) [1]

''ہر بالغ آدمی (مسلمان) پر جمعہ کے لیے جانا لازم ہے اور ہر اس آدمی پر جو جمعہ کے لیے جائے نہانا لازم ہے۔''

اور ہمیں (مسجد کی طرف) جلدی آنے اور امام کے قریب بیٹھ کر خطبہ سننے اور دورانِ خطبہ عدم متکلم پر اللہ کی رحمتوں کے نزول بارے مطلع کر رکھا ہے۔

اُوس بن اُوس الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الغسل یوم الجمعة، حدیث: ۳۴۲

((مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا......))[1]

''جس نے جمعہ والے دن (پہلے رات کو اپنی بیوی سے) صحبت کی اور (پھر صبح کو) وہ نہایا، (خوشبو لگائی) پھر (جامع مسجد کی طرف) صبح صبح آنے میں اس نے جلدی کی اور پیدل چل کر آیا۔ سواری پر سوار نہ ہوا۔ (یعنی گھر سے قریب ترین جامع مسجد میں پہنچا) اور (مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھ کر) وہ امام کے قریب ہو کے بیٹھ گیا۔ خاموشی سے خطبہ سنا اور لغو باتیں نہ کیں۔ اس کے لیے ہر ہر قدم کے بدلے سال بھر کے روزوں اور قیام اللیل کے عمل کا اجر ہوگا۔''

اندازہ کیجئے جمعہ کے لیے جلدی آنے میں کتنا اجر وثواب ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں گزشتہ جمعہ اور اس جمعہ کے درمیان والے سارے گناہ معاف ہونے کا ذکر بھی ہے۔) کئی دفعہ ہم لوگوں کو دیکھ چکے ہیں کہ وہ (نمازِ جمعہ کے) اختتام کے بالکل قریب مسجد میں پہنچتے ہیں۔ وہ دروازے کے بالکل قریب بیٹھیں گے، اتنا قریب کہ امام صاحب کی نماز ختم ہونے پر سب سے پہلے مسجد کو چھوڑ دیں گے۔ مسجد میں داخل ہونے والے وہ سب سے آخری لوگ اور اسے چھوڑنے والے سب سے پہلے ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو غسل خانوں میں چھپ کر یا مسجد سے باہر گپیں لگاتے، گفتگو کرتے سارے خطبہ کا موقع ہاتھ سے گنوا دیتے ہیں اور جب امام صاحب آخری دونوں سجدوں میں پہنچتے ہیں تو وہ نماز میں جا ملتے ہیں۔

یہ ایک جمعہ کا دن جو ہفتے بھر میں ایک بار آتا ہے اگر اس میں لوگوں کی یہ حالت ہے تو

---

[1] سنن ابی داؤد، حوالہ سابقہ، حدیث: ۳۴۵ ، والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلاۃ، حدیث : ۱۳۸۸ کی تخریج پر شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حدیثٌ حسنٌ واسنادہ صحیحٌ کما بیّنتُہٗ فی "صَحیح ابی داؤد"

ان کی روزانہ والی (پانچوں) نمازوں میں کیا کیفیت ہوتی ہوگی؟ جب وہ ان نمازوں کے لیے آتے ہوں گے تو ان کی بے اعتدالیاں کیسی ہوں گی؟ جب انہیں (بذریعہ اذان) مسجد کی طرف نماز کے لیے دعوت دی جا رہی ہوتی ہے وہ کہتے ہوں گے؛ میرے کپڑے گندے ہیں یا میں خود پاک صاف نہیں ہوں۔ کیا یہ لوگ کبھی پاک بھی ہوں گے؟ ان لوگوں کے کپڑے گندے نہیں ہوتے بلکہ ان کے کردار (باطن) گندے ہوتے ہیں۔ قیامت والے دن اپنے رب کے سامنے وہ کون سے بہانے تراشیں گے۔ وہ گھنٹوں کے گھنٹے پچھلے کمرے میں اپنے آپ کو چھپائے حرام پروگرام دیکھنے میں صرف کر دیتے ہیں مگر جب نماز کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ پاک صاف نہیں ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کہیں نہ کہیں ہر اس جگہ چھپانے کی کوشش تو کرتے ہوں گے جہاں پر ان کے گمان کے مطابق جہانوں کا رب انہیں دیکھ نہ سکتا ہو۔ مگر یہ پھرتی، چالاکی والا ایسا کارنامہ ہے جو بہرحال ناممکن ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو ہر جگہ پر دیکھ رہا ہے۔) لیکن جب آپ ان سے (اس موضوع پر) بات کریں تو وہ فوراً نبی ﷺ سے محبت کا دعویٰ کر ڈالیں گے۔ اب خود ہی فیصلہ کر لیجئے! کیا یہ محبت اصلی ہے یا جعلی؟ وہ اپنے آپ کو تیز فہم اور زیرک کہتے ہیں مگر حقیقتاً وہ محض بیوقوف ہیں۔ ایسے لوگ فرض بھی مکمل نہیں کر سکتے۔ تو وہ یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں؟ درحقیقت یہ لوگ اپنے آپ سے مذاق کر رہے ہیں۔ وہ اس دنیا اور آخرت دونوں میں ضرور ایک بڑے نقصان پر ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِی اللّٰه عنهما ؛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأىٰ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ وَقَالَ : "يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ اِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ۔" فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ خُذْ خَاتَمَكَ اِنْتَفِعْ بِهٖ ، قَالَ ؛ لَا وَاللّٰهِ ! لَا آخُذُهٗ أَبَدًا

وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) [1]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ ﷺ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: ''تم میں سے ایک آدمی جہنم کے انگارے کا (غیر شعوری طور پر) ارادہ کرلیتا ہے پھر اسے (انگوٹھی کی شکل) اپنے ہاتھ میں کرلیتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ جب چلے گئے تو اس آدمی سے لوگوں نے کہا: اپنی انگوٹھی اٹھالو اور (اس کی قیمت سے) نفع حاصل کرلو۔ (تم نے پہننی تھوڑی ہے؟) تو وہ (مومن، مسلمان آدمی) کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں اسے قطعاً نہیں پکڑوں گا۔ (اب تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔) اس لیے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے۔''

(سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں محبت اور اطاعتِ رسول ﷺ)

اب آپ اس صحابی رسول (ﷺ) کا معیارِ محبت دیکھیے! (جب اسے انگوٹھی پکڑ لینے کے لیے کہا گیا تو) اس وقت اس کے تأثرات کیا تھے؟ جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو وہ انگوٹھی پکڑ کے اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اسے بیچ ڈالتا یا اپنی ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کو دے دیتا کیونکہ عورتوں پر سونا تو حرام نہیں ہے ناں!) معزز قارئین! اگر ہم اس کی جگہ ہوتے تو (ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیے) ہم کیا کرتے؟ یقیناً ہم ان مذکورہ بالا ''حقوق انتخاب'' میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیتے۔ مگر اس صحابی کی نبی ﷺ سے محبت ان سب چیزوں سے فوقیت والی تھی اور اس نے انگوٹھی اٹھانے سے انکار کردیا۔ کیوں بھلا؟ اس لیے کہ اس انگوٹھی کو زمین پر پھینکنے والا اللہ کا پیغمبر (ﷺ) تھا۔ اب (سوچیے ذرا) کیا اس کی محبت اصلی تھی یا جعلی؟ اور پھر اس کا ہم اپنے آپ سے موازنہ کرلیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، حدیث: ٥٤٧٢

قارئین! ایک اور واقعہ پڑھ لیجئے!

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ؛ أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَلَّ جَمَلِي وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ وَفِيهِ : ثُمَّ قَالَ لِي :" بِعْنِي جَمَلَكَ هٰذَا۔" قَالَ ؛ قُلْتُ ؛ لَا ، بَلْ هُوَلَكَ ، قَالَ :" بَلْ بِعْنِيهِ۔" قَالَ ؛ قُلْتُ ؛ لَا ، بَلْ هُوَلَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ : " لَا،بَلْ بِعْنِيهِ۔" قَالَ، قُلْتُ: فَإِنَّ لِرَجُلٍ عَلَيَّ أُوقِيَّةَ ذَهَبٍ ، فَهُوَ لَكَ بِهَا ، قَالَ :" قَدْ أَخَذْتُهُ فَتَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلَى الْمَدِينَةِ۔" قَالَ ؛ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ :" أَعْطِهِ أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزِدْهُ ۔" قَالَ ؛ فَأَعْطَانِي أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزَادَنِي قِيرَاطًا ، قَالَ فَقُلْتُ ؛ لَا تُفَارِقُنِي زِيَادَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ فَكَانَ فِي كِيسٍ لِي ، فَأَخَذَهُ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ))[1]

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ کرام کی ایک جماعت) مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف (غزوۂ ذات الرقاع ۷ھ سے) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ واپس چلے،تو میرا اونٹ بیمار (ہوکر نیچے بیٹھ) گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ بیان کیا۔ (کہ اونٹ کے بیمار ہونے پر نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر بتایا کہ میرا اونٹ تھک کر سست ہوگیا ہے اور اب وہ چلتا ہی نہیں اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ نبی ﷺ اپنی سواری سے اترے اور میرے اس

[1] صحیح مسلم ،کتاب المساقاة ، باب بیع البعیر واستثناء رکوبه ، حدیث: ٤١٠١ یہ واقعہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں کئی ایک مقامات پر پوری تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔

اونٹ کو ایک ٹیڑھی لکڑی سے کچوکا بھی دیا اور برکت کی دعا بھی دی اور فرمایا کہ اب سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ میں سوار ہو گیا اور اب یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے برابر رکھنے کے لیے مجھے اس کو روکنا پڑتا تھا۔)

اور اس (تفصیلی قصے والی روایت) میں یہ ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''میرے ہاتھ اپنا یہ اونٹ بیچ ڈالو۔'' میں نے عرض کیا: نہیں اللہ کے رسول (بغیر بیچے) وہ آپ ہی کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ اسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔'' میں نے (دوبارہ پھر) عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! بلکہ (بغیر فروخت کیے) وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اسے میرے ہاتھ (ضرور) بیچ دو۔'' جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں؛ میں نے عرض کی: ''ایک شخص کا میرے اوپر ایک اوقیہ سونا قرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اوقیہ سونے کے بدلے یہ اونٹ لے لیجئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے (اس قیمت پر) لے لیا۔ (دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی؛ مدینے تک اس پر سواری میری رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:) تو اس پر مدینے تک پہنچ جا۔'' (جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پچھلے دنوں نئی نئی شادی کی تھی۔ مزید آگے چلنے کے بعد میں نے نبی ﷺ سے اپنے اونٹ کو تیز چلاتے ہوئے مدینہ منورہ جلد پہنچنے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''جابر! کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟'' میں نے عرض کیا: ''بیوہ سے۔'' فرمایا: ''کنواری سے کیوں نہ کی؟ وہ تجھ سے کھیلتی اور تو اس سے کھیلتا؟'' میں نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ میرے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام (رضی اللہ عنہ) غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور میرے علاوہ میری نو عدد چھوٹی بہنیں بھی پیچھے

چھوڑ گئے تھے۔ مجھے برا معلوم ہوا کہ میں شادی کر کے ایک لڑکی لاؤں جوان جیسی ناپختہ عمر کی ہو اور وہ انہیں نہ ہی تو ادب سکھا سکے اور نہ ہی ان کی صحیح دیکھ بھال کر سکے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو تجربہ کار ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر تو ٹھیک ہے تم نے اچھا کیا۔ دوسری روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بہت سارے قرض کا بھی ذکر ہے کہ جوان کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیچھے چھوڑ کر شہید ہو چکے تھے اور جابر رضی اللہ عنہ کو اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ ایک چھوٹا سا کھجوروں کا باغ تھا کہ جس پر بڑی مشکل سے گزران تھی اور قرض خواہ یہودی تھے، جو کبھی بھی کسی معاملے میں مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والے نہیں رہے۔) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ (تو اونٹ لے کر نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو گیا۔ اسے مسجدِ نبوی کے باہر باندھ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دی۔ فرمایا: ''اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو۔'' میں اندر گیا اور نماز پڑھی۔) نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کو ایک اوقیہ سونے کا دے دو اور کچھ زیادہ بھی۔'' تو بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک اوقیہ سونے کا دے دیا اور ایک قیراط (سونے کا) زیادہ۔ میں نے (اپنے جی میں) کہا یہ جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے زیادہ دیا ہے وہ مجھ سے کبھی جدا نہ ہو گا۔ (چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا وہ ایک قیراط سونا اپنے پاس رکھتے) کہتے ہیں: وہ میرے پاس ہمیشہ ایک تھیلی میں رہا یہاں تک کہ (۶۳ھ ہجری میں) ملک شام کے رہنے والوں نے یوم الحرہ کو مجھ سے چھین لیا۔'' (پھر جب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے باغ کی کھجوریں پک گئیں تو نبی ﷺ باغ میں تشریف لائے۔ انواع واقسام کے اعتبار سے کھجوروں کی الگ الگ ڈھیریاں لگوا لی گئیں۔ تمام

قرض خواہوں کو بلوایا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ناپ ناپ کر کھجوریں دینا شروع کر دیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ تمام قرض بھی اتر گیا اور سارے ڈھیروں میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔ یوں اللہ رب العالمین اپنے ان بندوں کی مدد فرمایا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل و جان سے محبت کرتے ہوں۔)

اب اس محبت پر بھی نظر کیجیے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے رکھتے تھے۔

۱۔ انہوں نے بغیر استعمال کیے نبی ﷺ کی طرف سے دیے گئے زائد سونے کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا۔ کیوں بھلا؟ اس لیے کہ یہ سونا اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دیا تھا۔ صحابہ کرام کو ایسی محبت اپنے محبوب نبی (ﷺ) کے ساتھ حاصل تھی۔ اب ذرا سوچیے! کیا نماز اور دیگر فرائض و واجبات نبی مکرم ﷺ کی طرف سے ہم کو دیے گئے تحائف نہیں ہیں؟ اور ہم انہیں کتنا سنبھال کر رکھتے ہیں؟

۲۔ ان کے باپ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ ۹ عدد چھوٹی چھوٹی بہنوں کا بوجھ الگ سے اور قرض خواہوں کا قرض الگ۔ مگر جہاد فی سبیل اللہ اور دینِ اسلام کی خدمت میں بلا تأمل، راضی، خوشی، پورے اخلاص سے لگے ہوئے ہیں۔ دیکھ لیجیے! پھر اللہ نے مدد کیسے کی؟ اور آج کل کے مسلمانوں کی اپنے دین، اپنے رب اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اخلاص کا جائزہ بھی لے لیں۔ کروڑھا ہونے کے باوجود دنیا بھر میں ذلیل و خوار ہیں۔ تاویلیں، دلیلیں اور مجبوریاں ہی جان نہیں چھوڑتیں، محبت اور عمل کیا کریں؟

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی نبی ﷺ کے ساتھ محبت کی گہرائی یقیناً اس سے بہت زیادہ تھی جس کا تذکرہ ہوا۔ ان کی محبت نبی کریم ﷺ کے فرمان والے معمولی سے

اشارے پر بہت اعلیٰ حیثیت اختیار کر جاتی اور وہ فوراً اس پر عمل کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کروانا چاہتے ہوتے تو وہ بلا تأمل اسے فوراً بلا تاخیر کر ڈالتے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِأَصْحَابِهِ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ یَسَارِهِ ، فَلَمَّا رَأَیٰ ذٰلِكَ الْقَوْمُ أَلْقَوْا نِعَالَهُمْ۔ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهٗ قَالَ:" مَا حَمَلَكُمْ عَلٰی اِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ ؟ " قَالُوْا ؛ رَأَیْنَاكَ أَلْقَیْتَ نَعْلَیْكَ فَأَلْقَیْنَا نِعَالَنَا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :"اِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ أَتَانِیْ فَأَخْبَرَنِیْ أَنَّ فِیْهِمَا قَذَرًا أَوْ قَالَ أَذًی۔" وَقَالَ:" اِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَأٰی فِیْ نَعْلَیْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًی فَلْیَمْسَحْهُ وَلْیُصَلِّ فِیْهِمَا)) [1]

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتارے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھ دیا۔ جب جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ جب نبی ﷺ نے نماز پڑھا لی تو پوچھا: ''تمہیں اپنے جوتے اتارنے پر کس چیز نے تیار کیا؟'' وہ کہنے لگے: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جوتے اتار دیے ہیں تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ ، باب الصلاۃ فی النعل ، حدیث : ٦٥٠

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے بتلایا کہ میرے جوتوں میں گندگی ہے یا (راوی کہتے ہیں کہ) آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں تکلیف دہ چیز ہے۔'' اور (پھر) نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی آدمی جب مسجد کی طرف آئے تو وہ دیکھ لے۔ اگر اپنے جوتوں پر گندگی یا تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے رگڑ لے۔ اور (جب صاف ہو جائے تو) ان جوتوں میں نماز پڑھ لے۔''

رسول اللہ ﷺ کی ایک معمولی سی حرکت پر وہ لوگ پوچھنے پچھانے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (اس عمل پر) ہمسری کرنے لگتے تھے۔ یہ وہ محبت تھی جو انہیں اپنے محبوب پیغمبر (علیہ الصلاۃ والسلام) کے ساتھ حاصل تھی۔ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ کا ہر عمل (تمام حرکات وسکنات) کسی سبب سے ہوتا ہے (بلا وجہ نہیں) اور پھر ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمہ وقت جستجو رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے سے قبل ہی وہ آپ ﷺ کے افعال کی پیروی کر گزرتے۔

فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ سے پوچھا گیا: ''کیا جنت میں داخلہ کسی آدمی کے منہج کی درستگی پر منحصر ہوتا ہے؟ اسی طرح کیا جہنم میں جانا کسی کے منہج کے غلط راستے پر ہونے کی وجہ سے ہوگا؟'' آپ کا جواب تھا: ''ہاں! جب کسی آدمی کا منہج درست ہوگا تو وہ جنت میں جائے گا۔ اگر وہ نبی مکرم ﷺ اور سلف صالحین (صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور من تبعهم باحسانٍ الى يوم الدين) کے منہج (عقیدہ وعمل) پر ہوگا تو وہ اللہ رب العالمین کی اجازت سے اہل جنت میں سے ایک ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی غلط راہ پر ڈالے گئے، بھٹکے ہوئے راستے پر چلے گا تو اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

[الأجوبة المفيدة للشيخ صالح الفوزان ص۷۷]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے ساتھ سنت کے بنیادی اصولوں میں سے یہ ہیں:

1. اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھی (صحابہ کرام) جس منہج وطریق پر تھے ہم اس پر بڑی

تیزی سے عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔

۲ متبع اور نقشِ قدم پر چلنے والوں کی حیثیت سے ہم ان کے راستے کو ایک نمونے کے طور پر لیتے ہیں۔

۳ بدعات وخرافات اور ہر گمراہی والے نئے کام کو چھوڑ دینا۔

۴ فضول قسم کے مناقشہ اور قیل وقال کو ترک کر دینا (صحیح بات پر عمل کرنا۔)

۵ خواہشات کے بندوں کی مجالس کو چھوڑ دینا۔

۶ دین میں جھگڑا، کٹ حجتی اور بے جا مناقشہ کو ترک کر دینا ہماری پہچان ہے۔''

(دیکھئے اصول السنة)

کیا ہماری محبت کا نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کی محبت کے ایک چھوٹے سے حصے کے ساتھ موازنہ کیا جا سکتا ہے؟ وہ بغیر پوچھے اطاعت کرتے تھے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا علم آنے کے بعد بھی انکار کر دیتے ہیں۔ (یہ ہمارا اسلام کس معیار کا ہوا؟ کیا اسے اسلام کہا بھی جا سکتا ہے؟) تو پھر ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں؟ کیا ہماری محبت اصلی ہوئی یا جعلی؟

محبت کو محکم کرنے والے اصول

نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی وہ محبت جو غیر مشروط اور مستقل بنیادوں پر استوار ہوتی ہے اس کے ضمن میں ہمارے اوپر ان اصول وضوابط اور قوانین کو جاننا لازمی ہے جو اس محبت پر مضبوط تسلط رکھتے ہوں۔ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں مذکور ان اصول وضوابط کے مطابق ہی ہمیں نبی ﷺ سے محبت کرنی چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:" خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ،

ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ: هٰذِهِ سُبُلٌ مُتَفَرِّقَةٌ ، عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْ إِلَيْهِ ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ﴾[1]

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے (سمجھانے کے) لیے ایک لکیر کھینچی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"یہ (سیدھا) اللہ کا راستہ ہے۔" پھر اس لکیر سے دائیں اور بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا:"یہ (اس اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے) مختلف راستے ہیں۔ ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اس راستے (پر چلنے کے لیے لوگوں کو) دعوت دیتا ہے۔" پھر نبی ﷺ نے (سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۳) تلاوت فرمائی:"اور بلاشبہ یہ ہے میرا سیدھا (قرآن وسنت والا) راستہ۔ پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تمہیں اس (اللہ والے) راستے سے دور کر دیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو آپ ﷺ سے محبت میں مقررہ حدود سے دوسری طرف جانے میں کہ جو دسترس سے باہر ہوں متعدد مواقع پر منع کرتے ہوئے خبردار کیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ سَمِعَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ ؛ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ : "لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا : عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ))[2]

"عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کو منبر پر (دوران وعظ) یہ فرماتے ہوئے سنا؛ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ

---

1. سورة الانعام: ۱۵۳، مسند احمد ۱/۴۳۵ ص: ۵
2. صحيح البخارى ، كتاب أحاديث الأنبياء ، حديث نمبر: ۳۴۴۵

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ بن مریم کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں پس کہا کرو: ”(محمد ﷺ) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔“

مزید برآں:

((عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ؛ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَقُلْتُ یَا اُمَّهْ ! اکْشِفِیْ لِیْ عَنْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَكَشَفَتْ لِیْ عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُوْرٍ لَا مُشْرِفَةٍ وَلَا لَاطِئَةٍ ، مَبْطُوْحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَآءِ))[1]

”محمد بن ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے بیٹے حضرت قاسم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں (اپنی پھوپھی) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور گزارش کی: ”امی جان! میرے لیے رسول اللہ ﷺ اور ان کے دونوں ساتھیوں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبروں کا دروازہ کھول کر مجھے دکھا دیجیے (کہ وہ کیسی بنی ہوئی اور کس ترتیب سے ہیں۔) تو انہوں نے مجھے تینوں قبریں (دروازہ کھول کر یا پردہ ہٹا کر) دکھلا دیں۔ وہ نہ ہی تو اونچی تھیں اور نہ زمین کے ساتھ لگی ہوئی۔ ان کے اردگرد کھلی جگہ پر سرخ رنگ کی کنکریاں بکھری پڑی تھیں۔“ (یعنی تینوں قبروں کی کیفیت انتہائی سادہ تھی۔)

اوپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نبی ﷺ کی کھلی تنبیہ کے بعد بھی لوگ اس فتنے میں مبتلا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العالمین کی ذات کا حصہ سمجھتے ہیں۔ (بلکہ بعض ایسے گمراہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہی رب سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی تسویة القبر، حدیث نمبر: ۳۲۲۰

علیہ وسلم کے وجود کی شکل میں دنیا پر آیا تھا۔ اور تریسٹھ سال کا ایک عرصہ گزار کر واپس چلا گیا۔) وہ نبی ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ (اکثر بیوقوف لوگوں کو آپ نے ''المدد یا رسول اللہ'' کہتے، پکارتے سنا ہوگا!) جبکہ یہ کام تو صرف اللہ کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام پیغمبروں کو انسانی وجود میں پیدا کیا گیا تھا کہ جو ربوبیت (پیدا کرنا، رزق دینا، مالک ہونا اور مددگار و نگہبان ہونے) اور اُلوھیت (کہ ہر قسم کی عبادت کا حقدار ہونے) والی کوئی بھی امتیازی خصوصیت وہ نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے جو تمام پیغمبروں سے اللہ کے ہاں زیادہ معزز اور سب سے زیادہ بڑے مرتبہ ومقام والے تھے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ ۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥﴾ [سورة الاعراف: ۱۸۸]

''(اے میرے پیارے پیغمبر! آپ لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے۔) اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے ڈھیر ساری بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کچھ تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف (اللہ کی پکڑ سے) ڈرانے والا اور (نیک اعمال کی بنیاد پر) خوشخبری سنانے والا ہوں ایسی قوم کو جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا ٥ قُلْ اِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا٥ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا٥ ﴾ [سورة الجن آیت: ۲۰تا۲۲]

(اے میرے پیارے نبی! لوگوں کو بتاتے ہوئے) کہہ دیجئے! میں تو بس اپنے مالک کو ہی (تنگی اور فراخی، دکھ اور خوشی میں) پکارتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ (میرے نبی! یہ بھی) کہہ دیجئے (لوگو!) میں تمہارے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (اس لیے تمہارا خود مجھے مصائب و مشکلات میں پکارنا حماقت ہے۔) اور یہ بھی کہہ دیجئے! (اگر اللہ نے مجھ سے کسی معاملے میں پوچھ گچھ کر لی تو) مجھے اللہ کے سوا کوئی پناہ بھی نہ دے سکے گا۔ اور اس کے سوا کہیں مجھے پناہ نہیں مل سکتی۔"

نبی ﷺ اور دیگر تمام انبیاء پر انسانی ضروریات و حاجات اثر انداز ہوتی تھیں جیسے کہ بیماری، موت، کھانے اور پینے کی حاجت، سونے، جاگنے اور تھکاوٹ وغیرہ والی ضروریات۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنے خالق و مالک اللہ رب العالمین کے بارے میں فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ ﴾

[سورۃ الشعراء آیت نمبر: ۷۸تا۸۲]

"(سارے جہانوں کا رب میرا دوست ہے کہ) جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے (دین اور دنیا کی) سمجھ دیتا ہے۔ اور جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے (تندرست کر دیتا ہے۔) اور وہی (وہ رب العالمین) ہے جو مجھے (ایک دن) موت سے ہمکنار کرے گا۔ پھر (حشر والے دن) وہ مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور وہ ذات (باری تعالیٰ کہ جو میرا رب اور معبود ہے) کہ اس سے میں امید رکھتا ہوں وہ انصاف والے دن

(قیامت کو) میرا قصور معاف کر دے گا۔''

لوگ ان عقیدے والے امور میں بھلائی حاصل کرنے کی بجائے (غلط نظریات کی وجہ سے) اپنے برے اعمال میں اضافہ ہی کرتے چلے جا رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: ''ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ((مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ......)) جو اللہ نے اور آپ ﷺ نے چاہا۔'' تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَجَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا......)) کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ ((بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ......)) بلکہ یوں کہو کہ جو اکیلا اللہ چاہے۔''[1]

اسی ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے:

((قَالَتِ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ: جَاءَ النَّبِيُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ ، فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَّنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ ، إِذْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ ؛ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ ، فَقَالَ : "دَعِيْ هٰذِهِ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ"))[2]

''(خالد بن ذکوان بیان کرتے ہیں کہ) ربیع بنت معوذ بن عفراء اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگیں؛ جب میں دلہن بنا کر بٹھا دی گئی تو نبی ﷺ تشریف لائے اور میرے بستر پر اسی طرح بیٹھ گئے جیسے اس وقت تم میرے پاس بیٹھے ہو۔ (اللہ کے رسول ﷺ ربیع کے شرعی ولی تھے۔) پھر یہاں کچھ لڑکیاں ہماری دف بجانے لگیں اور جنگ بدر میں شہید ہونے والے میرے باپ اور چچا کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اتنے میں ان میں سے ایک لڑکی نے کہنا شروع کیا: ''اور ہمارے درمیان ایک نبی ہیں جو کل کی باتیں بھی جانتے ہیں۔''

---

1. مسند احمد ۱/۲۱۵ حدیث نمبر ۱۸٤۲
2. صحیح البخاری، کتاب النکاح، حدیث: ٥١٤٧

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''یہ بات چھوڑ دو اس کے علاوہ جو تم کہہ رہی تھیں، وہی کہو۔''

اس لڑکی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا شعر پڑھنے سے منع فرمادیا جس میں آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا ذکر کیا گیا، اس لیے کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے۔ عالم الغیب صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔''

یہ حدیث صحیح ابن ماجہ میں بھی ہے اور وہاں یہ اضافہ ہے۔ فرمایا: ''کوئی نہیں جانتا کہ آنے والے کل میں کیا ہونے والا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔''

(دیکھئے :ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۸۹۷)

اور نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں میں نبی ﷺ سے محبت کے متعلق اپنے جذبات پر قابو پا کر رکھیں۔ اور وہ محبت جو ہم ان سے کریں وہ اپنے آپ سے، دنیا کی تمام محبت اور اپنی خواہشات سے زیادہ ہو۔ ہر اس شخص پر جو اپنے آپ کو مومن، مسلمان کہتا ہو لازم ہے کہ وہ اسی محبت کا مالک ہو یا کم از کم اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو صحابہ کرام نبی ﷺ سے رکھتے تھے۔ اس محبت کا حصول صرف اس وقت ہو سکے گا جب ایمان دلوں میں گھر کر چکا ہو اور آخرت میں نجات کا پختہ عزم ہو۔ بلکہ بہت ضروری ہے کہ یہ محبت اس راہنمائی کے ساتھ پروان چڑھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فراہم کردہ بنیادوں پر استوار ہو۔ جیسے کہ وہ قرآن وسنت میں پیش کی گئی ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات ایمان کا حصہ ہے کہ تم اس عقیدہ کو دل سے تسلیم کرو: محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آنا تھا اور نہ ہی آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن وانس کی دونوں مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان، مومن نہیں۔ چہ جائیکہ وہ اللہ کے متقی اولیاء میں سے ہو۔ اور جو نبی ﷺ کے لائے

ہوئے بعض احکامات اور دینی معاملات پر ایمان رکھے اور بعض کا انکار کرے تو وہ کافر ہے۔ مسلمان، مومن نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ [سورة النساء آیت نمبر: ۱۵۰تا۱۵۲]

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے۔ اللہ رب العالمین اور اس کے پیغمبروں (کی تعلیمات) میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ کفر و ایمان کے درمیان کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہی تو درحقیقت کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر (پورا ایمان لائے) اور ان میں سے کسی کو جدا نہیں سمجھا (سب کو سچا پیغمبر مانا) ایسے ہی لوگوں، کو اللہ تعالیٰ ان کے بدلے (اجر و ثواب کی صورت) آخرت میں دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان میں سے یہ بھی ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان رب العالمین کے اوامر و نواہی، جنت کا وعدہ، جہنم کی وعید، حلال اور حرام کے احکام پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ حلال وہی ہے جسے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم حلال کریں اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اس کا رسول حرام کریں۔ (اپنے قیاس اور اجتہاد سے نہ کوئی چیز حلال ہوتی ہے اور نہ کوئی حرام) اور دین وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم نے شریعت بنایا ہو۔ تو جو آدمی یہ عقیدہ و اعتقاد رکھے کہ نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کیے بغیر کسی ولی، پیر اور گدی والے کا راستہ بھی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا ہے وہ کافر شیطان کے اولیاء سے ہے۔'' [1]

ہم عملی اقدام اور احساس کے ساتھ اللہ رب العالمین سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری جانوں سمیت ہر چیز سے زیادہ ہمیں نبی ﷺ سے محبت کرنے کی توفیق والی ہم پر مہربانی کردے۔ وہ ہمارے دلوں میں پنپنے والے نظریات اور اعمال پر اپنا فضل و کرم کردے کہ اس محبت کے ساتھ ہم اس دنیا میں اور آخرت میں بالخصوص کامیابی حاصل کرسکیں۔

اسلاف کی باتیں

معزز قارئین! پیچھے ہم اس محبت کا مشاہدہ کر آئے ہیں جو ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ اپنی امت سے رکھتے تھے۔ اور اس محبت کو بھی ہم نے دیکھ لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتے تھے۔ کسی کی (آنحضرت ﷺ کے ساتھ) محبت کا بہترین راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور عمل کو قبول کرنے سے واضح ہوتا ہے اور یہ بالکل واضح طور پر صحابہ کرام میں دیکھا جاسکتا تھا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کو اپنے دلوں اور زبانوں تک محدود نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو قبول کرتے ہوئے ان کے اعمال سے یہ ظاہر ہوتی تھی اور جیسا بھی ممکن ہوتا اس کے لیے وہ مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ پھر یہ محبت اس وقت بھی قائم رہی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان نہ رہے۔ صرف ایک ہی راستہ کہ جس پر چلتے ہوئے وہ نبی ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے کا دعویٰ کرسکتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ تھا۔ یہ نبی ﷺ سے ان کی محبت ہی تھی کہ جس نے انہیں جہالت والی زندگی کے ساتھ بیکار بیٹھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور ادھر دشمنوں نے دینِ اسلام میں بدعات کا تعارف شروع

[1] الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان لشیخ الاسلام ابن تیمیة رحمه الله ص : ۱۹، ۲۰

کردیا تھا۔

یہی وہ صحابہ کرام اور تابعین تھے جو سنت کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ حکمت و سچائی کے ساتھ ان کے خلاف لڑے جو بدعت کے سرخیل تھے۔ یہی (تابعین کرام) وہ افاضل افراد تھے جو نبی مکرم ﷺ کی سچی محبت کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ مگر بعد والے لوگ تقلید محض کا شکار ہو گئے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((لَا يُقَلِّدُ إِلَّا عَصَبِيٌّ أَوْ غَبِيٌّ))

''تقلید..... صرف متعصب اور کند ذہن آدمی ہی کرتا ہے۔''[1]

اللہ ذوالجلال والاکرام فرماتے ہیں:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ٥﴾

''لوگو! جو تمہارے مالک کی طرف سے تم پر اُترا (یعنی قرآن وحدیث) اُس کی پیروی کرو۔ اور اُس (قرآن وسنت والے دین) کے سوا دوسرے چہیتوں (اماموں، پیروں اور مُرشدوں) کی پیروی مت کرو۔ (حقیقت ہے کہ) تم بہت کم نصیحت لیتے ہو۔''

آئمہ اربعہ کی باتیں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلف صالحین کے اقوال اور طریقۂ عمل کو چھوڑ دینا اور نئے اختراع شدہ مضامین سے آگاہی حاصل کرنا بدعت ہے۔''[2]

---

1. دیکھئے: ابن عابدین کی "رسم المفتی، ج: ۱، ص: ۳۲
2. المنطق للسیوطی ص: ۳۲

علامہ محمد یوسف جے پوری رحمہ اللہ "حقیقة الفقه، ص: ٦٩" میں لکھتے ہیں:

((سُئِلَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ ؛ اِذَا قُلْتَ قَوْلًا وَکِتَابُ اللّٰهِ یُخَالِفُه ؟ قَالَ: اُتْرُکُوْا بِکِتَابِ اللّٰهِ ، فَقِیْلَ : اِذَا کَانَ خَبْرُ الرَّسُوْلِ یُخَالِفُه ؟ قَالَ : اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، فَقِیْلَ : اِذَا کَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ ؟ قَالَ : اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ ؟ ذَکَرَه فِیْ عِقْدِ الْجِیْدِ))

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''اگر آپ کا کوئی قول قرآن مجید کے خلاف ہوتو کیا کیا جائے؟'' امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ قرآن مجید کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر پوچھا گیا: ''اگر آپ کا قول سنتِ رسول ﷺ کے خلاف ہوتو کیا کیا جائے؟'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''سنت رسول ﷺ کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔'' پھر پوچھا گیا: ''آپ کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کے برعکس ہوتو پھر کیا کیا جائے؟'' فرمایا: ''صحابہ کے قول کے مقابلے میں بھی میرا قول چھوڑ دو۔'' یہ قول عقد الجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

مزید برآں:

((عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّه کَانَ یَقُوْلُ اِیَّاکُمْ وَالْقَوْلَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ تَعَالیٰ بِالرَّأْیِ وَعَلَیْکُمْ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَمَنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ۔ ذَکَرَه فِی الْمِیْزَانِ))[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگو! دین میں اپنی عقل سے بات کرنے سے بچو اور سنّت رسول ﷺ کی پیروی کو اپنے لیے لازم کرلو، جو کوئی سنت سے ہٹا، وہ گمراہ ہوگیا۔'' اس کا ذکر (امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب) میزان میں کیا ہے۔

---

[1] حقیقة الفقه ، رقم الصفحة ٨٢

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنا ہدایت ہے اور حدیث کے برعکس عمل کرنا گمراہی اور فساد ہے

((عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّه' کَانَ یَقُولُ لَمْ یَزِلِ النَّاسُ فِیْ صَلَاحٍ مَادَامَ فِیْهِمْ مَنْ یَطْلُبُ الْحَدِیْثَ فَاِذَا طَلَبُوا الْعِلْمَ بِلَا حَدِیْثٍ فَسَدُوْا۔ ذَکَرَهُ الشَّعْرَانِیُ فِیْ الْمِیْزَانِ))[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگ اس وقت تک ہدایت پر قائم رہیں گے جب تک ان میں علم حدیث حاصل کرنے والے موجود رہیں گے، جب حدیث کے بغیر (دین کا) علم حاصل کیا جائے گا تو لوگوں میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو جائے گا۔'' شعرانی نے میزان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے "الحاشیه: ۱/ ۶۳" اور اپنے رسالہ "رسم المفتی" میں جبکہ الشیخ الصالح الفلانی نے "اِیقَاظُ الْهِمَمِ، ص: ۶۲" میں لکھا ہے:

((إِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ وَکَانَ عَلَی خِلَافِ الْمَذْهَبِ عُمِلَ بِالْحَدِیْثِ وَیَکُوْنُ ذٰلِكَ مَذْهَبُهُ وَلَا یَخرُجُ مُقَلِّدُهُ عَنْ کَوْنِهٖ حَنَفِیًّا بِالْعَمَلِ بِهٖ ، فَقَدْ صَحَّ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ أَنَّهُ قَالَ : "إِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ " وَقَدْ حَکیٰ ذٰلِكَ الْاِمَامُ ابْنُ عَبْدِ الْبِرِّ عَنْ أَبِیْ حَنِیْفَةَ وَغَیْرِهٖ مِنَ الْاَئِمَّةِ))

''جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور وہ مذہب (حنفیہ) کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہی ایک حنفی کا مذہب ہو گا۔ اس حدیث پر عمل کے ساتھ، حنفی ہونے کا ناطے وہ مقلد مذہب سے نکل جائے گا۔

[1] حقیقة الفقه، رقم الصفحة ۷۰

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو یہی میرا مذہب ہو گا۔'' یہ بات حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی امام ابوحنیفہ اور دیگر آئمہ کرام رحمہم اللہ سے بیان کی ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر نے ''الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء ، ص: ۱۴۵ '' میں امام ابن قیم ''اعلام الموقعین : ۲/۳۰۹ '' میں اور الشعرانی نے ''المیزان : ۱/۵۵'' میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام زفر رحمہم اللہ جمیعا کی صحیح سند کے ساتھ امام صاحب نے یہ قول نقل کیا ہے، فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَّاخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيْنَ أَخَذْنَاهُ))

''کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول کو (یونہی) لے لے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے یہ قول کہاں سے لیا ہے۔''

مندرجہ بالا مصادر کی یہی ایک روایت میں یوں منقول ہے۔ فرمایا:

((حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِيْ أَنْ يُفْتِيَ بِكَلَامِيْ))

''جو شخص میری دلیل کے بارے میں علم نہ رکھتا ہو، اُس پر حرام ہے کہ وہ میری بات کے ساتھ فتویٰ دے۔''

(آج پاک و ہند کے لاکھوں حنفی مالوی امام صاحب رحمہ اللہ کے اقوال کے بارے تحقیق کیے بغیر ان کے نام پر فتوے صادر کیے چلے جا رہے ہیں اور کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔

دوسری روایت میں فرمایا:

((فَإِنَّنَا بَشَرٌ نَقُوْلُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا))

''ہم تو انسان ہیں، آج ہم ایک بات (فتویٰ کے طور پر) کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔''

تیسری روایت میں ہے کہ اپنے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا:

((وَيْحَكَ يَا يَعْقُوبُ! لَا تَكْتُبْ كُلَّ مَا تَسْمَعُ مِنِّيْ ، فَإِنِّيْ قَدْ أَرَى الرَّأْيَ الْيَوْمَ وَأَتْرُكُهُ غَدًا وَأَرَى الرَّأْيَ غَدًا وَأَتْرُكُهُ بَعْدَ غَدٍ))

''اُفوہ! یعقوب! مجھ سے جو کچھ سنتے ہو وہ سب کا سب لکھ نہ لیا کرو۔ اس لیے کہ میں آج ایک رائے قائم کرتا ہوں اور اسے کل (اگلے دن) چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر کل ایک رائے پر ہوتا ہوں اور پرسوں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔''

بروایت امام محمد جناب امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے الشیخ الفلانی نے ''الایقاظ، ص: ۵۰'' میں ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، فرمایا:

((اِذَا قُلْتُ قَوْلًا يُخَالِفُ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَخَبَرِ الرَّسُوْلِ ﷺ فَاتْرُكُوْا قَوْلِيْ))

''جب میں (دین کے بارے میں) ایسی بات کہوں جو قرآن مجید اور نبی ﷺ کی حدیث کے خلاف ہو تو میرے قول کو چھوڑ دو۔''

سُنّتِ رسول ﷺ کی موجودگی میں رائے دریافت کرنے والے کو امام مالک رحمہ اللہ کی فتنے میں پڑنے یا عذاب میں مبتلا ہونے کی تنبیہ

((جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ مَسْأَلَةٍ فَقَالَ لَهُ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَذَا وَكَذَا ، فَقَالَ الرَّجُلُ : أَرَأَيْتَ؟ قَالَ مَالِكٌ : ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾[۲۷ـ۶۳] رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ))[1]

ایک آدمی امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک یہ ہے۔ اس آدمی نے عرض کیا: ''اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' امام مالک رحمہ اللہ نے جواب میں یہ آیت

[1] الجزء الاول : رقم الصفحة ٢١٦

تلاوت فرمائی: ''جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔'' یہ روایت شرح السنہ میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ''جو آدمی اسلام میں ایک بدعت کا احترام کرتے ہوئے ایک اچھی چیز کے طور پر اس کا تعارف کرواتا ہے، وہ گویا نبی مکرم ﷺ کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ آپ نے اللہ کا پیغام (قرآن وسنت پر مشتمل دینِ اسلام والا اپنے رب کی مرضی سے الٹ، اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں (نعوذ باللہ) اپنی ذمہ داری سے غداری کی تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ۝ ﴾ [سورۃ المائدہ آیت: ۳]

''آج (حجۃ الوداع کے موقع پر) میں نے تمہارے (عمل کرنے کے) لیے تمہارا دین مکمل کردیا ہے، تمہارے اوپر اپنی اس نعمت کا اتمام کردیا ہے اور تمہارے لیے میں نے اسلام کو بطور دین (مکمل ضابطہ حیات) پسند کرلیا ہے۔'' (اسی لیے تمہاری پسند بھی یہی قرآن وسنت والا دین ہونا چاہیے۔''

لہٰذا جو کچھ بھی اس وقت اللہ کے دین کا حصہ نہ تھا، آج بھی وہ دین کا حصہ نہیں ہے۔'' (الاعتصام)

فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الحدیث حجۃٌ بنفسہ'' کے ص: ۷۹ پر رقمطراز ہیں:

((قَالَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِيْبُ فَانْظُرُوْا فِيْ رَأْيِيْ فَكُلٌّ وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوْهُ وَكُلٌّ مَالَمْ يُوَافِقْ فَاتْرُكُوْهُ۔ ذَكَرَهُ اِبْنُ عَبْدِالْبِرِّ فِيْ الْجَامِعِ))[1]

---

[1] الحديثُ حجّةٌ بنفسه، للالبانی، رقم الصفحة ٧٩

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بلا شبہ میں بشر ہوں، میرا قول صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی، لہٰذا میرے قول پر غور کرو جو کتاب وسنت کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔'' ابن عبد البر نے (کتاب) الجامع لبیان العلم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کو حدیث پہنچ جاتی تو اپنی رائے اور فتویٰ سے فوراً رجوع کر لیتے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے مقدمہ ''الجرح والتعدیل'' میں (ص: ۳۱ اور ۳۲ پر) ہے کہ: ابن وہب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو سُنا کہ جب ان سے پاوں کی اُنگلیوں میں وضوء کے دوران خلال بارے پوچھا گیا تو فرمایا: ((لَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ)) ''لوگوں پر یہ خلال لازم نہیں ہے۔'' ابن وہب کہتے ہیں: تو میں نے خلال کرنا چھوڑ دیا (اور پھر میری طرف دیکھ کر) حتی کہ لوگوں نے اس میں بھی تخفیف کر لی۔ میں نے (کہ جب مجھے حدیث کا علم ہوگیا) امام صاحب سے کہا: ہمارے پاس اس معاملے میں سنت کا عمل پہنچا ہے۔ اُنہوں نے پوچھا: وہ کیا؟ میں نے اپنے استاذ لیث بن عمر سعاو، یزید بن عمرو المعافری سے کہ انہوں نے یہ روایت عبد الرحمٰن الحبلی سے سُنی تھی، جبکہ الحبلی کا بیان ہے:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَدْلُكُ بِخِنْصَرِهِ مَا بَيْنَ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی چھنگلیا کے ساتھ اپنے قدموں کی اُنگلیوں کے درمیان مل کر خلال کر رہے تھے۔''

کو سنایا تو امام مالک رحمہ اللہ فرمانے لگے: یہ حدیث حسن ہے اور اس سے قبل میں نے یہ حدیث کبھی نہیں سُنی ۔ پھر اس کے بعد جب آپ رحمہ اللہ سے اس بارے پوچھا جاتا تو میں نے سُنا کہ: آپ رحمہ اللہ پاؤں کی اُنگلیوں کے خلال کا حکم دیتے۔''

سنت رسول ﷺ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض اقوال

((اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنْ مَنِ اسْتَبَانَ لَهٗ سُنَّةٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهٗ اَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ قَيِّمٍ وَالْفُلَانِيُّ))[1]

"اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو سنت رسول ﷺ معلوم ہو جائے اس کے لیے کسی آدمی کے قول کی خاطر سنت کو ترک کرنا جائز نہیں۔" ابن قیم اور فلانی رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

((اِذَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اَقُوْلُ قَوْلًا وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَهٗ فَاعْلَمُوْا أَنَّ عَقْلِيْ قَدْ ذَهَبَ۔ ذَكَرَهٗ اِبْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ عَسَاكِرَ))[2]

"مجھے جب نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث کے خلاف بات کرتے دیکھو تو سمجھ لو میرا دماغ چل گیا ہے۔" ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

((اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ ؛ اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا رَأَيْتُمْ كَلَامِيْ يُخَالِفُ الْحَدِيْثَ فَاعْمَلُوْا بِالْحَدِيْثِ وَاضْرِبُوْا بِكَلَامِيْ الْحَائِطَ۔ ذَكَرَهٗ فِيْ عِقْدِ الْجِيْدِ))[3]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔" نیز فرمایا: "جب میرا قول حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔" اس کا ذکر عقد الجید میں ہے۔

---

[1] الحدیث حجة بنفسه ، للالبانی ، رقم الصفحة ۸۰

[2] وجوب العَمَلِ بِسُنَّةِ بالسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ، للشیخ عبدالعزیز بن باز رحمه الله رقم الصفحة ۲۷

[3] حقیقة الفقه ، رقم الصفحة ۷٤

((عَنِ الشَّافِعِیّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّه' كَانَ يَقُولُ اِذَا وَجَدْتُمْ فِیْ كِتَابِیْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعُوْا مَا قُلْتُ۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاتَّبِعُوْهَا وَلَا تَلْتَفِتُوْا اِلٰى قَوْلِ اَحَدٍ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ عَسَاكِرَ وَالنَّوَوِیُّ وَابْنُ الْقَيِّمِ))[1]

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''جب تم میری کتاب میں کوئی بات سنّتِ رسول ﷺ کے خلاف پاؤ تو میری بات چھوڑ دو اور سنّت کے مطابق عمل کرو۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''صرف سنّتِ رسول ﷺ کی پیروی کرو اور کسی بھی دوسرے شخص کی بات پر توجہ نہ دو۔'' ابن عساکر، نووی اور ابن القیم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''صفة صلاة النبی ﷺ'' میں (ص: ۲۷، طبع المکتب الاسلامی بالبیروت) لکھتے ہیں:

''اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی اقوال تو باقی آئمہ کی نسبت اور بہت ہی اعلیٰ منقول ہیں۔ اور ان کے اتباع تو اس (بات پر کہ جب حدیث کا علم آ جائے امام کی بات کو فوراً چھوڑ دیں) میں بہت زیادہ عمل کرنے والے اور سب سے زیادہ سعادت مند ہیں۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ ''اعلام الموقعین، ص: ۳۶۳/۲'' میں، ابو نعیم: ۱۰۷/۹'' اور ''الھروی: ۱/۴۷'' میں بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

((كُلّ مَسْأَلَةٍ صَحَّ فِيهَا الْخَبَرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ اَهْلِ النَّقْلِ بِخَلَافِ مَّا قُلْتُ فَأَنَا رَاجِعٌ عَنْهَا فِيْ حَيَاتِيْ وَبَعْدَ مَوْتِيْ))

''میرے بیان کردہ ہر اس مسئلہ کے خلاف کہ جس میں اہل حدیث کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے صحیح خبر پہنچ جائے، میں اس سے اپنی زندگی میں بھی رجوع کرنے والا ہوں اور اپنی موت کے بعد بھی۔'' (یعنی میری موت کے بعد بھی اگر

---

[1] حقيقة الفقه، رقم الصفحة ۷۵

صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو چھوڑ دیا جائے۔)

پھر فرمایا:

((كُلُّ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَهُوَ قَوْلِي وَإِنْ لَمْ تَسْتَمِعُوهُ مِنِّي))

''نبی ﷺ سے (صحیح سند کے ساتھ) بیان کردہ ہر حدیث میرا قول ہے۔ اگرچہ وہ تم نے مجھ سے نہ بھی سُنی ہو۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کسی آدمی کے قول کی خاطر سنت رسول ﷺ کو ترک کرنا ہلاکت کا باعث سمجھتے تھے

((قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ رَحِمَهُ اللَّهُ مَنْ رَدَّ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَهُوَ عَلَى شَفَا هَلَكَةٍ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ))[1]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو ردّ کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے۔'' اس کا ذکر ابن جوزی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

((وَقَالَ : رَأْيُ الْأَوْزَاعِيِّ وَرَأْيُ مَالِكٍ وَرَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ كُلُّه' رَأْيٌ وَهُوَ عِنْدِي سَوَاءٌ وَإِنَّمَا الْحُجَّةُ فِي الْآثَارِ۔ ذَكَرَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الْجَامِعِ))[2]

''امام اوزاعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کی بات رائے ہے اور میرے نزدیک سب کا درجہ ایک جیسا ہے۔ حُجت صرف سنت رسول ﷺ ہے۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور اس پر مستزاد یہ کہ:

((قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا تُقَلِّدُونِي وَلَا تُقَلِّدُوا مَالِكًا

1. الجزء الاول : رقم الصفحة ٢١٦
2. الحديث حجةٌ بنفسه ، للالباني ، رقم ٨٢

وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ وَخُذُوا مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا۔ ذَكَرَهُ الْفَلَانِيُّ))[1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نہ میری تقلید کرو، نہ امام مالک کی، نہ امام شافعی کی، نہ امام اوزاعی کی اور نہ امام ثوری کی، بلکہ دین کے احکام وہیں سے لو جہاں سے انہوں نے لیے ہیں۔'' (یعنی کتاب وسنت سے) فلانی نے (اپنی کتاب ''ھمم اولی الابصار'' میں) اس کا ذکر کیا ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''المناقب'' میں (ص:۱۹۲ پر) لکھا ہے کہ: ابن حنبل رحمہ اللہ ایسی کتاب کا لکھنا ہی ناپسند فرماتے تھے، جو فروعی مسائل (میں قیاس کی دخل اندازی اور) آراء پر مشتمل ہو۔'' ابوداؤد ''مسائل الامام احمد'' میں (ص:۲۷۶، ۲۷۷) رقمطراز ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک بار فرمایا: اتباع یہ ہے کہ آدمی اسی (اوامر ونواہی اور مسائل میں) کی پیروی کرے جو نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب سے پہنچے، پھر تابعین کی اور ان کے بعد وہ صاحب اختیار ہے۔'' (کہ جس مسئلہ میں نبی ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین سے وضاحت نہ ملتی ہو، اس میں اجتہاد کر لے۔)

امام ابن حزم رحمہ اللہ ''اصول الاحکام'' میں (ص:۱۱۸/۶) لکھتے ہیں: ''بلاشبہ وہ فقہاء عظام کہ جن کی آج تقلید کی جا رہی ہے وہ تقلید کو باطل قرار دیتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اپنی تقلید سے منع کر رکھا تھا۔ اس معاملے میں امام شافعی رحمہ اللہ بہت متشدد تھے۔ انہوں نے تو صحیح احادیث کی اتباع پر تاکید کرنے اور انہی کو وجوب کی حجت میں لینے کے لیے انتہا کر دی تھی۔ دیگر آئمہ اس حد تک نہیں پہنچ سکے۔ پھر بھی اگر کوئی ان کی تقلید محض کرتا ہے تو امام رحمہ اللہ اس بات سے بری ہیں۔''



[1] الحديث حجة بنفسه ، للالباني ، رقم الصفحة ۸۰

رسول اللہ (ﷺ) کی صفات وخصوصیات

امام (أحمد بن عبدالحلیم) ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام اولو العزم پیغمبروں میں سب سے افضل خاتم النبیّین ، امام المتقین ، خداترس لوگوں کے سردار، سید ولد آدم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو امام الانبیاء ہیں۔ اس وقت سے جب سارے نبی (معراج کے موقعہ پر بیت المقدس میں) جمع ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ (قیامت والے دن ساری خلائق کے اللہ کے ہاں) اس وقت ترجمان بنیں گے جب وہ آپ سے شفاعت کے لیے آکر کہیں گے ۔آپ ﷺ اس قابلِ تعریف مقام (مقام محمود) کے ان شاء اللہ مالک ہیں کہ جس پر اول و آخر والے سب لوگ رشک کرتے رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم (قیامت والے دن) لواء حمد (اللہ کی تعریف والے پرچم) کے مالک بھی ہوں گے۔ (جس کے نیچے جمع ہو کر ایمان والے کامیابی حاصل کریں گے) اور آپ (قیامت والے دن) اس حوض (تالاب) کے مالک بھی ہوں گے جس پر اہلِ ایمان کو (اپنی پیاس بجھانے کے لیے) لایا جائے گا (اور وہ سیر ہو کر پئیں گے۔) آپ ﷺ قیامت کے دن مخلوقات کے لیے شفاعت کنندہ بھی ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن وسیلے کا حق اور فضیلت عطا کیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا وہ ذات ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں سے بہترین کتاب کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور اس نے اپنے دین کی (گزشتہ) شریعتوں میں سے آپ کو افضل ترین شریعت بنا کر دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو بہترین ملت بنایا ہے کہ جسے لوگوں کو اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے لیے نکالا گیا ہے۔ اس اللہ نے آپ ﷺ کی ذات اور آپ کی امت میں

وہ سارے فضائل اور محاسن جمع کر دیے ہیں کہ جنہوں نے ان سے پہلے والے لوگوں (یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب) اور ان کے درمیان فرق کر کے رکھ دیا ہے۔ نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ پیدائش کے اعتبار سے تو سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت والے دن) بعثت کے لحاظ سے سب سے اول ہوں گے۔''[1] جیسا کہ حدیث میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: "نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بَیْدَ کُلُّ اُمَّةٍ اُوْتُوالْکِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِیْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ فَهٰذَا الْیَوْمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ، (یَعْنِیْ یَوْمُ الْجُمُعَةِ) کَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْنَا ، هَدَا نَا اللّٰهُ لَهٗ۔ فَالنَّاسُ لَنَا فِیْهِ تَبَعٌ ، غَدًا لِلْیَهُوْدِ وَبَعْدَ غَدٍ لِلنَّصَارٰی))[2]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہم (دنیا میں) تمام امتوں کے آخر میں آئے ہیں، لیکن (قیامت کے دن) سب سے آگے ہوں گے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہر امت کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہمیں بعد میں عطا کی گئی ہے۔ تو (جمعہ کا) یہ دن کہ جس (کے قبول کرنے) میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر (اس کی فضیلت کو) لکھ دیا، اس کی طرف اس نے ہماری راہنمائی کی ۔ چنانچہ اس میں لوگ ہمارے پیچھے ہیں ۔کل کا دن (ہفتہ) یہودیوں کے لیے اور پرسوں کا دن (اتوار) عیسائیوں کا۔ (اس اعتبار سے وہ ہمارے پیچھے ہو گئے کیونکہ جمعہ پہلے آتا ہے۔)

مزید فرمایا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاُکْسَی الْحُلَّةَ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ

---

[1] الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان ص١١ [2] صحیح البخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، حدیث نمبر: ٣٤٨٦۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ١٩٧٨۔

ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ))[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(قیامت والے دن) میں پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی۔ (اور اپنی قبر سے باہر آؤں گا۔) چنانچہ جنت کے (لباس والے) جوڑوں میں سے ایک جوڑا مجھے پہنایا جائے گا۔ پھر میں (اللہ کے) عرش سے دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔ میرے علاوہ تمام مخلوقات میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس مقام پر کھڑا ہو۔''

اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "آتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ ، فَيَقُوْلُ الْخَازِنُ ؛ مَنْ اَنْتَ ؟ فَأَقُوْلُ : مُحَمَّدٌ! فَيَقُوْلُ : بِكَ أُمِرْتُ لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ))[2]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت والے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا۔ اور میں دروازہ کھولنے کے لیے کہوں گا۔ دربان پوچھے گا: تم کون ہو؟ تو میں کہوں گا : محمد ہوں۔ (ﷺ) وہ کہے گا: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں (جنت کا دروازہ) کسی کے لیے نہ کھولوں۔''



---

1. جامع الترمذی ، کتاب المناقب ، حدیث: ٣٦١١ وقال ابو عیسیٰ الترمذی: هٰذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ صحيحٌ
2. صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، حدیث نمبر : ٤٨٦

نظریۂ بدعت

جیسا کہ آج کل بہت سارے مسلمان دین کا حصہ مانتے ہوئے اسے صحیح تسلیم کرنے لگے ہیں۔ لفظ ''بدعت'' کوئی نئی اصطلاح نہیں ہے۔ بلکہ کسی حد تک یہ ''بَدَعَ'' سے نکلا ہوا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو بغیر پیش روی کے (نئے سرے سے) شروع کرنا۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ﴾

[سورة الاحقاف : ۹]

''(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے! میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا۔ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا......''

لفظ ''بدعہ'' کا یہاں مطلب ہے ''ایک نئی چیز'' اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے فرما رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو بتا دیں کہ ان کی نبوت کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ انہی خطوط پر چل رہے ہیں جن پر ان سے پہلے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ لفظ بدعت الگ الگ دو مختلف اقسام میں مستعمل ہے۔

نمبر ۱:...... دنیاوی امور میں نئی چیزوں (یا نظریات) کی ایجاد پر (عربی میں ان کے لیے بھی بدعہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

نمبر ۲:...... اللہ کے دین میں اس لفظ کا متعلق ہونا۔

تو لفظِ بدعت جو دنیاوی معاملات سے متعلق ہوتا ہے وہ سارے زندگی کے وہ امور ہوتے ہیں جو جائز ہیں۔ جیسے کہ سائنسی ایجادات کی طرح کچھ نئی چیزیں۔ چونکہ یہ شریعت کے برعکس نہیں ہوتیں (اس لیے یہ اس بدعة میں نہیں آتیں جس کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔) جب لوگوں سے اللہ کے دین میں بدعت پر تنبیہہ کرتے ہوئے بحث کی جاتی ہے تو ہٹ دھرم قسم کے لوگ کہتے ہیں: ''پھر تو گاڑی چلانا بھی بدعت ہوئی۔'' حالانکہ وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہماری مراد کیا ہے؟

اسلامی اصطلاح (شریعت) میں ''بدعت'' کے معانی یوں متعین کیے جاتے ہیں: ''عقائد و اعمال میں دین کے اندر شریعت کی نقل اتارتے ہوئے نیا اختراع شدہ راستہ اختیار کرنا کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جستجو کی جائے۔ اس کام میں نہ ہی تو اس کی بنیادوں کے لیے قرآن وسنت کے ثبوت کی مدد حاصل کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے طریقے وضع کرنے کے لیے۔''[1]

بے شمار لوگ اس (بدعت والی) بیماری کے گناہ میں گھر چکے ہیں کیونکہ اس کو صحیح تسلیم کروانے کے لیے ان کی راہنمائی غلط کی گئی ہے۔ حالانکہ ان کے ارادے صاف ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس کام میں وہ شریک ہو رہے ہیں وہ غلط ہے ہی نہیں (کیونکہ جذبہ ان کا نیک ہوتا ہے۔) جیسا کہ درج ذیل روایت میں دیکھا جا سکتا ہے، یہ اعتقاد قطعاً غیر صحیح ہے۔

سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم صبح کی نماز سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جایا کرتے تھے جب وہ باہر نکلتے ہم ان کے ہمراہ مسجد کی طرف چلنے لگتے۔ ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا ابھی تک ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعودؓ) تمہاری طرف باہر نہیں نکلے؟ ہم نے کہا: ''نہیں''۔ تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے (اور انتظار کرنے لگے) حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر آ گئے۔ جب

[1] الاعتصام للشاطبی جلد اول ص ۲۳۱.

آپؓ نکلے، ہم سب آپ کی طرف کھڑے ہو گئے اور پھر ان سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے ابو عبدالرحمٰن! میں نے مسجد (نبوی) میں کچھ دیر پہلے ایسا معاملہ دیکھا ہے جسے میں نے غیر معروف (بالکل نیا) جانا ہے۔ الحمد للہ! میں تو اس میں بھلائی ہی دیکھتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اور وہ کیا ہے؟'' تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر آپ زندہ رہے تو آپ خود اسے دیکھ لیں گے۔ (پھر خود ہی) بتانے لگے: میں نے ایک جماعت کو مسجد میں دیکھا ہے کہ وہ حلقہ جات میں بیٹھے ہوئے نماز کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقے میں ایک آدمی ان سے کہتا ہے: سو بار ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' کہو! تو وہ سو دفعہ (ان کنکریوں پر) ''اَللّٰهُ اَكْبَر'' پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو بار ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھو! تو وہ سو دفعہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو بار ''سُبْحَانَ اللّٰه'' پڑھو! تو وہ سو دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' پڑھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو تم نے ان سے کیا کہا؟ ابو موسیٰ بتانے لگے: ''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے اور آپ کے حکم کا انتظار تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کیا آپ نے انہیں حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی غلطیاں شمار کریں اور آپ نے انہیں ضمانت نہیں دی کہ ان کی نیکیوں میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ پھر وہ بھی چلے اور ہم بھی ان کے ساتھ چلنے لگے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ ان حلقہ جات میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے اور ان پر کھڑے ہو گئے۔ پس ان سے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ وہ کہنے لگے: اے ابو عبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں کہ ہم ان کے ساتھ 'اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' اور 'سُبْحَانَ اللّٰه' شمار کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تو پھر (اس بدعت کی ایجاد پر) اپنے گناہ شمار کرو۔ میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ (اگر تم نے اس بدعت پر ندامت اختیار کر لی تو) تمہاری نیکیوں میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہوگی۔ (پھر ان لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا) اے امت محمد! (ﷺ) تمہاری بربادی ہو! کتنی جلدی تم تباہ ہو گئے۔ یہ تمہارے نبی (ﷺ) کے صحابہ وافر تعداد میں

تمہارے اندر موجود ہیں۔ابھی تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن ابھی تک ٹوٹے ہیں۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔(تم سمجھتے ہو کہ شاید) تم اس ملت پر ہو جو محمد ﷺ کے دین سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ یا (سیدھی بات یہ ہے کہ) تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اور کتنے لوگ ہیں جو بھلائی کا ارادہ تو رکھتے ہیں مگر اسے پا نہیں سکتے (کیونکہ وہ اپنی مرضی کرتے ہیں اور یہ خیر کے خلاف ہے۔)

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بالتحقیق ایک ایسا گروہ ہوگا جو قرآن کی تلاوت تو کرے گا مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ شاید ان میں سے اکثریت تم میں سے ہو۔(یعنی تمہاری زندگی میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں۔)

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان سے منہ موڑ کر چلے گئے۔عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان حلقہ جات کے اکثر لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ (یہ بدعتی لوگ) جنگ نہروان میں خارجیوں کے ساتھ مل کر (ہمارے خلاف لڑتے ہوئے) ہمیں زخمی کر رہے تھے۔[1]

اس کا سبب یہ ہے کہ تم نے بہت سارے لوگوں کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کرتے ہوئے سنا ہوگا۔''

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُه' إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ)) [2]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

---

[1] رواه الامام أحمد في الزهد: ٣٥٨۔والدارمي في مقدمه سننه ٦٨/١۔و ابو نعيم في الحليلة ٣٨٠/٤۔ بحواله كتاب: تنبيه اولى الابصار إلى كمال الدين وما في البدع من الأخطار ص٦٧ للشيخ/ صالح بن سعد السحيمى

[2] صحيح البخارى، حديث: ١

فرماتے ہوئے سنا: ''بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ (نتیجتاً) ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت (ترکِ وطن) دنیا (پانے) کے لیے ہوئی تو اسے وہ حاصل کرلے گا۔ یا کسی عورت کی طرف ہوئی تو اس سے وہ نکاح کرلے گا۔ تو اسکی ہجرت ان ہی چیزوں کے لیے ہوگی جنہیں حاصل کرنے کے لیے اس نے گھر بار چھوڑا۔''

(یعنی وہ دلیل دے رہے ہوتے ہیں کہ ہماری نیت تو درست ہے ناں! مگر عمل صالح کے لیے فقط نیت کا درست اور خالص ہونا کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ سنت کے مطابق ہونا بھی لازمی ہے۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾ [سورۂ محمد آیت : ۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو۔ اور اپنے اعمال کو (ان کی نافرمانی کرکے) ضائع نہ ہونے دو۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ النور آیت : ۵۲]

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے گا تو ایسے ہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''

مگر جو لوگ ایسا نہیں کرتے ، اپنی مرضی کرتے یا کسی اور کی بات کو مانتے ہیں ان کے متعلق کچھ یوں ارشاد فرمایا ہے :

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ

عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [سورة النور : ٦٣]

''تو جولوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں، انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں کوئی آفت آن گھیرے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَاقَالَتْ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[1]

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے امر میں ازخود کوئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہ تھی وہ رد کردی جائے گی۔''

اور اس مذکور حدیث میں وارد لفظ ''اُمر'' سے مراد دین ہے جیسا کہ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ دِيْنِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))[2]

''جس نے ہمارے دین میں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تھی تو وہ مردود ہے۔''

اس حدیث کو (اپنے مطلب پر) چسپاں کرتے ہوئے وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب سے وہ اپنایہ (بدعت والا) عمل کر رہے ہیں یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والے مقصد کے لیے تب سے ان کے عمل میں کوئی غلط بات نہیں ہوسکی اور نہ ہی اس دوران شرک ان کے اعمال میں داخل ہوسکا ہے۔ مگر یہ سوچ بالکل غلط ہے کیونکہ اعمال کا دارو مدار صرف ارادوں پر نہیں ہوتا (کہ مقصد کتنا اعلیٰ ہے۔) بلکہ ان کی تشریعی حیثیت بھی دیکھی جاتی ہے۔ (کہ اللہ اور اس کے

---

[1] صحيح البخاری، حديث : ٢٦٩٧۔ صحيح مسلم، حديث : ١٧١٨.

[2] شرح السنه: ١/ ٢١١

رسول کے ہاں ان کا مقام کیا ہے؟)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝﴾ [سورۃ الکھف : ١١٠]

''تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ اچھے عمل کرے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی (مخلوق) کو شریک نہ کرے۔''

اب اس ضمن میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی پڑھ لیں۔

((إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: إِنَّ أُنَاسًا كَانُوْا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَاِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ ، فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ ، اَللّٰهُ يُحَاسِبُ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءً ا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَاِنْ قَالَ: اِنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ))[1]

''عبداللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لوگوں کا وحی کے ذریعے مواخذہ ہو جاتا تھا۔ مگر وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ اب ہم صرف انہی امور میں مؤاخذہ کریں گے جو تمہارے افعال واعمال سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اس لیے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے بھلائی کرے گا ہم اسے امن بھی دیں گے اور اسے اپنے قریب رکھیں گے۔ اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اس کے

[1] صحیح البخاری، کتاب الشھادات، حدیث : ٢٦٤١

باطن کا محاسبہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا، ہم اسے امن بھی نہیں دیں گے اور نہ ہم اس کی (اچھا ہونے کی) تصدیق کریں گے اگرچہ وہ یہی کہتا رہے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے ان بے وقوفوں کا رد ہوا جو ایک بدکار، فاسق کو درویش اور ولی سمجھیں اور یہ دعویٰ کریں کہ ظاہری اعمال سے کیا ہوتا ہے، دل اچھا ہونا چاہئے۔ دل کا حال بجز اللہ کریم کے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے نبی ﷺ کو بھی اس کا علم بذریعہ وحی ہوتا تھا، خود بخود نہیں۔

بقول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اچھائی اور برائی کا فیصلہ ظاہری اعمال سے ہی ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ''(دین اسلام میں) ہر نیا طریقہ (ہر نیا کام) گمراہی ہے اگرچہ وہ لوگ اسے اچھا ہی کیوں نہ سمجھ رہے ہوں۔''[1]

سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے: ''شیطان کے ہاں عام گناہوں سے بدعات زیادہ محبوب ہوتی ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے آدمی گناہ پر پچھتائے (اور اسے چھوڑ دے) مگر بدعت پر کبھی افسوس نہیں کرتا (کیونکہ اسے وہ نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔)

آدمی بدعت کا ارتکاب یہ سمجھتے ہوئے کرتا ہے کہ جس عمل میں وہ شریک ہو رہا ہے بالکل درست ہے۔ اس لیے پچھتاوے کے متعلق وہ بالکل سوچتا ہی نہیں جیسے کہ وہ دوسرے کسی گناہ کے متعلق تو سوچ سکتا ہے کہ جسے وہ جانتا ہوتا ہے، یہ غلط ہے۔ اس طرح شیطان اسے دھوکہ دیتا ہے۔ وہ جلد بازی اور شریعت کو نظر انداز کرنے میں کچھ ایسی چیزوں میں شریک ہو جاتا ہے جنہیں وہ صحیح سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ اسے فائدہ دیں گی لیکن حقیقتاً اس کا یہ عمل اسے صرف نقصان ہی پہنچا سکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ علماء کرام کا کہنا ہے: ''شرک کے بعد ''بدعت'' گناہ کی بدترین قسم ہے۔''

[1] السنن الکبرىٰ للبیہقی: ٣١٦/٤

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آدمی کی شرک کے علاوہ ہر گناہ کے ساتھ اپنے رب سے ملاقات کرنا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ بدعات کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس سے ملے۔''[1]

ہمارے موجودہ مسلم معاشرے میں بدعات اس حد تک سرایت کر چکی ہیں کہ لوگوں نے انہیں سنت کا حصہ تسلیم کر لیا ہے اور دن بدن وہ لوگ جو سنت اور بدعت کے درمیان فرق کا علم رکھتے ہیں کم سے کم تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

انتہائی ضروری ہے کہ مومن آدمی اللہ کا دین وہی سیکھے جو اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کی طرف سے (ثقہ روایات کے ساتھ ہم تک) پہنچا ہے۔ یہ صرف اس علم کے ذریعے ہی ممکن ہو گا جس کے ساتھ فرق کرتے ہوئے وہ اس قابل ہو جائے کہ کون سا عمل سنت ہے اور کون سا بدعت۔ اس طرح وہ اپنے ذاتی گناہوں سے بھی اپنے آپ کو محفوظ کر سکے گا اور بدعت کے ذریعے حاصل ہونے والے گناہوں سے بھی۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾

[سورۃ آل عمران آیت: ۱۰۳]

''اور (اے مسلمانو!) سب مل کر اللہ کی رسی (یعنی اس کے دین، قرآن وسنت) کو مضبوطی سے (ایک ہو کر) تھامے رکھو اور متفرق نہ ہونا۔''

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾

[سورۃ النور آیت: ۵۴]

---

[1] الدارمی

''(اے میرے نبی!) کہہ دیجئے!(لوگو!) اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اگر تم نہیں مانو گے تو رسول کا بوجھ (اللہ کی طرف سے آئے ہوئے دین کو پہنچانے کا) اس پر ہے اور تم پر بوجھ (اس پر عمل کرنے کا) تمہارا ہے۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھی راہ پر لگ جاؤ گے۔ (یعنی ہدایت پاؤ گے۔) اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکام الٰہی کو) پہنچا دینا ہے۔''

معلوم ہونا چاہئے کہ اس ''بدعت'' نے مسلمانوں کے دلوں کو متحد کرنے کی بجائے تقسیم کر رکھا ہے یہی سبب ہے کہ تم دیکھو گے، وقت کے ہر حصے میں اسلامی دنیا کا ہر مسلک بدعت کے منفرد میدان رکھتا ہے۔ مقابلتاً ہر دور میں ہر مقام پر سنت ایک ہی جیسی رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کوئی بھی آدمی اس کا معاملہ دیکھ سکتا ہے۔

بدعت حسنہ

ایک غلطی یہ ہے کہ بدعت والے عنوان کی بحث میں بدعت حسنہ کا خیال سرایت کر چکا ہے۔ اس نظریہ نے اپنے ماننے والوں کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنے اوپر عمل اور اضافہ عطا کرتا چلا جا رہا ہے کہ جسے وہ صحیح تسلیم کرتے اور دین کے لیے اس کے بہتر ہونے کی دلیل دیتے ہیں۔ ان اہلِ بدعت کے بہت سارے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ارادے اللہ کی خاطر ہیں۔ چنانچہ ان (بدعت والے) عبادت کے نئے کاموں میں ان کی شرکت اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے قوانین کے خلاف نہیں ہے۔ مگر یہ دلیل بالکل غلط (جھوٹی) ہے اور اس کے خلاف ثبوت کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

''بدعت حسنہ'' کے دلائل میں بہت ساری احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی

آدمی ان احادیث کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لے تو وہ دیکھ سکے گا کہ ان کے حوالہ جات سنداً اور معناً دونوں اعتبار سے غلط ہیں اور یہ حدیث کا علم کم ہونے یا بدنیتی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔اس نظریۂ ''بدعت حسنہ'' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے حدیث کا صرف وہ حصہ دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جو ان کے دعویٰ کو سہارا دے۔لیکن اس حصے کو جس کا وہ حوالہ دے رہے ہوتے ہیں اگر حدیث کے سارے متن کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہ حدیث ان کے نظریہ کی مخالفت کر رہی ہے۔سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ امت اپنے دین کی قانون سازی (تشریع) خود کرنے میں مشغول ہے،اس لیے وہ اپنے مطلب کے لیے احادیث کا خاص حصہ دلیل کے طور پر پیش کرتی ہے۔(یعنی غیر شعوری طور پر اس وقت مسلمان قرآن و سنت کو دنیا کی راہنمائی کے لیے کافی نہیں سمجھ رہے۔)



ایک اچھے عمل کی پہچان کروانے کا اجر

کئی بار دہرائی گئی اور بہت زیادہ پیش کی جانے والی حدیث کہ جسے بدعت حسنہ کا پراپیگنڈہ کرنے والے ''مبتدعین'' نے اپنے حق میں استعمال کیا وہ یہ ہے ؛ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں اچھی بات نکالی (یعنی عمدہ کام کو جاری کرے جو شریعت کی رو سے ثواب ہے) پھر بعد میں اس پر عمل کیا جائے تو اسے اتنا ہی ثواب ہوگا جتنا سب عمل کرنے والوں کو۔اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔''

وہ لوگ حدیث کے صرف اتنے حصے کو ہی بیان کرتے ہیں۔یا تو وہ ایسا مکمل حدیث سے جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں یا بغض وعناد کی بنیاد پر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے۔اگر کوئی شخص حدیث مذکور کے مکمل متن کو دیکھ لے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ مندرجہ بالا پیراگراف کا مطلب کیا ہے؟ (اور اسے ان لوگوں کی بد نیتی سے بھی آگاہی ہو جائے گی۔) آیئے! ہم مکمل حدیث آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا قَالَ:[كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ فَجَاءَه]نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ [حُفَاةٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِي النِّمَارِ اَوِ الْعَبَاءِ]عَلَيْهِمُ الصُّوْفُ[مُتَقَلِّدِى السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ ، بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ] فَرَأَى سُوْءَ حَالِهِمْ قَدْ أَصَابَتْهُمْ حَاجَةٌ[فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ،فَقَالَ : ﴿ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا

رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ ﴾ [سورة النساء: ١]

﴿ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوااللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [سورة الحشر: ١٨]

فَحَثَّ النَّاسَ عَلَى الصَّدَقَةِ ، فَأَبْطَؤُا عَنْهُ حَتّٰى رُوِیَ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ(تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِيْنَارِهٖ،مِنْ دِرْهَمِهٖ،مِنْ ثَوْبِهٖ،مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ،مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ،حَتّٰى قَالَ......وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ] قَالَ : ثُمَّ اِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ جَاءَ بِصُرَّةٍ مِنْ وَرِقٍ [كَادَتْ كَفُّهٗ تَعجزُعَنْهَا ، بَلْ قَد عَجَزَتْ] ثُمَّ جَاءَ آخَرُ،ثُمَّ تَتَابَعُوا [حَتّٰى رَأَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَّ ثِيَابٍ ، حَتّٰى رَأَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ] عُرِفَ السُّرُوْرُ فِيْ وَجْهِهٖ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ،كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))[1]

''جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:''دن کے شروع میں (ظہر سے پہلے) ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بادہ نشینوں میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ جو ننگے پیر، ننگے بدن،اون کی وہ دھاری دار ڈھیلی ڈھالی عبائیں پہنے ہوئے تھے جو درمیان سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اپنی تلواریں حمائل کیے ہوئے تھے۔ان میں سے اکثر، بلکہ سب،قبیلہ مضر کے

[1] صحيح مسلم/كتاب الزكاة، حديث : ٢٣٥١ ، كتاب العلم، حديث : ٦٨٠٠

لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا برا حال دیکھا کہ فقیری و محتاجی نے انہیں آلیا تھا۔ ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک (کا رنگ دکھ سے) بدل گیا۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور پھر (کچھ دیر کے بعد) باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے (ظہر کی) اذان اور پھر (کچھ دیر بعد) اقامت کہی۔

نبی ﷺ نے نماز پڑھائی اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو کہ جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اور اسی جان سے (پہلے) اس سے اس کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔ اور (پھر) ان دونوں (آدم و حواء) سے کثرت کے ساتھ مرد اور عورتیں (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے کہ جس کا آپس میں واسطہ دیتے ہو ، اور ناطہ توڑنے سے (بھی ڈرو) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگہبان ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے لیے کیا سامان (نیکیوں کا) آگے بھیجا ہے۔ (ہم پھر کہتے ہیں) اور اللہ سے ڈرتے رہو ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔''

اور آپ نے لوگوں کو صدقہ دینے پر رغبت دلائی۔ مگر لوگوں نے اس کام میں دیر لگائی۔ یہاں تک کہ اس بات کا رنج آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر دیکھ لیا گیا۔ (کچھ دیر بعد صدقات کا بازار گرم ہوا اور) کسی آدمی نے دینار دیا ، کسی نے درہم ، کسی نے کپڑا ، کسی نے صاع جَو یا گیہوں ، تو کسی نے کھجوروں کا صاع ، حتیٰ کہ نبی ﷺ نے ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا: ''ایک ٹکڑا کھجور کا ہو جب بھی لاؤ۔''

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی (نبی ﷺ کی ترغیب پر) ایک تھیلی

نقدی کی لے آیا۔ (اس تھیلی کے وزن کی وجہ سے) اس کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک گیا تھا۔ پھر دوسرا آیا، (اس کے بعد تیسرا، چوتھا اور پانچواں) حتیٰ کہ تانتا بندھ گیا۔ (لوگ صدقے کا مال لیتے چلے آئے) یہاں تک کہ میں نے خوراک اور کپڑوں کے دو بڑے بڑے ڈھیر دیکھ لیے۔ (رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا) حتیٰ کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا کہ یوں چمکنے لگا ہے گویا کہ سونے کا ہو۔ آپ ﷺ کے رخ انور پر خوشی معلوم ہونے لگی تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں کسی اچھے عمل کو جاری کیا، پھر بعد میں اس پر عمل کیا جائے تو اس (نیک عمل) جاری کرنے والے کو اتنا ثواب ہوگا جتنا سب عمل کرنے والوں کو۔ اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور جو اسلام میں بری بات نکالے (مثلاً بدعت یا گناہ کی بات) اور لوگ اس کے بعد اس پر عمل کرنے لگیں تو تمام عمل کرنے والوں کے برابر گناہ اس پر لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کا گناہ کچھ کم نہ ہوگا۔''

اوّلاً:

اگر ہم اجر و ثواب کے لیے حدیث مبارک کے عربی الفاظ..... سُنَّةً حَسَنَةً..... پر غور کریں تو معلوم پڑتا ہے کہ وہ " سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً " ہے۔ جس کا مطلب درحقیقت اچھی سنت (طریقہ) ہے۔ اگر ہم اس بات کو قبول کریں کہ یہاں پر شرعی اصطلاح میں سنت حسنہ کی تعریف کی گئی ہے (کہ جو بدعت حسنہ کے بالکل الٹ ہے) تب ہم لازماً حدیث کے دوسرے حصے پر بعینہ اسی انداز پر عمل پیرا ہوں گے۔ حدیث کے دوسرے حصے پر غور کرتے ہوئے (کہ جسے اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرنے والوں کی طرف سے غیر مناسب طور پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔) سُنَّةً سَيِّئَةً (بمعنی برا طریقہ) والے الفاظ پر آئیں۔ اگر ہم حدیث کے پہلے والے حصے کو بطور شریعت قبول کرتے ہیں تب ہمیں لامحالہ برے

طریقے......سُنَّةً سَيِّئَةً ......والے نظریہ کو بھی قبول کرنا چاہیے جو بہر حال حدیث میں موجود ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ شرعاً کوئی بھی سنت بری نہیں ہوتی یہاں پر "سُنَّةٌ سَيِّئَةٌ" لغوی طور پر استعمال ہوا ہے نہ کہ اصطلاحاً۔

ثانیاً :

اس حدیث کے مکمل متن پر نظر کرتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی اچھے کام کا آغاز و تعارف کروانا کہ جس کا نبی کریم ﷺ ذکر فرما رہے ہیں۔ عملِ سخاوت کو ترویج دینے کے لیے تھا کہ جو بہت زیادہ سفارش کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کا لفظ سُنَّةٌ حَسَنَةٌ کا استعمال فرمانا، "سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ" کی تاکید کے طور پر تھا کہ اس وقت لوگوں کو ایک ایسی سنت کی یاد دہانی کروانا مقصود تھا جسے انہوں نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ اس لیے ایک اچھے عمل کی پہچان کروانا کہ جس کا تعین نبی ﷺ نے مندرجہ بالا حدیث میں فرما دیا۔ لوگوں کو در حقیقت (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والی) مشہور سنت پر واپس لانا تھا، اس لیے کہ لوگ صدقات (وخیرات) دینے میں ہچکچاہٹ سے کام لے رہے تھے۔ یہ بات درج ذیل حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَه' مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَه' لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَه' ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا))[1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص (لوگوں کو) ہدایت کی طرف دعوت دے، اسے ہدایت پر چلنے والوں کا بھی ثواب ملے گا اور ان (ہدایت پر چلنے والوں) کے اجر سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جس کسی نے (لوگوں کو) گمراہی کی طرف دعوت دی، اسے گناہ پر چلنے والوں کا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب العلم، حدیث : ٦٨٠٤

بھی گناہ ہوگا اور ان (گنہگاروں) کے گناہوں میں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔''

یہ حدیث پہلی والی حدیث کی وضاحت اور ''اچھے عمل'' کی تعریف کا معنیٰ متعین کر رہی ہے کہ حقیقت میں لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دینا اور ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا ہی دراصل رسول اللہ ﷺ کی مستند سنت ہے۔ یہ حدیث عام مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ سنت کی تجدید یہاں پر زیر بحث لائی گئی ہے۔ پرانے علماء جب بھی کسی سنت کی تجدید پر بحث کرتے تو اس حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ جیسا کہ امام اللا لکائی کی کتاب ''شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ (یہ کتاب اہل السنہ کے عقیدہ پر ایک تفصیلی معلومات پر مشتمل تحریر ہے۔) اس کتاب میں امام موصوف نے ''اس شخص کا اجر و ثواب جو کسی سنت کی تجدید کرے'' والے باب میں اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کوئی بھی شخص جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ مندرجہ بالا حدیث ''بدعتِ حسنہ'' کے اسلوب فکر کا ثبوت مہیا کرتی ہے وہ سخت غلطی پر ہوگا۔



عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث اور بدعت حسنہ

ایک اور حدیث کہ جسے ''بدعتِ حسنہ'' کی تائید میں نظریاتی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ وہی حدیث عمر ہے جو اس عقیدۂ و مسلک کے لوگوں کی پسندیدگی کی بہت زیادہ وجہ بنی ہے۔ اہم ترین اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے اس ''بدعتِ حسنہ'' والے نظریہ کو اپنا رکھا ہے، بہت زیادہ پیش کی جاتی ہے۔ وہ درج ذیل حدیث کو پیش کرتے ہیں۔

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ، يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ ، فَقَالَ عُمَرُ : اِنِّيْ أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ : "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" وَالَّتِيْ يَنَامُوْنَ عَنْهَا، أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ يَقُوْمُوْنَ...... يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ...... وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَهٗ)) [1]

''عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے ہمراہ رمضان کی ایک رات مسجد (نبوی) کی طرف گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ متفرق، بکھرے ہوئے تھے۔ کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے نماز ادا

[1] صحیح البخاری/کتاب صلاۃ التراویح، حدیث : ۲۰۱۰

کر رہے تھے۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری (امام) کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہی ٹھان کر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنا دیا۔ پھر ایک دوسری رات جو میں ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں۔(یہ دیکھ کر) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے۔اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے ہیں۔ (آپ رضی اللہ عنہ کی مراد رات کے آخری حصہ سے تھی) اس حصہ سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔(یعنی عشاء سے متصل بعد والے حصے سے)''

مگر یہ حدیث بہت سارے لوگوں کی طرف سے بغض وعناد یا جان بوجھ کر غلط مراد لینے میں سے کسی ایک وجہ کی بنا پر پیش کی جاتی ہے۔اگر کوئی آدمی اس حدیث کے مکمل متن کو دیکھے تب وہ فرمانِ عمر رضی اللہ عنہ کے بہترین مفہوم کو حاصل کر سکے گا۔اور قدیم علماء کرام کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث کو بغور دیکھ کر وہ صحیح مطلب اور مفہوم تک پہنچ سکے گا۔

((عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَخْبَرَتْهُ:أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ لَيْلَةً مِّنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلَّى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلَّى رِجَالٌ بِصَلَاتِهِ،فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا فَاجْتَمَعَ أَكْثَرُمِنْهُمْ فَصَلَّى فَصَلَّوْا مَعَه، فَأَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوا ، فَكَثُرَأَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى فَصَلَّوْا بِصَلَا تِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتَّى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ،ثُمَّ قَالَ:"أَمَّا بَعْدُ:فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ

وَلٰكِنِّي خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا ۔" فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسُ عَلٰى ذٰلِكَ۔"(وَفِي رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: " ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا))[1]

''سیدنا زبیر بن العوام کے بیٹے حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ (ان کی خالہ ام المؤمنین) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بتایا کہ: ''رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رمضان کی نصف شب کو مسجد تشریف لے گئے اور وہاں (تراویح کی) نماز پڑھی کچھ صحابہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے ۔ صبح ہوئی تو انہوں نے اس بات کا چرچا کیا۔ چنانچہ دوسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری صبح کو اور زیادہ چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے ۔رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے (اور مسجد میں آ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسب سابق) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتدا کی۔ جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد نمازیوں کے لیے تنگ پڑ گئی۔ (یعنی لوگ اتنی کثرت کے ساتھ آئے ۔مگر رسول اللہ ﷺ اس رات تشریف نہ لائے ۔بعض صحابہ کرام نے بآواز بلند نماز کے لیے توجہ بھی دلائی مگر آپ ﷺ گھر سے نہ نکلے ۔) حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے ۔جب فجر کی نماز پڑھا لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے ،خطبہ پڑھا اور فرمایا: ''اما بعد! تمہارے یہاں جمع ہونے کا مجھے علم تھا مگر میں اس بات سے ڈرا کہ یہ نماز (تراویح) کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔ چنانچہ نبی ﷺ کی وفات ہو گئی اور لوگ اسی حالت پر رہے۔ (یعنی خود ہی اپنے طور پر پڑھتے

---

[1] صحيح البخاري/ كتاب صلاة التراويح ، حديث : ٢٠٠٩ و ٢٠١٢ و كتاب التهجد ، حديث : ١١٢٩ـ صحيح مسلم/ كتاب صلاة المسافرين ، حديث : ١٧٨٤،١٧٨ واللفظ للبخاري

رہے۔) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہی معاملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی رہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا ہی تھا۔"

اس کے بعد وہ معاملہ ہوا جو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رحمہ اللہ کی روایت میں پیچھے پڑھا ہے۔اس مکمل حدیث پر اپنا نقطۂ نظر مرتکز کرتے ہوئے ہمارے لیے ایک امر واقع ظاہر ہوتا ہے۔اور وہ یہ کہ باجماعت نماز تراویح صحابہ کرام میں پہلے ہی سے ایک مشہور عمل تھا۔(کہ جس کا آغاز نبی ﷺ کے دور میں ہوا مگر باقاعدہ اہتمام نہ تھا۔وجہ آپ نے اوپر پڑھ ہی لی ہے۔) تاہم کوئی بھی آدمی یہ بحث کھڑی کرسکتا ہے کہ جب پہلے سے ہی متعدد باجماعت نمازوں کا قیام چھوٹی سطح پر عمل میں لایا جاچکا تھا اور مسجد نبوی میں کوئی ایک جماعت نہ ہوتی تھی۔پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اس پر عمل کررہے تھے۔اس کی نسبت سنت سے لازماً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نبی ﷺ کا عمل بھی تھا۔کیونکہ صاف معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام ہچکچاتے رہتے اور اتنی دیر تک کوئی عمل نہ کرتے تھے جب تک اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کی اجازت نہ ہوتی۔جیسا کہ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں اس موضوع پر گواہیاں موجود ہیں۔

((عَنِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَبَّلَ الْحَجَرَ وَقَالَ: إِنِّي لَأُقَبِّلُكَ وَإِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ وَ أَنَّكَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ))[1]

"عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حجرِ اسود کو (دورانِ طواف) بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: بلاشبہ میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔نہ تو نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ انہوں نے

[1] صحیح مسلم/کتاب الحج، حدیث: ٣٠٦٨

تجھے بوسہ دیا تھا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔"

((عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا، قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ)) [1]

"زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ ایک شخص کے پاس آئے جو اپنا اونٹ بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے کھڑا کر اور باندھ دے، پھر نحر کر کہ یہی محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔"

تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سب لوگوں کو مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور انفرادی نماز سے ہٹا کر تراویح کے لیے ایک امام کے پیچھے کھڑے کر دینا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر۱:......سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے (کہ جو پیچھے گزر چکی ہے۔) معلوم ہوتا ہے کہ نماز تراویح ایک اختیاری (نفلی عبادت والا) عمل تھا نہ کہ فرض۔ کیونکہ نبی ﷺ نے اس ڈر سے اسے با قاعدہ با جماعت جاری نہ رکھا کہ کہیں اللہ کی طرف سے یہ فرض نہ کر دی جائے اور پھر یہ امت پر بوجھ بنے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اس نماز کو با قاعدہ ایک امام کے پیچھے سب کو اکٹھے مل کر پڑھنے کا اہتمام فرمایا تھا وہ دراصل ایک سنت کا احیاء تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے خود کیا تھا، نہ کہ بدعت تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب نبی ﷺ نے نماز تراویح کی تین راتوں تک جماعت کروائی تھی تو صحابہ کرام میں سے کسی بھی گروہ نے ان راتوں میں نہ الگ جماعت کروائی تھی اور نہ کسی نے الگ سے خود پڑھی تھی۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل عین سنت کے مطابق تھا۔

نمبر۲:......شریعت میں کسی بھی عمل کے فرض، سنت اور نفل کا تعین رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوسکتا تھا، بعد میں ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہر دور میں تشریعی حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس

---

[1] صحیح البخاری/کتاب الحج، حدیث: ۱۷۱۳

کے رسولوں کو ہی رہا ہے نہ کہ کسی اور کو۔ اصول فقہ کا یہ ایک پکا اصول ہے جس پر ساری امت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ اصول شریعت دو ہیں: قرآن اور سنت (تفصیل کے لیے اصول الشاشی اور دیگر اصول فقہ کی کتب دیکھ لیں۔) اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اہتمام سنت کا احیاء تھا نہ کہ آپ کے اقدام سے تراویح فرض ہو گئیں۔

نمبر۳:......سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں اٹھایا۔ جب کہ ان کا اس دور میں اس عمل پر اجماع بھی ہو سکتا تھا۔ ادھر فقہاء نے یہ اصول بھی وضع کیا ہے کہ اگر کوئی بات شریعت (قرآن وسنت) سے واضح دلیل کے ساتھ ثابت ہو جائے تو پھر اجماع کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ تراویح با جماعت کا عمل تو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اس عمل کا مشاہدہ خود نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کر چکے تھے۔ اس لیے بدعت کیسے ہوئی؟)

نمبر۴:......احادیث میں موجود تمام ظاہری عبارتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور کریں تو صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ جس لفظ بدعت کا استعمال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا یہ کوئی شرعی یا دینی اصطلاحی بدعت نہ تھی۔ کیونکہ یہ عمل تو پہلے سے ہی نبی ﷺ کے دور سے جاری تھا۔ لیکن اس عمل میں باقاعدگی اور تنظیم وترتیب نہ تھی۔ لہٰذا اس لفظ کا استعمال آپ رضی اللہ عنہ نے لغوی طور پر فرمایا۔ جس کا مطلب صرف ایک نئی چیز تھا۔ کیونکہ نبی ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دور بھی اس عمل کی بے قاعدگی و بے ترتیبی میں گزر گیا تھا۔ اور نمازِ تراویح کی باقاعدہ با جماعت ایک مسجد میں ایک ہی امام کے پیچھے ادائیگی ایک نیا سا عمل معلوم پڑتا تھا۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ ...... یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے۔" اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے لغوی طور پر "بدعہ" کا استعمال بالکل درست تھا۔ [واللہ اعلم بالصواب]

نمبر۵:......سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف دین میں "بدعت" کی ایجاد کو

منسوب کرنے والوں کی ایک اور بڑی خیانت بھی دیکھ لیں۔ اپنی گردنوں میں اندھی تقلید کے پٹے ڈالے ان خائنوں سے کوئی یہ تو پوچھے، بھلا خلیفۂ راشد امیر المؤمنین عمر بن خطاب الفاروق رضی اللہ عنہ وارضاہ نے جب باجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا تو کتنی رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا؟ اس سوال پر جن کے سینے ہمہ وقت حق بات کو قبول کرنے کے لیے کھلے ہوں گے وہ حقیقت سامنے آنے پر فوراً اسے قبول کرلیں گے۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ خیر کے طالب ہوتے ہیں۔ اور جو ایسا چاہے اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَه' يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ..... ﴾ [الانعام: ۱۲۵]

"تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر لگانا چاہتا ہو اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔"

جناب معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ......))[1]

"جس شخص سے اللہ تبارک وتعالیٰ خیر کا ارادہ کریں اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔"

مگر اس کے برعکس جن کے سینے جاہلانہ عصبیت اور بیقوفانہ فلسفہ ومنطق سے بھرے ہوئے ہوں وہ حق بات قبول کرنے سے ہمیشہ بزدلی دکھاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ کچھ یوں ہے:

﴿ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّه' يَجْعَلْ صَدْرَه' ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ط ﴾ [سورة الانعام: ۱۲۵]

"اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرنا چاہتا ہو (کہ وہ اپنا دل حق بات قبول کرنے کے لیے نہیں کھولتا) تو اس کا سینہ تنگ، بہت تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا

---

[1] صحیح البخاری، کتاب العلم، حدیث: ۷۱

ہے۔''

یعنی ایسا آدمی اپنی منطقی گفتگو، چرب زبانی اور بے جا دلیلوں سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں پاتا۔ اب آیئے حقیقت کی طرف۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ ، أَنَّهُ قَالَ : أَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمًا الدَّارِيَّ (رضی اللہ عنہم) أَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً))[1]

امام مالک اپنے استاد محمد بن یوسف سے اور محمد اپنے استاد سائب بن یزید رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سائب بن یزیدؒ نے فرمایا: ''جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو (نمازِ تراویح کی) گیارہ رکعات پڑھائیں۔''

یعنی آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعتیں وتر کی۔ جیسا کہ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور مؤطا امام محمد میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ؛ انہوں نے امّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ((كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ؟......)) رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں (تراویح یا تہجد کی) نماز کیسی (یعنی کتنی رکعات) ہوتی تھی؟ ((فَقَالَتْ؛ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً ، يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا..........)) تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نہ ہی آپ ﷺ رمضان کے مہینہ میں گیارہ رکعات سے زیادہ (یہ نماز) پڑھتے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں۔ آپ ﷺ پہلی چار رکعات (دو، دو کر کے) یوں پڑھتے کہ (نہایت اطمینان وسکون اور طویل قرأت کے ساتھ، بس) آپ ان کے حسن وخوبی اور طول کا

---

[1] مؤطا الامام مالك / كتاب الصلاة في رمضان ، حديث : ٢٤٩ ، اسناده صحيح قاله: صاحب آثار السنن: ٧٧٥ و احتج به الطحاوي (معاني الآثار : ١/ ٢٩٣)

حال نہ پوچھو۔ پھر آپ ﷺ اگلی چار رکعات (دو، دو کر کے) یوں پڑھتے (نہایت اطمینان وسکون اور طویل قراءت کے ساتھ کہ، بس) آپ ان کے حسن وکمال اور طول کا حال نہ پوچھو۔ اس کے بعد آپ ﷺ تین رکعات (وتر) ادا فرماتے۔'' ((فَقُلْتُ ؛ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَ تَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ قَالَ : یَا عَائِشَۃُ ! إِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ)) [1] ''(اُم المؤمنین فرماتی ہیں کہ ایک بار) میں نے پوچھا؛ اے اللہ کے رسول (ﷺ) کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔''

اور گیارہ رکعات نمازِ تراویح پر سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث کہ نبی ﷺ نے انہیں رمضان میں پڑھائیں: ١...... المعجم الصغیر للطبرانی ص: ۱۰۸ پر (وسندہ حسنٌ) ؟...... فتح الباری ۱۰/۳ پر اور ۲......صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں موجود ہے۔

مؤطا امام مالک کی جناب سائب بن یزید رحمہ اللہ والی روایت کا اگلا حصہ ملاحظہ فرمائیں:

((قَالَ : وَقَدْ کَانَ الْقَارِیُٔ یَقْرَأُ بِالْمِئِیْنَ حَتّٰی کُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَی الْعِصِیِّ مِنْ طُوْلِ الْقِیَامِ وَمَا کُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِیْ بُزُوْغِ الْفَجْرِ......))

''سائب بن یزید رحمہ اللہ بتلاتے ہیں کہ امام ایک ایک رکعت میں سو سو آیات پڑھ جاتا (اور ہم تھک جاتے) حتّٰی کہ طوالت قیام کی وجہ سے ہم لاٹھیوں پر ٹیک لگانے لگتے اور (نمازِ تراویح طویل ہونے کی بنا پر) ہم نمازِ فجر کے بہت قریب جا کر فارغ ہوتے۔''

---

[1] صحیح البخاری/ کتاب صلاۃ التراویح/باب فضل من قام رمضان ، حدیث : ۲۰۱۳۔ صحیح مسلم/ کتاب صلاۃ المسافرین/باب صلاۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل...... حدیث : ۱۷۲۳۔ مؤطا الامام محمد مع التعلیق الممجّد/باب قیام شہر رمضان وما فیہ من الفضل /طبع قدیمی کتب خانہ ، کراچی

جیسا کہ اوپر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں نبی ﷺ کی اپنی اس نماز کے حسن و کمال اور طوالت کا ذکر ہوا۔ صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تراویح کی ادئیگی کے بارے پورا علم تھا اس لیے وہ بھی امامت کرواتے وقت قیام کو طویل کر دیتے تھے۔ تو پھر:

۱...... جنابِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نمازِ تراویح کے لیے یوں اہتمام کروانا بدعت کیسے ہوا؟ اور یہ بات پیچھے ہو چکی کہ یہ تو سنت کا احیاء تھا۔

۲...... رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے:

((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : " اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ ، أَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ))[1]

''حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد والے دو (خلفاءِ راشدین) کی بالالتزام اقتداء کرنا یعنی ابوبکر اور عمر کی۔ رضی اللہ عنہما''

اسی طرح جناب عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ جسے امام احمد نے مسند میں ، ابوداؤد نے اپنی سنن میں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان یوں ہے:

((أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا ، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى إِخْتِلَافًا كَثِيْرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))[2]

---

[1] مسند احمد : ۳۸۲/۵

[2] قال الألبانی رحمه الله ؛ وسنده صحيح۔ وقال الترمذی: حديث حسن صحيح و صححه جماعة منهم الضياء المقدسي فی : اتباع السنن و اجتناب البدع (ق: ۱/۷۹) دیکھئے: مشكوة المصابيح طبع المكتب الاسلامی بالبيروت حديث: ۱۶۵

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (امیر کی) بات سنو اور اطاعت کرو اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ (اُمت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری اور خلفائے راشدین جو (قرآن وسنت کی تعلیمات کے ساتھ) ہدایت یافتہ ہیں کی سنّت (طریقہ ومنہج) کو تھامے رکھنا۔ سنّت کو (عمل کے ذریعے) مضبوطی سے تھامے رہنا اور اس پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہنا۔ اور خود کو دین سے نکالے گئے نئے کاموں (بدعات وخرافات) سے بچا کر رکھنا، اس لیے کہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔"

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ خلفاء راشدین مہدیین سے مراد............ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ عنہم۔ ارشاد نبوی ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلفاء ہوں گے اور سب کے سب قریش میں سے۔ مگر باقی آٹھ کا مقام مذکور بالا چاروں خلفاء راشدین جیسا نہیں ہے۔ ان چاروں کو رُشد و ہدایت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اور پھر نبی ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ ان کے طریق کو بالتمسک اپنانے کا حکم فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے اجتہاد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی سُنّت سے کسی مسئلہ کا استخراج کرتے ہیں تو وہ نہ بدعت ہوگی اور نہ ہی خطا۔ وہ تو معمولی کاموں میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ وہ کسی بدعت کی ایجاد کریں۔ جب انہیں کسی کام کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دلیل نہ ملتی تو اصحاب العلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد ایک رائے پر اتفاق اور فیصلہ کرتے اور یہ رائے اُن کی سُنّت ہوتی تھی۔ مگر یہاں با جماعت صلاۃ التراویح کا قیام بالکل نئے سرے سے کسی عمل کی ایجاد نہ تھی بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ تو ایک سُنّت کا احیاء تھا۔

نمبر۶............ مگر کچھ لوگ کہیں گے: اگر سنت کا احیاء تھا تو پھر بعض دوسری روایات کے

مطابق جناب عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ تیئس (۲۳) رکعات نمازِ تراویح کیوں پڑھتے تھے جیسا کہ مؤطا امام مالک کی ہی اگلی حدیث (۲۵۰) اور اسی سند سے مروی السنن الکبریٰ للبیھقی کی روایت (۲/۴۹۶) سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ روایت یوں ہے:

((عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيْدِ بْنِ رُوْمَانَ أَنَّهُ قَالَ : كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً))

''امام مالک اپنے استاد یزید بن رُومان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتلایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ رمضان المبارک میں تیئس (۲۳) رکعات کا قیام (صلاۃ التراویح کا) کرتے تھے۔''

اس پر چند مدلّل جوابات ملاحظہ فرمائیں تاکہ حقیقت آپ پر آشکارا ہو جائے۔

۱ ..... مذکورہ بالا دونوں روایات میں امام مالک رحمہ اللہ کے استاد یزید بن رومان نے جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ وہ تو پیدا ہی ان کی خلافت کے بعد ہوئے ہیں۔ کسی اور راوی کا ذکر کیے بغیر ان کا یہ کہنا کہ: ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ رمضان المبارک میں ۲۳ رکعات کا قیام کرتے تھے.........'' ان کے اس اسلوب بیان نے روایت کو ضعیف کر دیا ہے اور اس پر محقق علماء کرام کا حکم ہے: ((اسنادہ ضعیفٌ)) [1] ''کہ اس کی سند ضعیف ہے۔''

محدث العصر فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا اس موضوع پر نہایت ہی اعلیٰ محققانہ رسالہ ''صلاۃ التراویح'' کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ: جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۳ رکعات والی جتنی بھی روایات (مؤطا امام مالک، حدیث

[1] اس پر فضیلۃ الشیخ زبیر علی زئی کی مؤطا امام مالک کی مذکور بالا حدیث: ۲۵۰ پر تخریج دیکھ لیں۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کا اس موضوع پر اس سے بھی زبردست کلام ان کے رسالہ ''صلاۃ التراویح'' ص: ۵۲ تا ۵۵ طبع المکتب الاسلامی بالبیروت) میں دیکھ لیں۔

نمبر ۲۵۰) الفریابی (۱/۷۶) البیھقی (فی السنن (۲/۴۹۶) اور المعرفه میں) مروی ہیں وہ نہایت درجہ کی ضعیف ہیں اور ناقابلِ اعتماد۔ تفصیل "صلاۃ التراویح" میں دیکھ لیں۔

ب .....اس کے مقابلے میں جنابِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت اُبی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات صلاۃ التراویح پڑھانے کا جو حکم ہے اس کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((قُلْتُ وَهٰذَا سَنَدٌ صَحِيحٌ جِدًّا ۔ فَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ يُوسُفَ شَيْخَ مَالِكٍ ثِقَةٌ اِتِّفَاقًا وَاحْتَجَّ بِهِ الشَّيْخَانِ وَالسَّائِبُ بْنُ يَزِيْدَ صَحَابِيٌّ حَجَّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ صَغِيرٌ وَمِنْ طَرِيْقِ مَالِكٍ أَخْرَجَه، اَبُو بَكْرٍ النِّيسا بُورِيُّ فِي الْفَوَائِدِ (١/١٣٥) وَالْفرِيَابِيُّ (٧٥/٢،٧٦/١) وَالْبَيْهَقِيُّ فِي "السنن الْكُبْرىٰ (٤٩٦/١) وَقَدْ تَابَعَ مَالِكًا عَلَى الْإِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَحْيىٰ بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عِنْد ابْنِ اَبِىْ شَيْبَةَ فِيْ " الْمُصَنَّفِ" (٢/٨٩/٢) وإِسْمَاعِيْلُ بْنُ اُمَيَّةَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ اِسْحَاقَ عِنْدَ النِّيْشَا بُوْرِيِّ وَإِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرَ الْمَدْنِيُّ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ فِيْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ حَجَرٍ (١/١٨٦/٤) كُلُّهُمْ قَالُوْا : عَنْ مُحَمَّد بن يُوسُفَ بِهِ اِلَّا ابْنُ اِسْحَاقَ))

"میں کہتا ہوں: یہ سند نہایت درجہ کی صحیح ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسف امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ان کو حجت مانا ہے۔ اور ان کے استاذ جناب سائب بن یزید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج ادا کیا تھا اور اس وقت

وہ چھوٹی عمر کے تھے۔ اسی طرح اس راویت کو امام مالک رحمہ اللہ والے طریق پر امام ابو بکر نیشا پوری نے الفوائد میں، امام فریابی نے، امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں بھی روایت کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی گیارہ رکعات نمازِ تراویح پر متابعت: ۱......مصنف ابن ابی شیبۃ میں یحییٰ بن سعید القطان نے، ۲......ابو بکر نیشا پوری کی الفوائد میں اسماعیل بن امیہ، جناب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے اور، ۳......صحیح ابن خزیمہ میں (علی بن حجر رحمہ اللہ کی روایت میں) اسماعیل بن جعفر المدنی رحمہ اللہ نے کی ہے۔ محمد بن اسحاق کے علاوہ ان تمام (ثقہ ترین) رواۃ نے محمد بن یوسف سے ان گیارہ رکعات والے کلمات کو روایت کیا ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہاں مؤطا امام مالک کی اس گیارہ رکعات والی حدیث پر (تمہید میں) جو یہ کہا ہے: ((وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا قَالَ فِيهِ "إِحدىٰ عَشْرَةَ" اِلَّا مَالِكًا)) یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گیارہ رکعات صلاۃ التراویح والا حکم میں امام مالک رحمہ اللہ کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں جانتا کہ اس نے ایسا بیان کیا ہو۔'' تو اس پر "تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی" میں شیخ مبارک پوری رحمہ اللہ (۲/۴۷) نے حکم لگایا ہے: ((وَهْمٌ بَاطِلٌ)) یہ ایک بالکل ہی جھوٹا گمان ہے۔

اور علامہ زرقانی، ابن عبدالبر رحمہما اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((وَقَوْلُه' اِنَّ مَالِكًا اِنْفَرَدَ بِهِ لَيْسَ كَمَا قَالَ : فَقَدْ رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُورٍ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ فَقَالَ : اِحْدىٰ عَشْرَةَ كَمَا قَالَ مَالِكٌ وَرَوَى سَعِيْدُ ابْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ عُرْوَةَ : " اَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِالرِّجَالِ وَكَانَ تَمِيْمٌ الدَّارِيُّ يُصَلِّيْ بِالنِّسَاءِ))

''اور حافظ ابن عبدالبر (رحمہ اللہ) کا یہ کہنا کہ: امام مالک اس گیارہ رکعات والی روایت میں بالکل منفرد ہیں تو جیسا انہوں نے کہا (اور "التمھید" میں لکھا) ہے ویسا نہیں ہے۔ اس بات کو سعید بن منصور نے ایک اور سند کے ساتھ محمد بن یوسف رحمہ اللہ ہی سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: ''جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں گیارہ رکعات کا ہی حکم جناب عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔'' اسی طرح سعید بن منصور رحمہ اللہ جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''بلا شبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اُبی بن کعب اور تمیم بن اوس الداري رضی اللہ عنہما پر جمع فرمایا تھا (کہ وہ انہیں گیارہ رکعات نمازِ تراویح پڑھائیں۔) چنانچہ حضرت اُبی آدمیوں کو نماز پڑھاتے اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہما عورتوں کو۔'' [1]

امام زرقانی رحمہ اللہ کی مستدل بہ روایت کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے "المصابیح" میں لکھا ہے؛ اس کی سند نہایت درجہ کی صحیح ہے۔'' [2]

ج ..... مصنف عبدالرزاق کی ایک دوسرے واسطے کے ساتھ محمد بن یوسف رحمہ اللہ کی لفظ ((اِحدٰی وَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً......)) اکیس رکعات نمازِ تراویح'' والی روایت کا انتساب جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کیا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے (گیارہ کا نہیں بلکہ) اکیس رکعات کا حکم دیا تھا تو اس پر:

1 ..... شیخ البانی رحمہ اللہ کا ''صلاۃ التراویح'' والے رسالہ میں (ص: ۴۸ پر) نہایت مدلل اور کافی وشافی جواب موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام عبدالرزاق سے اوثق محدثین

---

1 دیکھئے: شرح زرقانی جلد اول ص: ۳۶۲ کتاب الصلاۃ فی رمضان طبع دار احیاء التراث العربی

2 دیکھئے: رسالہ صلاۃ التراویح ص: ۴۷

(امام احمد بن حنبل، امام نسائی اور حافظ ابن الصلاح رحمہم اللہ جیسے محدثین عظام) کا اس پر بالتفصیل رد موجود ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی سند میں ابن خصیفه کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں: وہ منکر الحدیث ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابن خصیفه کو "المیزان: ۴/۴۳۰" میں درج کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی ایسی روایات بیان کرتا ہے جن کو ثقہ راوی بیان نہیں کرتے تو ایسا راوی جب اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے اس کی روایت شاذ ہوتی ہے جو کہ ضعیف کی اقسام سے ہے اور اصول حدیث کی رُو سے ایسی روایت رد کر دی جاتی ہے۔ ایک اور مضطرب فیہ بات یہ بھی ہے کہ ابن خصیفه کہتا ہے: ((حَسِبْتُ اَنَّ السَّائِبَ قَالَ : اَحَدٌ وَّ عِشْرُوْنَ......)) میرا گمان یہ ہے کہ سائب بن یزید نے کہا تھا؛ جن رکعات کا حکم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا وہ اکیس (۲۱) تھیں۔" یعنی راوی کو بات میں ہی شک ہے۔

۲...... مؤطا امام مالک کے شارح اور ہندوستان کے ایک مشہور حنفی عالم گیارہ رکعات کے لیے جناب عمر رضی اللہ عنہ والے حکم کی روایت پر شرح کرتے ہوئے تمام غیر ثقہ (یعنی ضعیف) روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((قُلْتُ وَيُمْكِنُ تَوْجِيْهٌ آخَرُ غَيْرَ مَا تَقَدَّمَ وَهُوَ أَنْ يُّقَالَ : اِنَّ رِوَايَةَ اِحْدٰى وَّ عِشْرِيْنَ بِاِعْتِبَارِ مَجْمُوْعِ مَا صَلَّيَاهُ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ بِاِعْتِبَارِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ، فَكَانَ يُصَلِّيْ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَشْرًا عَشْرًا ، وَالْوَاحِدُ الْوِتْرُ ، يُصَلِّيْ مَرَّةً هٰذَا وَمَرَّةً هٰذَا ، فَيَصِحُّ النِّسْبَةُ اِلَيْهِمَا مَعًا ، وَعَلٰى هٰذَا لَا يُحْتَاجُ إِلٰى وَهْمِ أَحَدٍ وَلَا يُخَالِفُ سَائِرُ الرِّوَايَاتِ الْوَارِدَةِ فِى الْبَابِ......))

"میں کہتا ہوں جو کلام پیچھے گزر چکا ہے اس کے علاوہ ایک اور توجیہ بھی ممکن ہے۔ اور وہ یہ کہ یوں کہا جائے: اکیس رکعات والی روایت من حیث المجموع (یعنی تمام

رکعات) کے ہے جو اُبی بن کعب (مردوں کو دس رکعات) پڑھاتے اور جو تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہما (عورتوں کو دس رکعات) پڑھاتے تھے۔ (یہ کل بیس رکعات ہوئیں۔) اور گیارہ رکعات ہوئیں دونوں میں سے ہر ایک کے اعتبار سے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک دس دس رکعات پڑھاتا اور ایک وتر ہوتا۔ جسے کبھی جناب اُبی پڑھاتے اور کبھی حضرتِ تمیم۔ تو یوں ان دونوں کی طرف اکٹھی (اکیس رکعات کی) نسبت صحیح ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر اس ضمن میں وارد تمام روایات کی نہ ہی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی کی طرف وہم کو منسوب کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔‘‘[1]

اللہ اکبر!

اقبال (رحمہ اللہ) کیا خوب کہہ گئے ہیں ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جب اندھی تقلید کی سیاہ عینک لگائے آدمی کسی آباد جگہ سے گزرتا ہے تو اسے چہار جانب اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے اور پھر اس نے جب کسی کی اس راہ کی طرف راہنمائی کرنا ہو تو یہی کہے گا: ’’بھائی اس راستے پر چلتے ہوئے بھول نہ جانا کہ اُوپر گھنے سیاہ بادل ضرور چھائے ہوں گے اور اندھیرا اندھیرا سا ہو گا۔‘‘ مگر قرآن وسنت والے ٹھوس علم سے منور دل رکھنے والے لوگ قیامت تک کے لیے رشد وہدایت کے لائق صرف اور صرف اپنے ہادی ومرشد اور امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان گرامی کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں:

((تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا ، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ وَمَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِمَا

---

[1] دیکھئے: موطا امام مالکؒ المحشیٰ بحاشیة کشف المغطا عن وجه الموطا ص: ۹۸ ، طبع نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی

عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ)) [1]

''میں تمہیں ایک مِلّت بیضاء پر چھوڑ کے جا رہا ہوں، اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے۔ میرے بعد تباہ و برباد ہونے والا ہی اس سے ٹیڑھ اختیار کر سکے گا۔ اور تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ (اُمت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ تو اس عالم میں تم پر لازم ہے کہ میری سُنّت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا جو طریقہ تمہیں معلوم ہو جائے اسے لازم پکڑ لو۔''

گویا:......ع

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

کچھ ایسی ہی فاسد تاویلوں کا چکر دینے والے فلسفی اور منطقی مولویوں نے سیدھے سادھے عامۃ الناس کو نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کے دین سے کوسوں دور کر رکھا ہے۔

نمبر۷...........شاید کچھ لوگ یہ بھی کہیں کہ: نمازِ تراویح کی بیس رکعات کا ثبوت تو نبی کریم ﷺ کے اپنے عمل سے بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حدیث کی (فٹ نوٹ پر درج [2] کتب میں موجود ہے۔ تم اس ''مسنون عمل'' کا انکار کیسے کر سکتے ہو؟ تو اس ضمن میں ہم بتوفیق ربنا العزیز الحکیم یوں عرض کریں گے:

((وَأَمَّا مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ (رضي الله عنهما) : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

---

1. عن العرباض بن سارية رضي الله عنه فی مسند احمد : ۱۲٦/٤، قال الالبانی رحمه الله وسنده صحیح وصححه جماعة ، انظر: مشکوٰة المصابیح حدیث: ١٦٥

2. دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبه : ۲/۹۰/۲ ②...... عبد بن حمید کی المنتخب من المسند : ۱/٤۳-۲ ③...... المعجم الکبیر للطبرانی : ۲/۱٤۸/۳ ④...... الاوسط ⑤......السنن الکبریٰ للبیهقی : ٤۹٦/۲ سب نے عن ابی شیبۃ ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن بن عباس مرفوعاً روایت کیا ہے۔

وَالْوِتْرَ ، فَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ وَقَدْ عَارَضَهُ حَدِيثُ عَائِشَةَ (رضی اللہ عنہا) هٰذَا الَّذِيْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مَعَ كَوْنِهَا أَعْلَمُ بِحَالِ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلًا مِنْ غَيْرِهَا)) [1]

''اور جو ابن ابی شیبہ نے (مصنف میں) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ رمضان میں وتر سمیت اکیس رکعات نماز (تراویح) پڑھا کرتے تھے۔ تو اس کی اسناد ضعیف ہیں اور اس سے صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث (کہ نبی ﷺ رمضان میں گیارہ رکعات (نمازِ تراویح) پڑھا کرتے تھے) معارض ہے۔ اس لیے کہ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بوقتِ شب نبی کریم ﷺ کی حالت کو اوروں کی نسبت زیادہ بہتر جانتی تھیں۔''

یہی بات حافظ زیلعی نے ''نصب الرایة'' (۱۵۳/۲) میں کہی ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ ''الحاوی للفتاویٰ'' (۷۳/۲) میں لکھتے ہیں: ((وحديثُ ابنِ عباسَ هذا ضعيفٌ جدًّا)) اور اس کی علت (یعنی ضعیف ہونے کا سبب) راوی حدیث ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوشیبہ کو ''تقریب التھذیب'' میں متروک الحدیث لکھا ہے۔ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ''صلاۃ التراویح'' (کے ص:۱۹) میں لکھتے ہیں: مذکور بالا حدیث کی تحقیق کے لیے میں نے (پیچھے حاشیہ میں درج کیے گئے) تمام مصادر کی خوب دقیق نظر سے متابعت کی مگر ہر جگہ ایک یہی ''ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان'' اس حدیث کا راوی پایا۔'' یہی بات امام طبرانی رحمہ اللہ نے کہی ہے: ((لا یروی عن ابن عباس الا بھذا الاسناد)) یہ حدیث صرف اسی سند کے ساتھ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جارہی ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((تفرد به ابو شيبة وهو ضعيفٌ......)) اس سند

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری للحافظ ابن حجر رحمه الله : ٢٠٥/٤ تحت شرح حدیث ابی سلمه عبدالرحمن انه سأل عائشةَ رضی اللہ عنہا كيف كانتْ صلاةُ الرّسُولِ ﷺ فی رمضان؟

میں ابو شیبہ منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔" الھیثمی اپنی کتاب "المجمع" (۱۷۲/۳) میں اسے ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ ابن معین اسے "لیس بثقة" کہتے ہیں۔ "الفقیه ابن حجر الھیتمی الفتاویٰ الکبریٰ" (۱۹۵/۱) میں مذکور بالا حدیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((فھو شدید الضعف ...... انه یروی الموضوعات کحدیث " ما ھلکت امة الا فی آذار ولا تقوم الساعة الاّ فی آذار۔" وأن حدیثه ھذا الذی فِی التراویح من جملة مناکیره......))

"یہ حدیث ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے شدید ضعیف ہے۔ وہ تو موضوع احادیث کو بھی روایت کر جاتا ہے۔ جیسے اس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر (تباہ ہونے والی سابقہ) اُمت مارچ کے مہینے میں ہلاک ہوئی اور قیامت مارچ کے مہینے میں قائم ہوگی۔" اور بلا شبہ تراویح کے بارے میں اس کی یہ روایت اس کی تمام منکر روایات میں سے ایک ہے۔"

علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ نے فتح القدیر (جلد اوّل ص:۳۳۳ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ ابو شیبہ والی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کی معارض ہے اس لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے "عمدة القاری (طبع مصر ص: ۳۵۹ جلد نمبر ۵ پر بھی یہی لکھا ہے۔ "اَوْجَزُ الْمَسالِكِ اِلیٰ مُوْطا مَالِكِ")(طبع دار الکتب العلمیه المجلد الثانی ص: ۳۹۱) میں مولوی محمد زکریا کاندھلوی لکھتے ہیں:

((قُلْتُ: لَا شَكَّ فِی أَنَّ تَحْدِیْدَ التَّراوِیحَ فِیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً لَمْ یَثْبُتْ مَرْفُوْعًا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ بِطَرِیْقٍ صَحِیْحٍ عَلیٰ أُصُوْلِ الْمُحَدِّثِیْنَ، وَمَا وَرَدَ فِیْهِ مِنْ رِوَایَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَکَلَّمٌ فِیْهَا عَلَی أُصُوْلِهِمْ))

''اس میں کوئی شک نہیں کہ محدثین (عظام وکرام رحمہم اللہ اجمعین) کے اصول پر صحیح سند کے ساتھ نبی ﷺ سے نمازِ تراویح کی بیس رکعات کی تحدید وتعیین مرفوعاً ثابت نہیں ہے۔ اور اس بارے میں جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک راویت مروی ہے، محدثین کے اصول پر وہ متکلم فیہ یعنی اس میں کلام ہے۔''

مگر اس اعترافِ حقیقت کے باوجود مولوی صاحب کی اپنی متعصبانہ ضد کا حال تو ذرا دیکھئے آگے لکھتے ہیں: ((لکن مع هذا ؛ لا يُمكنُ الانكارُ عن ثبوته بفعلِ عُمَر و سُكوتِ الصَّحابةِ عَلى ذلك ....)) لیکن اس کے باوجود (یعنی اگرچہ بیس رکعات تراویح کا ثبوت نہ ہی نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے اور نہ ہی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے اور صحابہ کرام کے اس عمل پر سکوت سے اس کے (بیس رکعات پر) ثبوت سے انکار ممکن نہیں ہے۔''

جبکہ طوالت کے حذر سے کہ یہاں ہمارا یہ موضوع نہیں ہے،[1] بالاختصار ہم اس کا ایک مدلل جواب پیچھے نقل کر چکے ہیں۔ اندازہ کیجئے! تقلیدی تعصب اور جمودِ فہم آدمی کو حق بات روشن ہونے کے باوجود کس قدر ضدی بنا دیتا ہے۔

(العياذُ بِاللّٰه . اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقنَا اِتِّبَاعَه)

صلاة التراويح کے موضوع پر ہندوستان کے بہت بڑے عالم دین استاذ العلماء حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''مستطاب انوار المصابیح'' کا مطالعہ کر لیجئے۔ اس قدر جامع اور مدلل کتاب ہے کہ اب اس کی نظیر ممکن نہیں۔



[1] اور تفصیل ہماری تصنیف ''قولِ ثابت اُردو شرح موطا امام مالک'' میں حدیث: ۲۴۹ کے فوائد میں دیکھ لیں۔

قرآن مجید کی تدوین

((عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ:أَخْبَرَنِيا بْنُ السَّبّاقِ،أَنَّ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ مِمَّنْ يَكْتُبُ الْوَحْيَ، قَالَ ؛ اَرْسَلَ إِلَيَّ اَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ اَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَه‘ عُمَرُ ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ؛ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِيْ فَقَالَ؛ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِاسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ وَإِنِّى اَخْشَى اَنْ يَّسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي الْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْقُرآنِ اِلَّا اَنْ تَجْمَعُوهُ وَاِنِّىْ لَأَرَى اَنْ تَجمَعَ الْقُرآنَ۔ قَالَ اَبُوبَكْرٍ؛ قُلْتُ لِعُمَرَ، كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ؟ فَقَالَ عُمَرُ ؛ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِىْ فِيْهِ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ لِذٰلِكَ صَدْرِىْ وَرَأَيْتُ الَّذِىْ رَأٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ : وَعُمَرُ عِنْدَه‘ جَالِسٌ لَا يَتَكَلَّمُ ،فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ:إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ وَلَا نَتَّهِمُكَ ،كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ۔ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفَنِىْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَاكَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِي بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرآنِ۔ قُلْتُ ؛كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ ؟ فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ؛هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ ، فَلَمْ اَزَلْ اُرَاجِعُه‘ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِىْ شَرَحَ اللّٰهُ لَه‘ صَدْرَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ۔فَقُمْتُ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرآنَ اَجْمَعُه‘ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْاَكْتَافِ وَالْعُسُبِ [وَاللِّخَافِ] وَ صُدُورِالرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ آخِرَ

سُوْرَةِ التَّوبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ أَبِيْ خُزَيْمَةِ الْاَنْصَارِيِّ لَمْ اَجِدْ هَا مَعَ اَحَدٍ غَيْرِهٖ...... ﴿ لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ..... إِلٰى..... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ ﴾[سورة التوبه:۱۲۸-۱۲۹] وَكَانَتِ الصُّحُفُ الَّتِيْ جُمِعَ فِيْهَا الْقُرآنُ عِنْدَ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى توفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ،ثُمَّ عِنْدَ (اُمِّ الْمُؤمِنِيْنَ)حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ))[1]

امام زہری اپنے استاذ عبید اللہ بن سباق رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اثر صحابیِ رسول زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔حضرت زید رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبِ وحی تھے،بیان کرتے ہیں:''جب (۱۱ہجری میں مسیلمہ کذاب کے خلاف، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں)یمامہ کے مقام پرلڑی جانے والی جنگ میں بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تو مجھے خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا بھیجا۔(میں پہنچا تو)ان کے پاس(اس وقت)حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگِ یمامہ میں بہت زیادہ مسلمان شہید ہوگئے ہیں اور میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ(کفار و مشرکین کے ساتھ)لڑائیوں میں مختلف مقامات پر قرآن کے حفاظ و قراء اور علماء شہید ہوتے چلے جائیں گے اور اس طرح قرآن کا بہت سارا حصہ کہیں ضائع نہ ہوجائے۔ اب کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ آپ قرآن کو مدون کروادیں اور میری تو یہ رائے ہے کہ آپ ضرور قرآن کو(مرتب کرواتے ہوئے)جمع کروادیں۔''

ابوبکر فرمانے لگے:''اس پر میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کہا:ایسا کام میں

---

[1] صحيح البخاري/كتاب التفسير ، حديث : ٤٦٧٩، كتاب فضائل القرآن ، حديث : ٤٩٨٦، كتاب الاحكام ، حديث : ٧١٩١

کیسے کر سکتا ہوں جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ تو عمر کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ تو محض ایک نیک کام ہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس معاملہ پر بار بار بات کرتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔''

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے (مگر خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احترام میں اور تائیداً) بات نہیں کر رہے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: زید! تم جواں ہمت، سمجھ دار، دانا، (سوء حفظ کے معاملے میں) شبہات سے پاک آدمی ہو اور یہ کہ تم نبی ﷺ کی وحی لکھا بھی کرتے تھے۔ اس لیے (یہ کام تم ہی کرو اور) تم ہی قرآن مجید کو جا بجا سے تلاش کر کے اسے جمع کر دو۔ (حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے کوئی پہاڑ اٹھا کر کہیں منتقل کرنے کے لیے کہتے تو یہ کام میرے لیے اتنا ثقیل نہ ہوتا جتنا بھاری قرآن کی ترتیب کا حکم تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ دونوں ایک ایسے کام پر کیسے تیار ہو گئے جسے خود نبی ﷺ نے سرانجام نہیں دیا؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! یہ ایک نیک کام ہے۔'' چنانچہ میں بھی ان سے گفتگو کرتا ہی رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لیے میرا بھی سینہ کھول دیا جیسے اس نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا کھولا تھا۔ پھر میں (نے کمر ہمت باندھ لی اور اس عملِ خیر کے لیے) اٹھ کھڑا ہوا۔ پس میں نے (مختلف لوگوں اور مختلف مقامات سے) قرآن کو چمڑے کے ٹکڑوں، (اس کام کے لیے استعمال کی جانے والی) ہڈیوں، کھجور کی شاخوں (سے بنائے گئے گتوں اور ورقوں) ،سفید قسم کے باریک پتھروں سے (کہ جن پر اس دور کی ترویج کے مطابق قرآن لکھا ہوا تھا) اور (حفاظ قرآن کے حافظہ سے مدد لیتے ہوئے ان) لوگوں کے سینوں سے

قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا۔حتیٰ کہ سورۃ التوبہ کی آخری دو آیات: ﴿ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ــــ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ٥ ﴾ تک مجھے ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملیں۔ پھر وہ مصحف کہ جس میں قرآن جمع کیا گیا تھا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور جب آپ رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو گئے تو آپ کی بیٹی ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل ہو گیا۔ (اور یہی وہ مصحف ہے جو آج دنیا میں موجود ہے۔)"

اس امر واقع کو سامنے رکھتے ہوئے کیا کوئی شخص یہ بات کہہ سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اول خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق، خلیفۃ المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب اور کاتب وحی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین نے کوئی بدعت کا کام کیا تھا کہ جس پر آج تک امت اسلامیہ عمل پیرا ہوتی چلی آ رہی ہے؟ اور قیامت تک ہوتی رہے گی؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ ایسے معاملات ان امور میں شامل ہیں جنہیں اہل اُصول اپنی خاص اصطلاح میں "مصالح مرسلہ" گردانتے ہیں اور ان کا اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دے رکھا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ٥ ﴾

[سورۃ النساء آیت : ٥٩]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے اصحابِ حکم (امراء اور صاحبِ ایمان مسلمان حکام) کا بھی حکم مانو، پھر اگر تم میں باہم اختلاف واقع ہو جائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ

تمہارے حق میں بہتر اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔"

اس ضمن میں جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا تعلق ہے تو درج ذیل حدیث پر غور فرمائیں:

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ ، فَقَالَ رَجُلٌ ؛ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَأَنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَا ذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا ؟ فَقَالَ: " تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا ، لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ ، أُوصِيكُم بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ (كَانَ) عَبْدًا حَبَشِيًّا ، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))[1]

"سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نے ہمیں (فجر کی) نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور آپ ﷺ نے ہمیں نہایت مؤثر وعظ فرمایا کہ جس سے آنکھیں اشکبار ہو کر بہنے لگیں اور دل خوف زدہ ہو گئے (اللہ کی پکڑ سے ڈر گئے) ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) یہ تو الوداعی وعظ و خطاب معلوم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ ہم سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں؟ فرمایا: "میں تمہیں ایک بالکل سفید (واضح اور روشن) شریعت پر چھوڑ رہا ہوں، اس کی رات بھی اس کے دن

---

[1] مسند احمد: ۱۲۷/۴ و سنن ابی داؤد /کتاب السنہ، حدیث : ۴۶۰۷ و قال الشیخ الالبانی رحمہ اللہ في حاشية مشكوٰة على حديث رقم ١٦٣ : سندهٗ صحيحٌ

کی طرح (واضح) ہے۔ میرے بعد اس سے صرف ہلاک ہونے والا ہی کج روی اختیار کرے گا۔ میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اپنے امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی۔ اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ (امت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری اور خلفائے راشدین، جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت (منہج اور طریق عمل) کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور مضبوطی سے اس پر عمل پیرا رہنا۔ خود کو (دین میں) نکالے گئے نئے کاموں سے بچاؤ۔ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''



مقامِ ابراہیم کا بیت اللہ سے پیچھے ہٹانا

سنن الکبریٰ للبیہقی میں ثقہ راویوں والی ایک سند کے ساتھ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ (فتح مکہ کے بعد) اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مقامِ ابراہیم بیت اللہ الحرام کے ساتھ لگا ہوا رہا۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے اس کو پیچھے ہٹا دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: صحابہ کرام نے اس عمل پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم اجمعین کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی ان کے بعد آنے والوں نے۔ چنانچہ اس پر امت کا اجماع ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخصیت بھی ہیں کہ جنہوں نے اس (مقامِ ابراہیم) پر مقصورہ بنا لیا جو آج تک موجود ہے۔

پہلی احادیث کی طرح اس حدیث کا حوالہ بھی غلط دیا جاتا ہے۔ ایسا جان بوجھ کر کیا جاتا ہے یا بغض وعناد کی بنا پر۔ مقام ابراہیم کے حوالے سے درحقیقت بات یہ ہے کہ اسلام سے پہلے قریشِ مکہ نے (نبی ﷺ کے بچپن میں بیت اللہ کی تعمیر کے وقت) اسے اس کی اپنی جگہ سے ہٹا کر بیت اللہ کے ساتھ لگا دیا تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو نبی ﷺ نے چاہا کہ اسے اس کی اصلی جگہ پر کہ جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے چھوڑا تھا۔ واپس لوٹا دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر ایک فتنے کا خدشہ بھی تھا کہ جس سے نقصان کا امکان تھا۔ کیونکہ قریش نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور وہ ابھی تک اسلام پر پختہ نہ تھے۔ اس بات کی وضاحت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے خوب فرما دی ہے۔ ان کی اس وضاحت کے لیے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب اعلام الموقعین (جلد نمبر ۳، ص: ۴) کا مطالعہ کر لیجئے!

اس لیے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقامِ ابراہیم کو واپس اسی جگہ

لانے کی جسارت کیوں کی تھی جہاں پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے نصب کیا تھا؟

محترم قارئین! یہ دراصل اس خواہش کی تکمیل تھی جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔ (چنانچہ نبی ﷺ کی طرف سے دیے گئے اس کام کو کرنا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اور بھی زیادہ قابل عمل ہو چکا تھا کیونکہ قریش اب اسلام پر نئے نہ رہے تھے اور فتنے کا کوئی ڈر نہ تھا۔ ان ساری وضاحتوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی طرف سے اس کام کی تائید میں متفق علیہ ردعمل سے بدعتِ حسنہ کا نظریہ پیش کرنے والوں کے لیے ذرہ برابر بھی گواہی اور تائید نہیں ملتی۔

جمعہ والے دن پہلی اذان کا اضافہ

((عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ: كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُه اِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رضي الله عنه وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَآءِ)) [1]

"حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما (تینوں) کے دور میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت دی جاتی تھی جب امام منبر پر (خطبہ کے لیے) بیٹھتا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے (مدینے کے بازار میں مقام) زوراء پر (مذکورہ بالا پہلی اذان اور جماعت کے لیے تکبیر، دونوں سے پہلے) تیسری اذان کا اضافہ کروادیا۔" [صحابہ کرام اقامت کو بھی اذان کا نام دے لیا کرتے تھے۔ اس لیے حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے بوقت خطبہ اذان اور بوقتِ اقامتِ جماعت تکبیر کو دو اذانیں شمار کر کے ان دونوں سے قبل شروع ہونے والی اذان کو تیسری اذان کہا

[1] صحیح البخاری / کتاب الجمعة ، حدیث : ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۶

ہے کیونکہ وہ دونوں تو پہلے سے ہی درحقیقت دی جارہی تھیں۔

ان معلومات کے پر اثر حصے نے "بدعتِ حسنہ" کے حمائتیوں اور اس پر ایمان رکھنے والوں کی نظریاتی بنیاد کو رد کر کے رکھ دیا ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے (تکبیر اقامت سمیت) تیسری اذان کا اضافہ مدینہ منورہ کے بازار میں زوراء کے مقام پر جمعہ والے دن تب کروایا تھا جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ تاکہ وہ مسلمان جو مسجد کے گرد و نواح میں نہیں (بلکہ دور) رہتے تھے، جان سکیں کہ جمعہ کا وقت قریب ہوا چاہتا ہے۔ یہ اس وقت ضروری ہوا جب امت کی کثرت ہوگئی اور اس وقت لاؤڈ سپیکر بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ یہ تو تقریباً سو سال پہلے وجود میں آئے ہیں۔ اور پھر جب یہ آلہ ایجاد ہو گیا اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ذریعے انسانی آواز کو دور تک پہنچانا آسان ہو گیا تو علماء امت نے اجتہاد کے ساتھ اس بات کی اجازت دے دی کہ ان علاقوں میں جہاں دیگر جدید سہولتیں مہیا نہ ہوں (جیسے گھڑیاں وغیرہ) اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو یا بکھری ہوئی ہو تو وہاں خطبہ والی اذان سے پہلے والی اذان کہہ لی جائے بصورت دیگر ضرورت نہیں رہی۔ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ والا یہ عمل بدعت نہ تھا بلکہ ''مصالح مرسلہ'' کے تحت وقت کی ایک ضرورت تھی جس پر خلیفۂ وقت نے عمل جاری کروا دیا اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سمیت بعد والے بھی اس پر عمل کرتے رہے۔

نتیجہ اور خاتمہ بحث

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ))[1]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں از خود کوئی ایسا کام جاری کیا جو اس میں نہیں تھا تو وہ رد کر دیا جائے گا۔''

[1] صحيح البخاري/كتاب الصلح، حديث : ٢٦٩٧۔

صحیح مسلم، حدیث: ۴۴۹۳ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی روایت میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ......)) ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہ تھا تو وہ مردود ہوگا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صاف بتلا دیا ہے کہ دینِ اسلام میں ہر عمل کی منظوری قرآن حکیم اور نبی مکرم ﷺ کی سنت سے لینا ہوگی۔ اس لیے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور کسی بھی نئے عمل کی ایجاد جائز نہیں۔ نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کچھ خارج کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط ﴾ [سورة المائده آيت نمبر : ۳]

''(مسلمانو!) آج (۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو) میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ (عقیدۂ توحید اور دین اسلام والی) اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ کی ایک صحیح الاسناد روایت ھارون بن عنترہ عن ابیہ نقل کی ہے کہ: ''جب یہ آیت (حجۃ الوداع کے موقع پر یوم عرفہ کو اونٹنی پر سواری کی حالت میں نبی ﷺ پر) نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''عمر! کس چیز نے تمہیں رلا دیا؟ کہا: مجھے اس چیز نے رُلا دیا کہ (جبریل وحی لے کر آیا کرتے تھے، اللہ کی رحمتیں اترا کرتی تھیں اور) ہم تو اپنے دین کے بڑھنے میں تھے۔ (اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔) مگر جب مکمل ہو گیا تو (یہ بات معلوم ہے کہ) ہر چیز اپنی تکمیل کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ (رونا مجھے اس بات پر آیا ہے) نبی ﷺ نے فرمایا: ''عمر! تم نے سچ کہا۔''[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر عربی جلد دوم ص: ۱٤

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ غَرِيْبًا، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ)) [1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسلام اجنبی شروع ہوا تھا، اور (قرب قیامت میں) پھر ایسے ہی لوٹ آئے گا جیسے اجنبی شروع ہوا تھا۔ تو خوشخبری (خوشی اور جنت) ہے ان (اسلام پر پابند ہر دور کے مسلمان) اجنبیوں کے لیے۔"

نبی ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ابتدائے اسلام (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلے ۱۸ سالوں) میں اسلام پر عمل کرنے والا مومن آدمی اپنے معاشرے میں ایک اجنبی مسافر کی طرح بیگانہ سا لگتا تھا اسی طرح آخر زمانہ میں بھی ہوگا۔ بدعات وخرافات مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کی طرح اتنی عام ہو جائیں گی کہ صحیح طور پر قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے والا مسلمان اپنے ہی مسلم معاشرے میں اجنبی دکھائی دینے لگے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں آج کے دور میں صحیح طور پر قرآن وسنت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس سے ہمارا ایمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم)

اسی موضوع سے متعلق نبی کریم ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ملاحظہ ہو۔ فرمایا:

((اِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ فِي الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَيَرْجِعُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ)) [2]

---

1. صحیح مسلم/ کتاب الایمان، حدیث: ۳۷۲
2. جامع الترمذی/ کتاب الایمان، حدیث: ۲۶۳۱، قال الامام ابو عیسیٰ الترمذی، هٰذا حدیث حسن صحیح

''بلا شبہ دین اسلام (قرب قیامت میں چاروں اطراف سے) سمٹ کر حجاز کی طرف یوں آ جائے گا جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں چلا جاتا ہے۔ اور دین ملکِ حجاز سے یوں بندھ جائے گا جیسے پہاڑی بکری کا پہاڑ کی چوٹی سے بندھ جانا ہوتا ہے۔ بلاشبہ دین (اسلام) اجنبی شروع ہوا تھا اور پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ تو خوشخبری ہو (خوشی اور جنت کی) ایسے دین پر عمل پیرا (پکے عقیدے اور عمل والے) اہلِ ایمان اجنبیوں کے لیے (جو قرآن وسنت پر عمل کی وجہ سے اپنے ہی معاشروں میں بیگانے سے لگتے ہیں اور) وہ جو میرے بعد میری سنت کو سدھاریں گے (عمل کے ذریعے) کہ جب لوگ (اسے بدعات کے ساتھ) بگاڑیں گے۔''

اللہ رب العالمین کا حکم بھی تو یہی ہے:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ [سورة الحشر : ۷]

''(مسلمانو!) جو حکم پیغمبر علیہ السلام تمہیں دیں اس پر عمل کرو اور جس کام سے منع کریں، اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (اگر تم نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی تو جان لو) بلاشبہ اللہ ذوالجلال سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔ جب کہ نبی ﷺ نے اپنی ذمہ داری پوری طرح سے ادا کر دی ہے اور اپنے مالک کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں حق ادا کر دیا ہے۔ جہنم کی آگ سے بچنے اور جنت کے حصول میں وہ ساری باتیں جو ان کی امت کے لیے ضروری تھیں ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکشاف کر دیا ہے۔ اس معاملے میں نہ ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو غلطی سے چھپایا ہے اور نہ جان بوجھ کر۔ چنانچہ اس بات کی گواہی اللہ نے خود دے دی ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ۝ فَأَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [سورة التكوير : ٢٤ تا ٢٧]

''اور وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) پوشیدہ باتوں (جو وحی کے ذریعے انہیں معلوم ہوتی ہیں) میں بخیل (متّهم بالخيانة) نہیں ہیں۔ (کہ انہوں نے کچھ چھپا لیا ہو۔) اور نہ ہی وہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام ہے۔ تم لوگ کدھر بہکے جا رہے ہو۔ یہ تو سارے جہاں کے تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔''

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُم بِهِ وَلَا شَيْءٌ مِمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ))[1]

''میں نے کسی ایسی بات کو نہیں چھوڑا کہ جس کا اللہ نے حکم دیا ہو مگر یہ کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جس سے اللہ نے منع کیا ہو مگر یہ کہ میں نے اس سے ضرور تمہیں روک دیا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

((إِنِّي قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ))[2]

''بلا شبہ میں نے تمہیں ایک سفید روشن شریعت پر چھوڑا ہے۔ (جو بالکل واضح ہے۔) اس کی رات اس کے دن کی طرح ہے۔'' (کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہی۔) میرے بعد اس سے صرف تباہ و برباد ہونے والا شخص ہی منہ موڑے گا۔''

اور اللہ فرماتے ہیں:

---

1. اخرجه الشافعي في مسنده : ١٤/١ والطبراني وصححه اللالباني بمجموع طرقه وانظر ثنيه اولى الابصارى للشيخ صالح بن سعد السحيمي ص: ١٨
2. صحيح ابن ماجه للالبانيؒ : ٦/١ وقال : حسنٌ

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [سورة الحجر : ٩]

"بلاشبہ اس قرآن (وسنت والے نصیحت بھرے دین) کو ہم ہی نے اتارا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

چنانچہ بے شمار دفاتر بھرے پڑے ہیں اس بات سے کہ صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید ہی نہیں بلکہ نبی مکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ بھی ثقہ اسناد کے ساتھ، آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود بالکل محفوظ اور گلاب کے پھولوں کی طرح بالکل تر وتازہ ہیں۔



بدعات کے درپردہ اسباب

مبتدعین کے لیے بدعت کے پس پردہ مختلف اسباب ہیں۔ ذیل کی سطور میں ان کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا ہے۔

۱ حامیان ومریدین کی اندھی پابندی

ایجاد بدعت کی مہربانی کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ کہ جس کی مسلم عوام کی طرف سے دلیل دی جاسکتی ہے وہ کسی ایک فرد یا گروہ کی اندھی تقلید ہے۔ اس لیے آپ بہت سارے مقلدین ومریدین کو اپنے شیخ یا امام کی بات بغیر تصدیق کیے نقل کرتے ہوئے پائیں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک شخص کو (میدانِ قتال میں پتھر لگنے سے) زخم آ گیا، پھر اسے احتلام بھی ہو گیا۔ تو اسے (تیمم کا مسئلہ پوچھنے پر کم علم ساتھیوں کی طرف سے) نہانے کا حکم دیا گیا۔ (کہنے لگے: جب پانی ہے تو پھر تیمم کیسا؟) اس نے نہا لیا، جس سے وہ فوت ہو گیا۔ اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ انہیں ہلاک کرے، انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

کیا لاعلمی (جہالت) کا علاج پوچھ لینا نہیں تھا؟'' (دوسری روایت میں فرمایا کہ: ''اس شخص کے لیے کافی تھا زخم پر کپڑا باندھ لیتا، اس پر تیمم کر کے باقی جسم کو دھو لیتا۔'' [1]

لوگ اس مرض میں بہت زیادہ حد تک مبتلا ہو چکے ہیں۔ انہیں اس بات کا ادراک ہی نہیں رہا کہ درحقیقت وہ اس اصول وقوانین والی شریعت میں حصہ داری کر رہے ہیں جو اللہ

[1] سنن ابی داؤد / کتاب الطهارة، حديث: ٣٣٦، ٣٣٧

تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے دی ہی نہیں۔ (یعنی کسی فرد یا گروہ کا اپنا بنایا ہوا کوئی دین ہے۔) اور تا ہنوز وہ اس سے اپنی گلو خلاصی کروا نہیں سکے۔

۲ جہالت اور لاعلمی

ایک دوسرا بڑا سبب کہ جو اندھی تقلید کرنے والے کو بڑی جلدی بدعت پر عمل کرنے کے لیے تیار کر لیتا ہے۔ وہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے دین (قرآن وسنت) سے لاعلم ہونا اور جہالت ہے۔ اس معاملے میں لوگ اس حد تک کاہل اور آرام پرست ہو گئے ہیں کہ انہیں جب اپنے کوئی دینی امور پیش آتے ہیں تو وہ انہیں بخوشی جاہلوں کے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں۔ اور کسی موضوع پر علم وتحقیق میں وقت لگانے کی بجائے (کم از کم اس قدر کہ ان محقق علماء کی جستجو کی جائے جو صحیح علم کی بنیاد پر سیدھی راہ پر ہوں۔) وہ اپنا معاملہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتے ہیں جو انہیں ایک ایسی رائے دے دیتا ہے جس کی خواہش ان کے دل (پہلے سے ہی) کر رہے ہوتے ہیں۔ (یعنی انہیں اس سے اپنی مرضی کا فتویٰ مل جاتا ہے اور وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ لاٹھی بھی بچ گئی اور سانپ بھی مر گیا۔) یہی سبب ہے، جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دین میں نکالے گئے ایک نئے کام میں شرکت کیوں کی؟ یا وہ اس کے حصے دار کیوں بنے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اس ''بدعت حسنہ'' کے ساتھ میرا تعلق میرے شیخ ومرشد کے ذریعے جوڑا گیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے پیر ومرشد کی بات تو نہیں ٹھکرا سکتے ناں! میرے بھائیو! یہ جہالت کی انتہا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اپنی بات کو جاری رکھیں، اس بات پر زور دینا نہایت ضروری ہے کہ دینِ اسلام کے آئمہ تفقہ فی الدین کے ذریعے، سنت کے امام تھے۔ (جیسے کہ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام محمد بن ادریس الشافعی اور امام أحمد بن حنبل رحمهم الله اجمعين) جنہوں نے قبول کرنے کے اعتبار سے مستند سنت کو ہی قابل اطاعت وفرمانبرداری مانا ہے۔ اور ان کا ایک بیان بھی اس کے برعکس نہیں ہے۔ ہمارے اس بیان کی تائید میں ان کے کچھ

الفاظ آگے چل کر نقل کر دیے جائیں گے ان شاء اللہ۔ اور وہ ان غلطیوں سے بالکل بری الذمہ ہیں کہ ان کے نام پر جو ان کے متبعین کرتے ہیں۔ دینِ اسلام کے کبار محقق علماء کرام نے ان کی اعلیٰ صلاحیت ولیاقت اور وجاہت کو تھاما (اور ان کے مشن کو آگے بڑھایا) کیونکہ وہ سنت کے حامی و ناصر اور اس کی اشاعت کرنے والے تھے۔ کوئی بھی آدمی جو انہیں برا بھلا کہے (گالیاں دے) سمجھئے کہ وہ غلطی اور گمراہی میں گھر چکا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو کوئی آدمی اس کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یقیناً وہ انسان تھے اور بتقاضائے بشریت ان سے غلطی کا امکان تھا۔ بلکہ جو مسائل آج کل بیان کیے جاتے ہیں وہ تو زیادہ تر ان کی طرف صرف منسوب کیے ہوئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

فِدا ہوں ہادیانِ دین وملت کے نشانوں پر پرستش میں مگر، تقلید ابراہیمؑ کرتا ہوں
فروغِ روئے انسانی بھی ہے اور شمس تاباں بھی مگر میں لَا أُحِبُّ الْآفِلِيْنَ تعلیم کرتا ہوں

۳۔ خواہشات کی پیروی

یہ ایک تیسرا سبب ہے جو آدمیوں کو سنت کے چھوڑ بیٹھنے پر تیار کرتا ہے۔ اور وہ بدعت میں شریک ہو کر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ کسی آدمی کا اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے انفرادی طور پر سنت سے ہٹ کر بدعت کے کاموں میں شرکت کرنے کی خاطر شیطان ایسا راستہ تلاش کرنے میں اس کی راہنمائی کرتا ہے جو اسے ''سبز روشنی'' دکھا دیتا ہے اور وہ آسانی کے ساتھ اپنی خواہشات کی پیروی میں بدعات کے راستے پر چل کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ ﴾ [سورة القصص: ٥٠]

''(اے ہمارے نبی!) پس اگر وہ لوگ تیری بات کو قبول نہ کریں تو جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اپنی خواہش کی پیروی اللہ کی ہدایت و راہنمائی کے بغیر کرتا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف، ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ آدمی ایسے لوگوں کا ساتھ دینے سے انحراف کرے جو نبی مکرم ﷺ کی سنت سے مقابلہ و محاکمہ کرتے ہوں۔ یہ علماءِ حق کی رائے اور اس پر ان کا عمل بھی تھا۔ حضرت فضیل بن ایاد رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:

''(دین پر پختگی اور علم میں گہرائی کے اعتبار سے) میری بہترین لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ سب کے سب اہلِ سنت تھے۔ انہوں نے ہمیں اہلِ بدعت سے میل ملاقات سے سختی سے منع کیا۔''

یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہم ان سے سیکھنے میں اپنا قیمتی وقت لگائیں جو حقیقتاً علماء ہیں اور ہر اس بات کو جو ہمارے دین سے متعلق ہو لفظ بلفظ نہ سہی مستند حوالہ جات کے ساتھ اسے قبول کرتے ہوئے یاد کرنے کے لیے مستعد ہو جائیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی بھی معاملہ بظاہر کتنا ہی پارسائی والا کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، ہمیں اس کے افعال و مقاصد پر گہری نظر ضرور رکھنی چاہئے۔ دیکھنا چاہئے! کیا اس کے مقاصد میں اللہ کو راضی کرنا بھی شامل ہے؟ کیا اس کے پیچھے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی تحقیق بھی ہے؟ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک معاملہ بھی ادھورا ہو تو سمجھ لیں کہ یہاں پر نبی ﷺ کی سنت کا بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ جو ان لوگوں کی طرف سے کیا جا رہا ہو گا جنہوں نے اسے پیش کیا ہو۔ اپنے وقت پر مستعدی کے ساتھ ہی یہ ممکن ہو سکے گا کہ ہم (علم و مطالعہ کے ذریعے) بدعت کو سنت سے پہچاننے کے قابل ہو جائیں۔

امام سیوطی بیان کرتے ہیں کہ اللیث بن سعد رحمہم اللہ فرماتے تھے: اگر میں کسی بدعتی

آدمی کو پانی پر چلتا ہوا دیکھوں تو بھی میں اس سے دینی امور ہرگز نہ لوں۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: اللیث رحمہ اللہ نے انہی الفاظ پر اکتفا کرلیا۔ اگر میں ایسے آدمی کو فضا میں اڑتا ہوا بھی دیکھوں تب بھی اس سے کچھ قبول نہ کروں۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [سورة الاعراف : ٣]

''(لوگو!) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتارا گیا ہے (یعنی قرآن و حدیث والا دین) اس کی پیروی کرو۔ اور اس (اللہ تعالیٰ یا قرآن و حدیث والے دین) کے سوا دوسرے رفیقوں (جعلی قسم کے اولیاء) کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور قرآن و سنت کے سوا کسی کی بات نہ مانو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام، بزرگ یا دانشور کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کی بات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور اگر کسی بات پر قرآن و حدیث سے تصریح نہیں ملتی تب اجماع امت اور اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے۔ لہٰذا ان لوگوں کے لیے انتہائی ضروری ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت کا دعویٰ کرتے ہوں کہ وہ اللہ کا دین سیکھنے میں سخت محنت کریں تا کہ وہ ان ساری باتوں کو چھوڑ دیں جو مستند شرعی نہ ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ:

''ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے بہت اچھا ہی کیوں نہ دیکھتے ہوں۔'' [2]

اسی طرح ابو عالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''لوگو اسلام سیکھو! جب تم اسلام کی تعلیم حاصل کر چکو تو پھر اس کے سیدھے راستے

---

1. الامر بالأتباع والنهي عن الابتداع
2. السنن الكبرىٰ للبيهقي جلد نمبر ٤ ، ص: ٣١٦

سے دائیں اور بائیں مت مڑو بلکہ صراطِ مستقیم پر رہو۔ اپنے نبی کی سنت پر قائم رہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے منہج پر ڈٹ جاؤ۔ بدعات سے بچے رہو کیونکہ وہ آپ کے خلاف نفرت اور دشمنی عمل میں لاتی ہیں۔ بلکہ معاملات کے اصلی مرتبہ و مقام سے وفاداری کرو (اور وہ قرآن و سنت کے ذریعے ہی ہو گی۔) کہ جو فقہی تقسیم سے پہلے تھا۔'' [1]

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

''انتہائی صبر واستقامت کے ساتھ اپنے آپ کو سنت کے پابند رکھو۔ جہاں سنت کے عالم لوگ رُکیں وہاں رُک جاؤ۔ جو وہ بیان کریں تم بھی وہی کہو اور جس سے وہ درگزر کریں تم بھی اس سے درگزر کرو۔ سلف صالحین کا راستہ اختیار کرو۔ جو ان کے لیے (عمل کرنے کے اعتبار سے) کافی تھا وہ تمہارے لیے بھی کافی ہو گا۔'' [2]



[1] ابو نعیم کی الحلیہ جلد نمبر ۲، ص: ۲۱۸

[2] الشریعہ ص: ۵۸۔

آج کل کی عام بدعات

جیسا کہ اس سے قبل ثقہ دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ہر اس چیز (قول و عمل) کے لیے کہ جسے دین میں قبول کیا جانا ہو، لازم ہے کہ وہ اپنی قبولیت اور حمایت کے لیے قرآن حکیم یا اللہ کے رسول ﷺ کی ثابت شدہ سنت، دونوں میں سے کسی ایک کے ضرور کچھ ثقہ ثبوت رکھتی ہو۔ لفظِ بدعت کے لیے عربی زبان میں شرعی علم سے ٹھیک ٹھیک متعین وضاحت دے دی گئی ہے۔ اس سے قبل اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ زبان دانی کے اعتبار سے (جہاں دین اسلام کے ساتھ اس کا تصادم نہ ہو وہاں) لفظِ بدعت کی اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ لفظِ بدعت کا معنی نئی ایجاد بھی ہوتا ہے۔ اور سائنسی ایجادات پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ: "ہوائی جہاز، کاریں اور دیگر اشیاء۔ بہر حال یہ لفظ شرعی معانی والی بدعت پر منطبق نہیں ہوتے۔

تاہم شرعی علم میں بدعت (یعنی دین اسلام میں ایجادات) سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اسلام میں نئے اضافے کے طور پر یا دین کے بعض حصے کو ترک کر دینے کے لیے ...... کہ جو پیغمبر علیہ السلام کی طرف سے عمل میں نہ آیا ہو...... دخیل ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا تذکرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ دوسروں کو پڑھانا، اللہ کی رحمت سے بہت بڑا عمل اور نیکی کا کام ہے۔ مگر تمام اچھی خواہشات کہ جنہیں نمونے کے طور پر پیش کیا جانا ہو، لازم ہے کہ وہ شرعی اصول و ضوابط اور مقرر کردہ راہنمائی کے مطابق ہوں۔ چنانچہ ایسے معاملات میں حد سے تجاوز کرنا شدید گناہ کا باعث ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی تلاوت کرنا نیکی کا ایک بہت بڑا عمل ہے مگر اسے نماز کے اندر رکوع اور سجود میں پڑھنا ممنوع ہے۔ (اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے یہاں رکوع اور سجود میں

قرآن نہیں پڑھا بلکہ کچھ اور دعائیں پڑھی ہیں۔ اور جو آدمی ایسا عمل کرے کہ ویسا نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو تو وہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا بلکہ اگر یہ عمل کرنے والا جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے تو اسے گناہ بھی ملے گا اور اپنے اس عمل پر ضد کی وجہ سے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔) اسی طرح نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھنا عبادت کے اعمال میں سے ایک انتہائی اہم عمل ہے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جس نے نماز میں میرے اوپر درود نہ پڑھا، اس کی نماز ہی نہیں۔) مگر اسے ٹائلٹ، باتھ روم اور قبرستان میں پڑھنا حرام ہے۔ (کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان مقامات پر ایسا کرنے سے منع فرمادیا ہے۔)

سیدنا زید کے باپ حضرت اسلم رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضي الله عنه قَالَ لِلرُّكْنِ: " أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ ، فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ قَالَ: مَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ؟ إِنَّمَا كُنَّا رَأَيْنَا الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ ، ثُمَّ قَالَ: شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ))[1]

"سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود (بیت اللہ الحرام کے ایک کونے میں لگے ہوئے پتھر) کو مخاطب کر کے فرمایا: "اللہ کی قسم میں جانتا ہوں، تو ایک پتھر ہے۔ نہ تو دکھ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع دے سکتا ہے۔ اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا استلام کیا تھا (حجرِ اسود کا بوسہ لینا یا اسے ہاتھ سے چھونا یا چھڑی وغیرہ سے شرعی اصطلاح میں استلام کہلاتا ہے۔) تو میں تیرا کبھی استلام نہ کرتا۔" چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا استلام کیا۔ (اسے چوما) پھر فرمایا: "اور اب ہمیں رمل کی بھی کیا ضرورت ہے؟ (بیت

[1] صحیح البخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر: ١٦٠٥

اللہ الحرام کے دورانِ طواف پہلوانوں کی سی چال چلنے کو رمل کہتے ہیں۔)'' ہم نے اس عمل کے ذریعے مشرکوں کو اپنی قوت (فتح مکہ کے موقع پر) دکھادی تھی۔ اور اللہ نے انہیں تباہ کردیا۔ (یا اسلام کی نعمت عطا کر کے انہیں ہمارے ساتھی بنا دیا۔) اس کے بعد فرمایا: ''جو کام رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو اسے اب چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے۔''

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت میں پہلے رمل کی علت اور سبب پر خیال کر کے اسے چھوڑ دینا چاہا۔ پھر انہیں خیال آیا کہ نبی ﷺ نے یہ عمل کیا تھا، شاید اس میں کوئی اور حکمت بھی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چونکہ ضروری ہے اس لیے اسے جاری رکھا۔)

((عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : "رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا ، قَالَ : ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً ، سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))[1]

''زیاد بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے پاس آئے جو (۱۰ ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر) اپنا اونٹ بٹھا کر نحر (ذبح) کررہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے (اسے مخاطب کر کے) فرمایا: ''اسے کھڑا کر اور باندھ دے۔ پھر اسے نحر کر کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''

میلاد النبی ﷺ

امت اسلامیہ میں اس وقت سب سے بڑی عملی چیزوں میں سے جو (غلط ہونے کے باجود) ایک رسم کی سی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ وہ ہر سال عید میلاد النبی (ﷺ) کی قبولیت اور اس کے منانے میں بھرپور شرکت ہے۔ اس واقعہ کو عمل میں لانے والوں نے رسول اللہ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۱۷۱۳

ﷺ کے ساتھ محبت کو بالکل ہی دوسری طرف موڑ دیا ہے، وہ محبت کہ جس کے کرنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ وہ اسے اس لیے صحیح سمجھتے ہیں کہ ان کے مقاصد پیغمبر ﷺ کے ساتھ محبت میں بالکل درست ہیں۔ مگر ہم بہر کیف ثبوت کے ساتھ مشاہدہ کر چکے ہیں کہ یہ بحث قطعًا غلط ہے اور اس موقع پر ہمیں اپنے آپ کو تسکین نہیں دینی چاہئے۔ کیونکہ نیک اعمال کی قبولیت کی بنیاد درست مقاصد کے علاوہ صحیح شرعی قانون واصول پر بھی ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک غلط ہے تو عمل نیک (صالح اور قابل قبول) ہونے کی بجائے گناہ کی طرف لے جاسکتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں وہ میلاد کہ جس کا تعلق نبی ﷺ کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، کبھی بھی اس کے منانے کا ثبوت نہیں رہا۔ یعنی کسی بھی دور میں اسے نہیں منایا گیا۔ (نہ نبی ﷺ کے اپنے دور میں، نہ صحابہ کرام کے دور میں، نہ تابعین کے زمانے میں اور نہ ہی ان کے بعد والے ائمہ دین کے دور میں) اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کی میلاد منائی گئی۔ اس لیے یہ عمل ایک بدعت کا ہی اتا پتا دے سکتا ہے۔ اور جب سے اس کا عمل دخل عبادت میں ہوا ہے تو شریعت کی تعلیمات میں اس کی استفادی تعریف بھی ضرور ہونی چاہیے تھی جبکہ قرآن وسنت کی تعلیمات میں تو بدعت کا ہر عمل مردود ہوتا ہے۔

یہاں ایک وضاحت نہایت ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ بہت سارے لوگ اس بات پر بحث ومباحثہ کرتے ہیں کہ اگر لوگ اپنے بچوں کی سالگرہ مناتے ہیں تو وہ اپنے پیغمبروں کی سالگرہ (میلاد) کیوں نہیں مناسکتے؟ ہم کہتے ہیں: جب ہم مسلمان ہیں تو پھر ہمیں کسی بھی کام میں اپنی مرضی نہیں کرنی چاہئے۔ ہمارا ہر فعل وعمل اور قول اللہ رب العالمین اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ہدایات (دینِ اسلام) کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہی حکم اللہ تعالیٰ قرآن میں فرمارہے ہیں:

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا أَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾ [سورہ محمد آیت نمبر: ۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (قرآن وسنت کی نافرمانی کے ساتھ) اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دینا۔''

اسلام ہر عام اور خاص فرد کی سالگرہ (میلاد) منانے سے منع کرتا ہے۔ آدمی ہر سال اپنی پیدائش کا دن خوشی کے طور پر کیسے مناسکتا ہے کہ اسی سال (یعنی ۱۲ ماہ والے تین صد پینسٹھ دنوں) کے اندر اسے موت کا ذائقہ بھی چکھنا ہے۔ اور پھر اس دن کا علم بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے ہر آدمی کو چاہیے کہ ہر روز اپنی غمی کا دن بھی منائے۔

نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو بطورِ سیرتِ مطہرہ (کہ اس سے ہمیں بہترین زندگی گزارنے کی راہنمائی ملتی ہے۔) یاد کرنا اور اس کے بارے میں دوسروں کو تعلیم دینا، اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی، ایک صالح عمل اور ایسے حلقہ تدریس میں شرکت ایک مسلمان آدمی کے لیے سعادت کی بات ہے۔ تاہم تمام صالح اعمال میں سے، شریعتِ مطہرہ کی طرف سے مستقل بنیادوں پر استوار اصول وقوانین اور راہنمائیوں کے مطابق کردار ادا کرنا چاہیے۔ ان میں حد سے تجاوز کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ یہ حد سے زیادتی ہی ہے کہ میلاد والا غلط عقیدہ مسلمانوں میں در آیا ہے۔

اگر یہ کام نبی ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کو یاد کرنے اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کے لیے ہوتا تو اسلامی تعلیمات میں اس کی باقاعدہ اجازت ہوتی۔ بہر کیف بالکل غیر قطعی اور غیر واضح تاریخ میلاد کے عدم ثبوت کے ساتھ اسے ہر سال ایک یاد کے طور پر منانا حرام کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟ کوئی معاملہ اس حوالے سے واضح نہیں ہوا۔ یہ تو بالکل واضح معلوم ہو چکا ہے اور کوئی آدمی دلیل نہیں دے سکتا اس بات کے خلاف کہ قرآن کی تلاوت تو ایک بہت ہی بڑا نیکی کا کام ہے مگر نماز میں اسے رکوع اور سجود کے اندر پڑھنا ممنوع ہے۔ (ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام نے ایسا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

خاموشی اختیار کی ہو۔) اسی طرح درود پڑھنا بھی ایک نیکی کا عمل اور عبادت کے انتہائی اہم کاموں میں سے ایک ہے۔ مگر اس کا بیت الخلاء یا قبرستان میں پڑھنا حرام ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں میں بیان کردہ مقاصد جیسے کہ بالکل واضح ہیں۔ لہٰذا ان کاموں کے مذکورہ بالا جگہوں پر نہ کرنے کا شرعی قانون اجازت نہیں دیتا۔ اور یہی ان کے حرام ہونے کا سبب ہے۔ بعینہٖ کسی نیکی کے کام میں نبی ﷺ کی یاد نیکی کے ارادے سے منانا حرام ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ))[1]

"مجھے میرے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں اس لیے (میرے متعلق) یہی کہا کرو کہ: "وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔""

جب اس حدیث شریف کا حوالہ ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اس میلاد والی بدعت کے نظریہ کی ترقی کے لیے کام کرتے ہیں تو وہ الٹی بحث شروع کر دیتے ہیں کہ وہ عیسائیوں کی طرح نبی ﷺ کی پوجا نہیں کر رہے جیسے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عقیدہ اختیار کر رکھا ہے۔ بہر کیف چھوٹی بدعت (اور اسی طرح ہر نئی چیز) ہمیشہ ایک بڑی ترویج خرابی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جو عین ممکن ہے کہ اس بدعت کے قبول کرنے والے کو نادانستہ طور پر راہنمائی کرتے ہوئے بالآخر شرک کے ارتکاب کی طرف لے جائے۔

بدعت کا پیروکار تاہنوز اس بات کو تسلیم کر رہا ہے کہ وہ عبادت والے اس عمل کی ذمہ داری جو نبھا رہا ہے تو بالکل ہچکچاہٹ کے ساتھ، غیر رضامندی سے اور لوگوں کی دیکھا دیکھی۔ مگر اس کے باوجود میلاد منانے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ تو اس کا سبب

---

[1] صحیح البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، حدیث: ٣٤٤٥

یہ ہے کہ بدعت والا کام اگر چہ چھوٹا یا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو شیطان کو بہت اچھا لگتا ہے۔ اور وہ اسے مسلمانوں میں بہت مزین کر کے پیش کرتا ہے۔ ایک (ابتدائی مراحل والی) چھوٹی بدعت کی، شرک کی طرف ترویج و اقدام درج ذیل آیت کی تفسیر میں ذکر ہوئی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ [سورۂ نوح آیت: ۲۳]

''اور (قومِ نوح کے سردار مشرکین آپس میں ایک دوسرے کو) وہ کہنے لگے اپنے دیوتاؤں (معبودوں) کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر (جیسے بزرگوں کی مورتیوں) کو چھوڑ بیٹھنا۔''

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں: (اوپر جو پانچ نام ذکر ہوئے ہیں) یہ دراصل حضرت نوح سے پہلے چند نیک لوگ تھے۔ ان کے مرنے کے بعد شیطان نے لوگوں کو بہکایا کہ ان کی مورتیاں بنالو اور عبادت کے وقت اپنے سامنے رکھ لیا کرو تو تمہارا عبادت میں جی خوب لگے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے مرنے کے بعد شیطان نے ان کی اولاد کو بہکایا کہ تمہارے باپ دادا ان مورتیوں کی پوجا کیا کرتے تھے، تم بھی ان کی پوجا کرو۔ اس طرح ان (پنج تن پاک) کی پوجا شروع ہوگئی اور یوں دنیا میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ (فتح القدیر)

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:

سورۂ نوح کی اس آیت کی تفسیر میں قومِ نوح علیہ السلام کے بارے سلف صالحین کی ایک جماعت سے بہت ساری روایات وارد ہوئی ہیں۔ یہ ''وَدّ'' اور ان کے ساتھ دیگر جن چار بزرگوں کا یہاں ذکر ہوا ہے تو یہ پانچ آدمی اللہ کے صالح بندے تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ ان کی قبروں پر مجاور بن کے بیٹھیں (کہ اس سے ان کے دل اللہ کی عبادت میں لگے رہیں گے اور پھر خود ایک درویش کی شکل

اختیار کر کے کسی ایک قبر پر بیٹھ گیا۔) پھر اس نسل کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے ان کے دلوں میں اس نے یہ بات القاء کی کہ وہ ان بزرگوں کی مورتیاں بنائیں۔ اس عمل کو اس نے ان کے سامنے نہایت مزین کر کے پیش کیا۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ اس سے وہ اپنے بزرگوں کو صحیح طرح سے یاد رکھ سکیں گے۔ (قبروں میں مدفون تو وہ نظر نہیں آتے، ان کی جب مورتیاں، تصویریں بنا کے سامنے رکھو گے تو یاد پختہ رہے گی اور اللہ کی عبادت میں دل جما رہے گا۔) اور وہ ان کے اعمالِ صالحہ کی اقتداء بھی کر سکیں گے۔ جب تیسری نسل آئی تو ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اللہ کے علاوہ وہ لوگ ان بزرگوں کی بھی پوجا کریں۔ (آخر وہ رب کے نیک بندے تھے، پہنچی ہوئی ہستیاں تھیں۔ تکوینِ کائنات میں ان کا بھی اختیار ہوگا۔) اور اس تیسری نسل کو اس بات پر وہم میں ڈالا کہ ان کے بڑے بھی تو ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (وہ بھی تو ان کی پوجا کرتے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ نہیں تو پھر ان کی مورتیاں انہوں نے کیوں بنائی تھیں؟ حالانکہ انہوں نے ایسا نہ کیا تھا۔ انہوں نے تو ان پانچوں بزرگوں کے صرف بت بنائے تھے یادداشت کے لیے۔ مگر اگلی نسل ان بتوں کی پوجا کرنے لگ گئی۔) تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نوح علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث کیا جو ان کو اس بات کا حکم دیتا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں (اور ان بتوں کی پوجا سے باز آجائیں۔ مگر جیسا کہ آیت مذکورہ میں صراحت موجود ہے۔ پوری قوم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ان بتوں کی پوجا پر ڈٹے رہے اور ایک دوسرے کو تلقین کرتے کہ دیکھو! کہیں اپنے بزرگوں کو چھوڑ نہ بیٹھنا۔

نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال تک اس قوم کو وعظ و نصیحت کرتے کرتے تھک گئے۔ مگر اس قوم (بنوراست) میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے۔ (کم و بیش ۸۰ آدمی) اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح اور دیگر کئی ایک مقامات پر قرآن حکیم میں نوح علیہ السلام کا ان کی قوم کے ساتھ سارے معاملے کو بیان فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''غلبۂ اسلام کا تابناک دور'' ''خیر القرون'' تاریخ کے آئینے میں'' کا مطالعہ کیجئے۔ ابو یحییٰ)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِیْ كَانَتْ فِیْ قَوْمِ نُوْحٍ فِیْ الْعَرَبِ بَعْدُ ، أَمَّا وَدٌّ: فَكَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ : فَكَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوْثُ: فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِیْ غُطَيْفٍ بِالْجُرُفِ عِنْدَ سَبَاءٍ وَأَمَّا يَعُوْقُ : فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ : فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لآلِ ذِیْ الْكَلَاعِ۔أَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ ، فَلَمَّا هَلَكُوْا أَوْحَى الشَّيْطَانُ اِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوْا اِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ أَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوْا، فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى اِذَا هَلَكَ أُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ))[1]

''جو بت نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے بعد میں وہی عربوں میں پوجے جانے لگے۔ وَدّ دومۃ الجندل میں بنی کلب کا بت تھا۔ سواع بنی ھذیل کا، یغوث بنی مراد کا اور مراد کی شاخ بنی غطیف کا جو وادی جرف میں قوم سباء (والے علاقے) کے پاس رہتے تھے۔ یعوق بنو ہمدان کا بت تھا۔ نسر حمیر کا بت تھا جو ذوالکلاع کی آل میں سے تھے۔ یہ پانچوں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب ان کی موت ہوگئی تو شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا کہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھتے تھے، ان کے بت قائم کرلیں۔ اور ان بتوں کے نام اپنے نیک لوگوں کے نام پر رکھ لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت ان بتوں کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن جب وہ لوگ بھی مر گئے جنھوں نے بت قائم کیے تھے اور لوگوں میں اصل حقیقت کا علم نہ رہا تو ان کی پوجا

---

[1] صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث: ٤٩٢٠

ہونے لگی۔‘‘

اسی طرح الدُّر المنثور(۲۶۹/۶) میں ہے؛ عبد بن حمید روایت کرتے ہیں کہ ابو مُطَّھر نے بیان کیا: ’’(ایک دفعہ) لوگوں نے جناب ابوجعفر الباقر رحمہم اللہ کے سامنے یزیدؔ بن المھلب کی شہادت کا ذکر کیا، تو ابوجعفر رحمہ اللہ فرمانے لگے: ’’وہ ایک ایسی زمین میں قتل ہوئے ہیں کہ جس میں سب سے اول دنیا میں غیر اللہ کی پوجا کی گئی تھی۔ پھر ابوجعفر الباقر رحمہ اللہ نے ’’وَدّ‘‘ کا ذکر کیا اور فرمایا: ’’وَدّ ایک مسلمان آدمی اور اپنی قوم میں نہایت محبوب اور پسندیدہ تھا۔ یہ ارضِ باطل کی بات ہے۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم نے اس کی قبر پر ہجوم کر لیا اور اس اللہ کے بندے پر واویلا (جزع فزع) کرنے لگے۔ جب شیطان نے ان کے جزع فزع کو دیکھا تو وہ ایک انسانی شکل میں ان کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا: ’’میں تمہیں اپنے اس بزرگ کے متعلق دُکھ میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ اجازت ہو تو کیا میں تمہیں اس کی ایک تصویر نہ بنا دوں؟ اور یہ تمہاری مجلس گاہ میں پڑی رہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر تم اس بزرگ کو یاد کرتے رہو گے۔ تو وہ کہنے لگے: ہاں! اجازت ہے۔ ضرور ایسا کرو۔‘‘

چنانچہ شیطان نے جناب ’’وَدّ‘‘ کی نہایت خوبصورت ایک تصویر بنا کے انہیں دیدی۔ انہوں نے اسے اپنی مجلس گاہ (بیٹھک، دائرہ، ڈیرہ یا کلب وغیرہ، جو بھی کہیں، اس) میں رکھ لیا اور اس تصویر کے ذریعے ’’وَدّ‘‘ کی یاد کو تازہ رکھا۔ جب شیطان نے اس بزرگ کی یاد کو اس کی قوم میں عقیدت کے ساتھ ہوتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا: ’’اگر اجازت ہو تو کیا میں تم میں سے ہر آدمی کے گھر میں اس جیسی ایک ایک تصویر بنا کے نہ رکھ دوں؟ (یہاں مجلس گاہ میں آتے ہوئے تمہیں تکلیف پہنچتی ہو گی؟) یہ تصویر اس کے گھر میں ہو گی تو اسے اس بزرگ کو یاد کرنے میں آسانی رہے گی۔‘‘ کہنے لگے: ’’بالکل درست ہے۔‘‘ چنانچہ شیطان نے ہر گھر کے لیے ایک تصویر بنا دی۔ (وہ خبیث ایسے کاموں کا تو ماہر ہے۔) تب انہوں نے اس شیطانی کام کو دل و جان سے قبول کر لیا اور وہ اس بزرگ کی گھر گھر میں یاد منانے اور اس کے تذکرے

کرنے لگے۔

امام ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس نسل کی اولاد نے اپنے آباء کو اس عمل پر پایا اور جو وہ کرتے تھے وہ بھی اسی طرح کرنے لگے (کیونکہ ہر چھوٹا بڑے سے سیکھتا ہے۔) حتی کہ نسل در نسل ان کے اندر یہ معاملہ آگے بڑھتا رہا اور اس بزرگ کا ذکر ان میں، گھومتا اور ترقی کرتا رہا۔ (کتاب "الکواکب الداری" میں ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ: ''اس دوسری نسل کی اولاد نے) حتی کہ انہوں نے اس کو اللہ کے علاوہ معبود بنالیا۔'' اور یہ '' ودّ '' نامی بت زمین پر اللہ کے سوا سب سے پہلا پوجا جانے والا تھا جس کی لوگوں نے باقاعدہ عبادت کی۔

اللہ رب العالمین کی حکمت نے تقاضا کیا اور اس نے اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے نبیوں کے آخر میں اپنا رسول بنا کر بھیج دیا۔ اور ان کی شریعت کو سابقہ تمام شریعتوں کا خاتمہ کرنے والا بنادیا۔ دیگر احکام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اس بات کا پابند بھی بنایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ان تمام وسائل سے روک دیں جو انہیں شرک جیسے اکبر الکبائر جرم میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن سکتے ہوں۔ (اگرچہ ایک مدت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔) چنانچہ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے (اور چِتّے قُبّے بنانے) سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبروں کی طرف (چاہے وہ کسی بھی بڑے بزرگ کی کیوں نہ ہو) سواری کس کے اور تیاری کر کے (نیت اور ارادے کے ساتھ) جانے سے بھی روکا ہے اور انہیں میلوں ٹھیلوں کی جگہ بنانے سے بھی۔ اسی طرح ان قبروں والوں کے نام کی قسمیں اٹھانے سے بھی روکا ہے۔ کیونکہ یہ سارے کام غیر اللہ کی عبادت اور ان اصحاب قبور کے ساتھ عقیدت واحترام میں غلو کی طرف لے جاتے ہیں۔ بالخصوص علم کی کمی، جہالت کی کثرت، نصیحت کرنے والوں کی قلت، لوگوں کو گمراہ کرنے میں انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کے باہمی تعاون اور انہیں اللہ کی عبادت سے نکال کر ان اصحاب القبور کی پوجا پر لگانے کی وجہ

سے۔''[1]

ان لوگوں نے شرک جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب یکبارگی نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کی بجائے آغاز میں ایک چھوٹی بدعت کے تعارف سے تدریجی عمل کے تحت اس کی نشو ونما ہوئی تھی۔ ایک وقت آیا کہ یہ چھوٹی بدعت ایک بڑے گناہ کے طور پر آشکارا ہوئی اور لوگ آخر کار اسے عمل میں شرک کی غلاظت میں ڈوبتے چلے گئے۔ بالکل اسی راستے پر چلتے ہوئے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کا تعارف کروایا۔ ان کی عبادت کا تعارف بھی ان کے حواریوں کی جانب سے نہیں ہوا تھا بلکہ پال کی طرف سے پیش کیا گیا جو کئی نسلوں کے بعد، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے عیسیٰ بن مریم کو اس دنیا سے زندہ سلامت اوپر آسمانون کی طرف ایک عرصہ قبل اٹھا چکے تھے، پیدا ہوا تھا۔ شرک کی بالکل ابتدائی مشق کی طرح بدعت کا بھی ایک ارتقاء تھا۔ چنانچہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ایک دیوتا کے طور پر تعارف تدریجی واقعہ تھا نہ کہ راتوں رات پیش آنے والا کوئی عجیب وغریب قصہ۔

بالکل اسی راستے پر وہ لوگ بھی چل رہے ہیں جو عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ان کی اس مشق سے نئی نسل میں شرک نشو ونما نہیں پا سکے گا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ نئی نسل کے بارے میں اس نظریہ کو بھول جاؤ۔ ان میں سے اکثریت کو میلاد منانے والے عمل نے درحقیقت ابھی سے شرک میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس مکمل دین میں کسی بھی چیز (قول وفعل) کی مداخلت کے لیے ہمیں بالکل محتاط رہنا چاہیے کہ یہ بدعت ہمیں کسی بڑی غلطی میں کہیں مبتلا ہونے کی طرف راہنمائی نہ کر دے اور مزید احتیاط ضروری ہے کہ اس بات پر نظر رکھیں: کہیں دوسرے لوگ اس غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

[1] تحذير الساجد مِنْ اِتّخاذ القبور مساجد لفضيلة الشيخ / محمد ناصر الدين الألباني رحمه الله المطبوع بالمكتب الاسلامي بالبيروت ص: ۱۰۳ تا ۱۰٦

((مَنْ دَعَا اِلَی هُدًی كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا اِلَی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا))[1]

''جو شخص (لوگوں کو) ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ہدایت پر چلنے والوں کا بھی ثواب ملے گا اور (ہدایت پر) چلنے والوں کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دے تو اسے گمراہی پر چلنے والوں کا بھی گناہ ہوگا۔ اور اس گمراہی پر چلنے والے کا گناہ بھی کچھ کم نہ ہوگا۔''

معلوم ہونا چاہئے کہ عید میلاد النبی ﷺ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو شریعت کی طرف سے بنایا گیا کوئی قانون ہو۔ وہ تو نیا اختراع شدہ ایک معاملہ ہے۔ اس پر پورے دلائل کے ساتھ ہم اگلی فصل میں بات کریں گے۔ یہ کام تو خاص طور پر ایک بڑی غلطی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اس سے کوئی اچھے اعمال وافعال برآمد نہیں ہوتے۔ عید میلاد النبی اپنے ابتدائی سٹیج میں ہوسکتا ہے کہ ایک چھوٹی غلطی محسوس ہوتی ہو مگر اس کا ارتقاء ایک بڑے گناہ میں تبدیل ہو چکا ہے اور درحقیقت کچھ شرک میں بھی۔ کچھ اسی سبب سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ، لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ۔ فَمَنِ اتَّقَی الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَی حَوْلَ الْحِمَی، يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًی، أَلَا اِنَّ حِمَی اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ))[2]

---

1. صحیح مسلم، کتاب العلم حدیث: ٦٨٠٤ عن أبی هريرة رضی الله عنه
2. صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث: ٥٢ عَنِ النُّعْمَانِ بن بَشِيْرٍ۔ مسلم، حدیث: ١٥٩٩ و صحیحه ابن حبان: ٧٢١

”حلال بھی (دینِ اسلام میں) واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان بعض چیزیں شبہ کی ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (کہ حلال ہیں یا حرام، جائز ہیں یا ناجائز) پھر جو کوئی شبہ کی چیزوں سے بھی بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت (دونوں) کو بچا لیا۔ اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو اپنے مویشیوں کو ایک (سرکاری) چراگاہ کے اردگرد چروائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مویشی (بھیڑ بکریاں وغیرہ) کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائیں۔ (اور وہ شاہی مجرم قرار پائے۔) سن لو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ کی چراگاہ، اس کی زمین پر اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ (پس ان سے بچو، اور) سن لو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ اگر وہ درست (کام کرتا) ہو تو سارا بدن درست ہوگا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارے جسم کے سب افعال و اعمال بگڑ گئے۔ سن لو! وہ لوتھڑا دل ہے۔“

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛ دل ہی عقل کا مقام ہے اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا ﴾ [الحج: ٤٦]

”پس ان کے دل ان کی باتوں کو سمجھنے والے ہوتے۔“

اس حدیث کی عظمت پر علماء کا اتفاق ہے۔ [ارشاد الساري: ۱/۲۴۸] اور یہ ان چار احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور اسحاق بن راھویہ کا فرمان ہے۔ [جامع العلوم والحکم: ۱/۶۲] دین سے متعلق ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چند کلمات ہمارے نزدیک دین کی بنیاد ہیں۔ شبہ کی چیزوں سے بچو، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، فضولیات سے بچو اور خلوصِ نیت کے مطابق عمل کرو۔

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے وقت آپ بہت سارے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ مختلف زاویوں اور متعدد طریقوں سے حرام کاموں اور بیہودہ حرکتوں کے ذریعے مزے

لے لے کر کئی کھیل کھیل رہے ہوتے ہیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حرام کاموں میں مزے لیتے ہیں، کچھ بڑے حرام کاموں میں۔ لوگوں کی اکثریت اپنے اس جشن میلاد میں شرک وخرافات کے ان گنت مشترکہ افعال کو سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات زیرِ بحث نہیں ہے کہ دوسری عبادات (جو اصل عبادات ہیں۔ جیسے کہ نماز قرآن کی تلاوت، زکوٰۃ کی ادائیگی، حقوق العباد کا لحاظ اور جہاد فی سبیل اللہ) کو لوگوں نے مختلف بہانوں اور زاویوں سے چھوڑ کر اپنے اوپر حرام کر لیا ہوا ہے۔ اس موضوع پر تو یہاں بحث کی ہی نہیں جا رہی۔ کیونکہ عبادت کے ان سارے طریقوں کو اللہ کی طرف سے تشریعی حیثیت دی جا چکی ہے اور عملی اقدام کے ذریعے ان کے درست معانی کو بذریعہ وحی منکشف کیا جا چکا ہے۔ ان کا تارک بلاشبہ اللہ کے ہاں ماخوذ ہوگا۔ یہاں زیرِ بحث بات یہ ہے کہ یہ تشریعی قانون میلاد یا کسی بھی دیگر بدعت کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں اور نہ ہی نبی ﷺ نے اسے کوئی تشریعی حیثیت دی ہے۔



میلاد کے دلائل پر ایک نظر

میلاد کے حمایتیوں نے قرآن مجید، حدیث وسنت اور اپنے مفاہیم وفقہ سے اس کے ''جوازِ جشن'' میں ثبوت پیش کرنے کی اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے۔ جبکہ ان کے بعض نے ان کے علاوہ (عقل وغیرہ) سے بھی دلیل دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ عمل ضرور کچھ نہ کچھ قابل عمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ صرف نبی ﷺ کی شان اور تعریفیں بیان کرنے کی کاوش ہوتی ہے۔ اس فصل میں ان شاء اللہ ان دلائل میں سے بعض کا ذکر کیا جائے گا۔ (جو گفتگو کے دوران تلاش ہوں گے۔) اوران کے خلاف ثبوت بھی مہیا کیے جائیں گے۔ چونکہ بہت سارے بے بنیاد ایسے دلائل بھی ہیں جنہیں لوگوں نے ادھر ادھر سے فراہم کرلیا ہے۔ اس لیے ہم ان کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ صرف انہی کو دیکھا اور ان کا ذکر کیا جائے گا جو بحث کرنے کا استحقاق رکھتے اور وضاحت چاہتے ہیں۔

پہلی دلیل......... میلادی کہتے ہیں: ''اللہ تو خود اس کام سے باز نہ رہ سکا، اس نے آپ خود میلاد منایا اور اپنی آخری نازل کردہ کتاب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک کا نہیں، بلکہ کئی پیغمبروں کا...... دیکھیے؛ یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے :

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾

[سورہ مریم آیت: ۱۵]

''اور سلام ہے اس پر (رب تعالیٰ کی طرف سے) جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ فوت ہونے والا تھا اور جس دن وہ پھر (دوبارہ) جی کر اٹھے گا (یعنی قیامت کے دن۔)''

اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام خود اپنا میلاد مناتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا○﴾

[سورہ مریم آیت: ۳۳]

''اور مجھ پر (رب تعالیٰ کی طرف سے) سلامتی ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں فوت ہوں گا اور جس دن میں (دوبارہ) اٹھوں گا زندہ ہو کر۔''

گویا عیسیٰ علیہ السلام کے اپنا میلاد خود منانے کا تذکرہ رب نے اس لیے قرآن میں کیا ہے کہ وہ بھی اس کے میلاد پر خوش ہے۔ بعینہ دوسرے انبیاء کا بھی تصور قرآن میں موجود ہے۔ اور بالخصوص اسماعیل، اسحاق، مریم، ابراہیم، موسیٰ اور الیاس علیہم السلام جمیعًا کا ذکر قرآن مجید میں اس حوالے سے موجود ہے۔

تو ...... عرض ہے کہ نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کا میلاد منانے کے لیے اس طرح کی گنجائشوں کی تلاش بالکل ہی بے فائدہ ہے اور نہ ہی یہ کوئی ثبوت ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر واقعی یہ کلمات میلاد منانے کا مفہوم دیتے ہیں اور یہ کوئی بڑا ہی پسندیدہ عمل ہوتا تو اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء کرام اور اپنے منفرد مخصوص بندوں کے ساتھ اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر ضرور ذکر فرماتے۔ کسی پر سلامتی کے لیے اللہ کا اسے اپنی طرف منسوب کرنا اگر میلاد منانے کے معنی میں ہے تو دیگر انبیاء کرام اور اس کے مخصوص بندوں کا ذکر کرنے اور ہمارے نبی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر نہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے نبی کا نہیں بلکہ دوسرے انبیاء کا میلاد منانا چاہئے کیونکہ قرآن میں کہیں بھی ((سَلَامٌ عَلَى مُحَمَّدٍ)) (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ((سَلَامٌ عَلَى النَّبِيِّ يَوْمَ وُلِدَ......)) وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔

دوسری بات جو اس باطل نظریہ (سَلَامٌ عَلَى بمعنی میلاد) کی نفی کر رہی ہے وہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں یہ سلامتی یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کی صرف پیدائش پر ہی رب تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئی بلکہ ان کی وفات اور دوبارہ جی کر اٹھنے کے ساتھ بھی اس

کا تعلق ہے۔ (دونوں آیات پر دوبارہ پھر غور فرمالیں۔) جس کا معنی یہ ہوا کہ میلاد تو لوگ خوشی کے اظہار کے لیے مناتے ہیں اور اگر اللہ بھی اپنے صالح بندوں اور پیارے انبیاء کی پیدائش پر خوشی منا رہا ہے تو پھر موت پر اس کی خوشی کا اظہار ''چہ معنی دارد؟'' جبکہ نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ ایک قدسی حدیث ہے؛ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِیْ عَنْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَ تَهُ وَلَا بَدَّلَهُ مِنْ ذَلِكَ))[1]

''کسی کام کو کرتے ہوئے میں اتنا متردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندے کی روح قبض کرتے وقت متردد ہوتا ہوں۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے تکلیف پہنچانے کو ناپسند کرتا ہوں مگر یہ (موت کا ذائقہ چکھنے والا) عمل اس کے لیے ہے ضروری۔''

تو کیا اللہ تعالیٰ جیسے اپنے ان محبوب بندوں کی پیدائش پر میلاد منا رہا ہے کیا وہ ان کی موت پر بھی خوش ہو رہا ہے جبکہ تمہاری بات اگر سچی ہے تو اس کے مقابلے میں اوپر درج کردہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے پیش کیا گیا اللہ کا فرمان تو تمہارے اس دعویٰ کے برعکس ہے۔ اس لیے ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔ ہم تو اپنے رب تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا سچا دین، دین حنیف، الاسلام ہمیں اسی بات کا پابند کرتا ہے۔

دوسری دلیل .... اپنے حق میں دلیل کے طور پر میلادی مبتدعین جو دوسرا ثبوت پیش کرتے ہیں وہ درج ذیل حدیث ہے:

---

[1] هذا الحديث الصحيح قد ذكر ابوالعباس تقی الدين احمد بن عبدالحليم ابن تيميةؒ فی كتابه "التحفة العراقيه فی الأعمال القلبية

((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ؛ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ ؟ فَقَالَ : " فِيْهِ وُلِدْتُ، وَفِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ))[1]

''سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوموار کے روزے بارے پوچھا گیا(کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کیوں رکھتے ہیں؟) تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس دن میں پیدا کیا گیا تھا اور اسی دن میرے اوپر وحی کا آغاز ہوا تھا۔'' ...... حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب ''لطائف المعارف'' میں لکھتے ہیں: ''سوموار کا نفلی روزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر ایک بہترین انعام ہے۔''

مذکورہ بالا روایت سے استدلال اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن روزہ رکھنے سے بایں وجہ منع فرمایا کہ اس دن شیطان روزہ رکھتا ہے، یعنی عید کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہوا۔

اور اہل میلاد سے ''عید میلاد النبی'' ﷺ کا نام دیتے ہیں تو اگر سوموار کا دن عید کا دن ہے تو اس دن روزہ رکھنا......؟ لہٰذا اس دن خود نبی ﷺ کا روزہ رکھ کر یہ بتلانا مقصود ہوا کہ یہ دن عید کا نہیں۔

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نبی ﷺ کی بذریعہ عبادت میلاد والی یاد منانے کے لیے ایک صاف اور واضح دلیل ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ ہر سوموار کو اپنے میلاد کی خوشی میں جو روزہ رکھتے تھے۔ (اس لیے ہم بھی خوشی مناتے ہیں۔) اس جاہلانہ استدلال پر ہم ایسے بھائیوں سے عرض کریں گے جو نیم مُلّا، مطلب پرست

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصیام، حدیث: ۲۷۵۰

مولویوں پر اعتماد کرتے ہوئے خود قرآن وسنت کا مطالعہ نہیں کرتے، اپنا مال بھی ضائع کرتے ہیں اور وقت بھی۔ یہاں دو باتیں یاد رکھیے۔

۱ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))[1]

''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو اسے اپنے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔''

دوسری روایت میں ہے:

((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذَالِكَ))[2]

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ قرآن وسنت پر قائم رہے گا۔ انہیں جھٹلانے والے اور مخالفین کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔''

محدثین اور شارحینِ حدیث رحمہم اللہ نے اس جماعت سے مراد ''اہل الحدیث'' لیے ہیں۔

چنانچہ اہل حق ہمیشہ تفقہ فی الدین میں صحابہ کرام کو ہی اتھارٹی مانتے آئے ہیں۔ یعنی قرآن اور حدیث کو جیسے صحابہ کرام نے سمجھا ویسے ہی ساری امت کے علماءِ حق ان کی توضیح و تشریح کو مانتے چلے آئے ہیں، دین میں اپنی مرضی نہیں کرتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین وتبع تابعین اور ان سے بعد والے تمام سلف صالحین رحمہم اللہ جمیعًا میں سے کسی

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم حدیث: ۷۱

[2] صحیح البخاری، کتاب التوحید، حدیث: ۷٤٦۰ دونوں روایات جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ ایک حمید بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے اور دوسری عمیر بن ھانی رحمہم اللہ کے ذریعے۔ دونوں اصحاب بیان کرتے ہیں کہ ہم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے یہ فرامین دورانِ خطبہ منبر پر بیان کرتے ہوئے سنے ہیں۔

نے بھی نبی ﷺ کے سوموار والے روزے کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل نہیں مانا اور نہ ہی اس عمل کو دلیل بنا کر آپ کا میلاد منایا تھا۔[1] علاوہ ازیں نبی ﷺ کے کسی بھی عمل اور فرمان کو انہوں نے اس بدعت کے لیے دلیل نہیں بنایا۔

۲ مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے کی روشنی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک کے تمام اهل السنة والجماعة اهل الحديث والفقه ہر ہفتے سوموار کے روزے کو سنت سمجھ کر رکھتے چلے آئے ہیں کیونکہ ہمارے پیارے پیغمبر نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ نے تشکرًا لِلّٰه ایسا کیا تھا، اس لیے ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔ پھر یہ کہ جن مولویوں کو جعلی قسم کی فقہ کا بخار چڑھا ہوا ہے وہ اگر نبی ﷺ کے سوموار والے روزے کو بہانہ بنا کر میلاد النبی کی دلیل نکالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نفلی روزوں سے وہ کون سے جشن ثابت کرتے ہیں؟ ذرا ان کی تفصیل بھی معلوم ہو! صحیح مسلم کی مذکورہ بالا سوموار کے روزے والی حدیث سے صرف دو احادیث پہلے والی احادیث (نمبر: ۲۷۴۶ اور نمبر: ۲۷۴۷) پڑھ لیں۔ سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی ان احادیث کے بھی راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں:

((رَجُلٌ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : كَيْفَ تَصُومُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) غَضَبَهُ ، قَالَ : رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا [وَبِبَيْعَتِنَا بَيْعَةً۔] نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ

[1] یہ تو ہمارے سامنے کی بات ہے۔ ابھی کچھ ہی سال پہلے یہ "عاشقانِ رسول، حلوے مانڈے کے پجاری" ۱۲ ربیع الاول کے دن کو بطور وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم منایا کرتے تھے۔ اب کیا وہ سارا غم دور ہو گیا جو جشن میلاد کے لیے ہر سال ان کے جی میں لڈو پھوٹنے لگے ہیں؟ اسی لیے تو عقلمند اور دانا اہل علم مسلمان یہ بات کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ "بدعت کبھی مستقل مزاج نہیں ہوتی۔ یہ گرگٹ کی طرح ہمیشہ رنگ بدلتی رہتی ہے۔"

غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ ، فَجَعَلَ عُمَرُ (رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ) يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ ، فَقَالَ عُمَرُ ؛ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَيْفَ بِمَنْ يَصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ؟ قَالَ:" لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ۔" أَوْقَالَ:" لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ۔" قَالَ؛كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا ؟ قَالَ ؛ "وَمَنْ يُّطِيْقُ ذٰلِكَ ؟ " قَالَ : كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ:"ذَاكَ صَوْمُ أَخِيْ دَاوٗدَ (عَلَيْهِ السَّلَامُ)" قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًاوَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ؟ قَالَ:" لَيْتَ أَنَّ اللّٰهَ قَوَّانا لِذٰلِكَ۔" [وَدِدْتُ أَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ۔] قَالَ ؛ وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ؟ قَالَ:"ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيْهِ وَيَوْمٌ بُعِثْتُ ، أَوْ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ۔" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ " ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ[صَوْمُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ] وَرَمَضَانُ اِلَى رَمَضَانَ ، فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ۔"قَالَ ؛ وَسُئِلَ عَنْ يَوْمِ عَرَفَةَ ؟ فَقَالَ:" أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ۔" قَالَ ؛ وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ ؟ فَقَالَ:" أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ))

''ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا؛ آپ روزہ کیسے رکھتے ہیں؟ تو اس کے اس طرح پوچھنے سے رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے۔(کیونکہ یہ سوال ہی غلط تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ یوں پوچھتا؛ اللہ کے نبی! میں روزہ کیسے رکھوں؟) جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی ناراضگی دیکھی تو (اس آدمی کی نادانی کا ازالہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور کرنے کے لیے) فوراً بول اٹھے: اللہ کے رسول! ہم تو اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے، اسلام کے مکمل دین ہونے،

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے اور اپنی بیعت کے (جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھی ہے) بیعتِ حق ہونے پر دل و جان سے راضی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ غرضیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کلمات کو بار بار دھراتے رہے حتی کہ نبی ﷺ کا غصہ تھم گیا۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا؛ اللہ کے نبی! یہ فرمایئے کہ جو آدمی ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے وہ کیسا ہے؟ فرمایا: ''نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔ پھر پوچھا؛ اور جو دو دن لگاتار روزے رکھتا ہے اور ایک دن چھوڑتا ہے وہ کیسا ہے؟ فرمایا: ''اس کی طاقت ہی کون رکھتا ہے؟'' پھر پوچھا: اور جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن چھوڑے؟ فرمایا: ''یہ میرے بھائی (اللہ کے پیغمبر) داؤد علیہ السلام کا عمل تھا۔'' اس کے بعد پوچھا: اے اللہ کے رسول! اور جو دو دن نہ رکھے اور ہر تیسرے دن روزہ رکھ لے، وہ کیسا ہے؟ فرمایا: ''اے کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی قوت، طاقت دے دے۔ (میری خواہش ہے کہ میری یہ طاقت ہو۔)

ابو قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور آپ ﷺ سے سوموار کے روزے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس روز میں پیدا ہوا تھا۔ اور یہ وہ دن ہے جس روز میرے اوپر وحی کا آغاز ہوا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر ماہ کے تین روزے (ایام بیض والے، ہر چاند کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵) اور رمضان کے روزے ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان تک یہ (اجر و ثواب میں) ہمیشہ کا روزہ ہے زمانہ بھر کا۔ صحابی کہتے ہیں: اور پھر نبی ﷺ سے یوم عرفہ (۹ ذو الحجہ) کے روزے بارے سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ پاک سے امید کرتا ہوں کہ وہ ایک گزرے ہوئے سال کا اور ایک آنے والے سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ راوی کہتا ہے: اور پھر (آخر

میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عاشورا (۱۰ محرم) کے روزے بارے سوال کیا گیا (کہ اس دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟) تو فرمایا کہ: ''میں اللہ پاک سے امید کرتا ہوں کہ وہ گزرے ہوئے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔''

تیسری دلیل ....ان میلادی مولویوں کی اس ضمن میں تیسری دلیل ایک اور روایت ہے اور وہ یہ کہ: نبی ﷺ نے اپنی طرف سے اپنی پیدائش کے چالیس سال بعد ایک عقیقہ کا جانور ذبح کیا تھا۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے تو اگرچہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عقیقہ میں ایک جانور ذبح کر دیا تھا۔ (مگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی نہ جانا اور نبوی زندگی میں دوبارہ پھر ایک جانور ذبح کر دیا۔) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن میلاد منانے اور عبادت میں اضافی اعمال کے لیے سنت سے دلیل میں یہ حدیث ایک مضبوط ثبوت ہے۔ عقیقہ کے لیے جانور ذبح کرنا عبادت کا ایک عمل ہے جو بالخصوص پیدائش کے ساتھ متعلق ہے۔

اس پر فضیلۃ الشیخ اسماعیل الأنصاری، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ کا بیان نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ایک اور بنیادی متن جو میرے خیال میں آیا وہ یہ ہے کہ ؛مبتدعین کے ہاں میلاد کے لیے کون سے قانونی (شرعی) استحقاق کی بنیاد پر اس کا منانا ثابت ہوتا ہے؟ یعنی کیا وہ روایت بنیاد ہے جو امام بیہقی کی السنن الکبری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد (یعنی چالیس سال کی عمر گزر جانے پر) اپنی ذات کی طرف سے عقیقہ کیا تھا؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سات سال تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ کر دیا تھا۔ اور عقیقہ ایک ایسا عمل ہے جو دوسری بار نہیں دوہرایا جاتا۔ لہٰذا اس کے یہ معانی لیے جا سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی واضح شکر گزاری کے لیے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ (اس عمل کو سر عام اس لیے کیا کہ اس سے کائنات انس و جن کی عفوو

درگزر کا سامان ہو جائے۔) اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ایک شرعی قانون بن جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ پر سلام بھیج کر امت کے لیے تعلیم دے دی کہ یوں میرے اوپر سلام پڑھا کرو۔ (اس لیے یہ ہمارے لیے قابل عمل ہو گیا) چنانچہ اسی طرح ہمارے لیے مستحب ہوا کہ ہم کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کے لیے بالکل واضح طور پر شکر گزاری کریں۔[1] تو اس روایت پر بحث کرتے ہوئے اس کے جواب میں اسماعیل الانصاری کہتے ہیں؛ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی السنن للبیھقی کی یہ عقیقہ والی روایت کہ جس پر امام سیوطی رحمہ اللہ نے "عمل المولد النبوی" کے لیے تخریج کی ہے، اہل العلم کے نزدیک اس حدیث کے عدم ثبوت کی وجہ سے یہ "ساقط" ہے۔ اور اس کے لیے دلائل درج ذیل ہیں:

① جب امام مالک رحمہ اللہ سے اس روایت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے نبی ﷺ کے صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ جنہیں دورِ جاہلیت میں عقیقہ کرنے کی اجازت نہیں تھی، انہوں نے اپنے لیے اسے اسلام میں ادا کیا ہو؟ (امام مالک رحمہ اللہ نے حاضرین سے یہ سوال اس بنا پر کیا کہ ان کا دور صحابہ کرام کے زمانہ سے بالکل متصل تھا۔ یعنی ہزاروں تابعین ابھی تک حیات تھے۔) یہ روایت تو متروک راویوں کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ (کہ جن کی روایت کو محدثین قبول نہیں کرتے اور جو بیان کر دیتے ہیں وہ اس بنا پر کہ لوگ ایسی روایات سے متنبہ رہیں۔) اس لیے یہ باطل روایات میں سے ہے۔ (اس کلام کے لیے ابن رُشد المالکی رحمہ اللہ کی المقدمات الممھدات (لبیانِ ما اقتضتة رسوم المدونة من الاحکام والتحصیلات المحکمات الشرعیات لأمھات مسائلھا المشکلات) میں کتاب العقیقہ: ۱۵/۲ دیکھئے)

---

[1] حوالہ کے لیے دیکھئے: حسن المقصد فی عمل المولد للسیوطی جو حاوی للفتاوی میں مشتمل ہے۔ اور ایسے المواھب اللدنیہ کے شارح امام زرقانی رحمہ اللہ نے ج: ۱، ص: ۱۴۰ میں ذکر کیا ہے

☆ ابوداؤد اپنی کتاب ''مسائل امام احمد'' میں بیان کرتے ہیں کہ: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا؛ ''یہ نبی ﷺ کے بارے میں جو عبداللہ بن محررؒ عن قتادۃ عن انسؓ والی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کے بعد اپنے لیے عقیقہ کیا تھا.......... یہ حدیث منکر (متروک العمل والاثبات) ہے اس میں نکارہ کا سبب عبداللہ بن محرر ہے۔ (مسائل احمد، دو ہیں۔ ایک یہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے اور دوسری امام احمد کے بیٹے عبداللہ کی طرف منسوب ہے۔ رحمہم اللہ جمیعًا۔ دونوں اصحاب نے امام موصوف سے مسائل دریافت کرکے انہیں ترتیب دیا تھا اور یہ دونوں طبع ہو چکی ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی اس حدیث پر جرح امام ابن قیم رحمہا اللہ نے ''زاد المعاد اور تحفۃ الودود باحکام المولود'' ص:۵۱ میں بھی نقل کی ہے۔)

☆ ابن حبان ؒ اپنی کتاب'' کتاب المجروحین''میں (جلد دوم ص:۲۹ طبعة دائرة المعارف العثمانيه) اس روایت کے راوی عبداللہ بن محرر کی سوانح حیات میں لکھتے ہیں؛ ''عبداللہ نے قتادہ سے روایت کیا اور انہوں نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے کہ؛ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی ذات کے لیے عقیقہ کیا کہ اللہ نے انہیں نبی بنا کر بھیجا ہے۔'' تو اس حدیث کا راوی عبداللہ بن محرر اللہ تعالیٰ کے اچھے بندوں میں تھا۔ مگر اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو جھوٹ بولتے ہیں اور علم نہیں رکھتے۔ وہ اخبار و روایات (اور احادیث) کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے اور (اصول و قواعد حدیث کو) سمجھتا نہیں ہے۔ اپنے دور کے ایک بہت بڑے محدث ابو اسحاق الطالقانی بیان کرتے ہیں؛ میں نے جناب عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ کو فرماتے ہوئے سنا؛ اگر مجھے عبداللہ بن محرر پر حدیث کے معاملے میں قدغن و تہمت لگانے یا جنت میں داخل ہونے میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جائے تو میں اس پر جرح کرنے کو ضرور اختیار کروں اور اس کے بعد جنت میں جاؤں۔ کیونکہ اس کی نسبت مجھے گوبرا اچھا لگتا ہے۔ (امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح کے مقدمہ میں عبداللہ بن محرر کو منکر الحدیث

شمار کیا ہے۔ اور اس بات کو بھی انہوں نے نقل کیا ہے۔) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام دارمی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''عبداللہ بن محرر قابل اعتماد اور ثقہ نہیں ہے۔''[1]

۴ امام بزار رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''عبداللہ بن محرر کی عن قتادہ عن انس والی روایت میں ایک تو عبداللہ خود قابلِ اعتبار نہیں دوسرا یہ کہ اس کے علاوہ اس حدیث کو کسی اور نے بیان بھی نہیں کیا۔ اور وہ سخت ضعیف ہے۔ کئی روایات ایسی ہیں جنہیں وہ اکیلا بیان کرتا ہے اس کے علاوہ کسی اور کے ہاں لکھی ہوئی نہیں ملتیں۔''[2]

۵ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں؛ عبداللہ بن محرر نے ایک منکر (یعنی متروک) حدیث بیان کی ہے کہ جس میں نبی ﷺ کے اپنی ذات کے لیے عقیقہ کا ذکر ہے۔ (یعنی اس حدیث کو محدثین اصولِ حدیث کے خلاف پا کر چھوڑ چکے ہیں۔) امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (صاحب المصنف) بیان کرتے ہیں: ''محدثین نے عبداللہ بن محرر کو اس حدیث کی (دروغ گوئی کی) وجہ سے واقعی چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ عن قتادہ عن اُنس کسی بھی محدث نے اس حدیث کو اس کے صحیح پس منظر میں نہ ہوتے ہوئے بیان نہیں کیا۔''[3] سیوطی امام بیہقی والی اس عن عبداللہ بن محرر عن قتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ والی روایت سے مولد النبی کے قائل نظر آتے ہیں مگر انتہائی افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس ضعیف روایت کو بنیاد بناتے ہوئے امام سیوطی رحمہ اللہ کے استدلال کو بہانہ تو بناتے ہیں مگر اسی امام بیہقی کی اسی السنن الکبریٰ، باب العقیقه سنة ج: ۹،ص: ۳۰۰ مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیه بحیدرآباد دکن الهند میں ان کا یہ حکم انہیں نظر نہیں آتا؟ "وروی عبدالله بن محرر فی عقیقه النبی ﷺ عن نفسه حدیثًا منکرًا."

---

[1] حوالہ کے لیے دیکھئے: کتاب المجروحین لابن حبان

[2] اس کے لیے دیکھیں: کشف الأستار عن زوائد البزار علی الکتب الستة، کتاب قضاء العقیقه۔

[3] دیکھئے: السنن الکبریٰ للبیهقی: ۳۰۰/۹ کتاب العقیقه سنة

۶ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الشیرازی نے اس روایت کو بطور حدیث پیش کرتے ہوئے نبی ﷺ کا اپنے لیے عقیقہ کرنے کو جو دلیل کے طور پر مانا ہے اور اسے البیھقی نے عن عبداللہ بن محرر عن قتادۃ عن انس روایت کیا ہے......تو یہ حدیث باطل ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس پر حکم لگاتے ہوئے فرمایا ہے کہ: '' هُوَ حَدِیْثٌ مُنْكَرٌ...... عبداللہ بن محرر ضعیف ہے اور اس کے ضعف پر تمام محققین رجال متفق ہیں، وہ متروک الحدیث ہے۔''[1]

۷ امام مزّی رحمہ اللہ نے بھی عبداللہ بن محرر کی سوانح حیات قلم بند کرتے ہوئے امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے الفاظ کی موافقت کی ہے۔ کہ محدثین نے اسے چھوڑ رکھا ہے۔[2]

۸ امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب '' میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' میں عبداللہ بن محرر والے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''احمد کہتے ہیں: لوگ اس کی روایت کو چھوڑ چکے ہیں۔ الجوزجانی کہتے ہیں؛ بربادی پھیلانیوالا (باطل) ہے۔ دارقطنی اور علماء کی ایک جماعت فرماتے ہیں؛ متروک الحدیث ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں؛ عبداللہ بن محرر نے اللہ کے بہترین بندوں میں سے ہونے کی بجائے اپنے آپ کو ان سے مستثنیٰ کر کے ان میں ہونا قبول کرلیا ہے جو بغیر علم کے جھوٹ بولتے ہیں۔ اور وہ بغیر علم کے آثار وروایات کے الفاظ اور معانی کو بالکل بدل دیتا ہے۔

ابوجعفر منصور نے اسے ''رقہ'' کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ (محدثین کے لیے دنیادار حاکموں کی سرکاری نوکریاں ان کے کردار کو مشکوک کر دیتی ہیں۔ میزان الاعتدال للذھبي)

۹ حافظ ابن حجر العسقلانی امام عبدالرزاق رحمہما اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں؛ السنن الکبریٰ للبیھقی میں عن قتادہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو روایت ہے کہ نبی ﷺ نے

---

[1] اس کے لیے دیکھیں: مجموع شرح المهذب: ۳۳۰/۸ للنوویؒ، کتاب العقیقه

[2] دیکھئے: تهذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی

اپنی بعثت کے بعد اپنا عقیقہ کیا تھا۔ یہ حدیث منکر ہے۔ یہ عبداللہ بن محرر سے مروی ہے جو بالکل ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں: ''جیسے حضرت قتادہ سے دوسری احادیث (عبداللہ بن محرر کے علاوہ دیگر رواۃ سے) صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں، انہیں دیکھتے ہوئے میں یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ یہ نبی ﷺ کی حدیث ہو۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل) جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو قتادہ سے اس کے بارے میں تمام بیان کردہ کلمات اصولِ حدیث کے خلاف ہیں جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ حضرت قتادہ اپنی طرف سے کوئی فتویٰ دیا کرتے تھے؟ ان سے مرفوع حدیث اس ضمن میں کوئی بھی مروی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں البزار اور دیگر محققین رجال نے پکا پتہ کرلیا تھا کہ اس روایت کے بیان میں عبداللہ بن محرر عن قتادہ بالکل تنہا ہے۔ جیسا کہ انس سے نیچے دوسرے راویوں کے لیے صحیح پس منظر میں دیکھتے ہوئے بات ہوئی تو الضاحی میں ابوالشیخ کے ذریعے سے یہ بیان کی گئی ہے اور اسے ابن ایمن نے اپنی مصنف میں بواسطہ عبدالله بن مثنی عن ثمامه بن عبدالله بن أنس عن أبیه روایت کیا ہے اور یہ ساری اسناد مجہول ہیں۔ النوویؒ نے ''شرح مہذب'' میں کہا ہے کہ یہ روایت بھی باطل ہے۔''[1]

⑩ اسی انداز سے فتح الباری جلد نمبر: ۹ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضعف و بطلان پر تمام زاویوں سے صحیح پس منظر میں جائزہ پیش کیا ہے۔[2]

⑪ اسی لیے امام زرقانی رحمہ اللہ (شارح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس فیصلے کو قبول کرتے ہوئے اس کا حوالہ دیتے ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ کی اس حدیث پر شرح (ان کی کتاب شرح المواهب: ۱/۱۴۰ سے) نقل کرتے ہوئے کہتے

---

1. دیکھئے: تلخيص الحبير للحافظ ابن حجر: ۱٤۷/٤ باب العقيقه
2. دیکھئے: فتح الباری شرح باب اماطة الأذى عن الصبی

ہیں: اس سے نبی ﷺ کی میلاد ہر گز ثابت نہیں ہوتی۔ اور اس سے یہ استدلال قطعاً غلط ہے۔'' [1]

امام سیوطی رحمہ اللہ کی اس مسئلہ میں تائید اور اس کا تحقیقی جائزہ

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحاوی للفتاوی'' میں زیرِ عنوان ''میلاد منانے میں ایک اچھا مقصد'' کا ایک خصوصی باب قائم کیا ہے۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں: ربیع الأول کے مہینے میں نبی ﷺ کی میلاد منانے سے متعلق ایک سوال پوچھا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ: اس ''احترام'' میں فرض شناسانہ قانونی (شرعی) فیصلہ کیا ہے؟ (آگے اس سوال کی وضاحت کے لیے چند اور سوالات ہیں۔)

1. کیا یہ کام اچھا ہے یا برا؟
2. جو شخص میلاد مناتا ہے کیا اسے کوئی انعام واکرام بھی ملتا ہے؟ (امام صاحب فرماتے ہیں:

میری رائے میں اس کا جواب درج ذیل ہے: میلاد منانا...... کہ جو بنیادی طور پر لوگوں کا باہم اکٹھے ہونا، قرآنی سورتوں کا تلاوت کرنا، نبی ﷺ کی پیدائش سے متعلق قصے، کہانیاں بیان کرنا، اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں) آواز ملا کر گانا پھر کھانا تقسیم کرنا اور بعد میں رخصت ہو جانا...... ''بدعاتِ حسنہ'' میں سے ایک عمل ہے۔ اور جو آدمی اسے عمل میں لاتا ہے وہ انعام پاتا ہے کیونکہ یہ کام نبی ﷺ کا مرتبہ ومقام بیان کرنے میں پورا وقت لیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلِ احترام میلاد منانے کے لیے وہ شادمانی کا اظہار کرتا ہے۔

مگر امام سیوطی رحمہ اللہ کی اس ضمن میں اپنی ذاتی رائے کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ان کی بنیاد السنن الکبریٰ للبیہقی کی اس روایت پر تھی جس پر گزشتہ فصل میں ایک نتیجہ خیز اور

---

[1] ان تمام باتوں کے حوالے کے لیے فضیلۃ الشیخ اسماعیل الانصاری رحمہ اللہ کی کتاب "القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد خیر الرسل طبعة رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد بالرياض" دیکھیں: جس کی ابو رمیشہ نے تحقیق کی ہے۔

سیر حاصل بحث گزر چکی ہے اور اس کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ اس پر بھی مفصل بات ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس ہم قبل ازیں یہ ثبوت پورے دلائل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں کہ درحقیقت یہ حدیث، منکر، متروک اور ضعیف ہے۔ اس لیے میلاد منانے کے حق میں اسے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ امام بیہقی بذات خود اس کے منکر ہونے پر اظہار فرما چکے ہیں۔ (جیسا کہ پیچھے دیے گئے حوالہ کے مطابق ان کی السنن الکبریٰ میں درج ہے۔) اور یہی بیہقی کی وہ روایت ہے جس کا حوالہ سیوطی رحمہ اللہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی ضرور دیکھنا چاہیے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اور کہاں سے دلائل حاصل کرتے ہیں؟ اس لیے کہ دینِ اسلام کی بنیاد قرآن وسنت کے دلائل پر ہے نہ کہ دلی جذبات وخیالات پر۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ اس نظریہ (انعقادِ محافل میلاد وجشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت میں شریعت اسلامیہ المطہرہ کے اندر کوئی دلیل اور ثبوت نہیں۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے امام سیوطی رحمہ اللہ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے اور انہیں جنت میں داخلے کا حق دار بنا دے۔

چوتھی دلیل اور اس کا جائزہ

مزید برآں وہ باتیں جو ''میلاد النبی ﷺ کی حمایت والے نظریہ کے خلاف'' ایک مسلمان، مومن آدمی کے دل کو قائل اور اس کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ: اس کام کے لیے ان میلادیوں کی کم تر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے دھوکہ دہی کی خاطر دروغ گوئی ہے۔ اس ''بدعتِ حسنہ'' کے لیے کسی مسلمان آدمی کا دل پھیرنے کے لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا (البدایہ والنہایہ جلد نمبر: ۱۱، ص: ۱۷۲ پر) غلامانِ فاطمیہ کی اس نسل کے ایک بادشاہ کا تذکرہ ہے کہ جن کا درحقیقت خاندانی تعلق یہود سے تھا۔ (اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان فاطمی حاکموں کی سلطنت ایک عرصہ تک مصر پر رہی ہے۔)

اس کا نام عبیداللہ بن میمون الکداح ہے۔اس نے ۳۵۷ھ سے ۳۶۷ھ تک ۱۰ سال مصر پر حکومت کی تھی۔اس نے اہلِ مصر کے درمیان کئی ایک دن منانے کا رواج دیا تھا۔انہی دنوں میں میلاد النبی ﷺ کا دن منانا بھی شامل تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے عظیم مفکر و مدبر، مفسرِ قرآن اور شیخ الاسلام کی طرف اس طرح کے بہتان کا انتساب انتہائی توہین آمیز دھوکے بازی کا الزام ہے اور سارے اسلام کی تعلیمات پر بھی۔اس بات کی سچائی میں (ہم ان کی عبارت کو نقل کر دیتے ہیں) ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد نمبر:۱۳،ص:۱۳۶ پر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں: ''الملک الفاتح ابوسعید کوکبوری کریم النفس، ممتاز حاکموں اور پرشکوہ بادشاہوں میں سے ایک تھا۔اس نے اپنے پیچھے اچھے نقوش چھوڑے ہیں۔وہ میلاد پاک کو بہت ہی پرجوش اور ایک جشن کے طور پر مناتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ ایک بہادر، شجاع، دانشمند اور تعلیم یافتہ بادشاہ تھا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: وہ میلاد کے موقع پر ہر سال تین لاکھ دینار (جو آج کل کے کروڑوں روپے بنتے ہیں۔) خرچ کیا کرتا تھا'' یہ لوگ اس بات کی تائید میں امام محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ کی کتاب سِیَر اعلام النبلاء (جلد نمبر: ۲۲، ص۳۳۶) کی ایک عبارت کا بھی حوالہ دیتے ہیں:''وہ ایک شریف النفس، انصاف پرور، دینی تعلیمات کا عالم اور علم حدیث کا ماہر تھا۔''

میلاد کی حمایت میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ والے دعویٰ کی حقیقت

علاوہ ازیں کچھ اور بھی متعدد دعاوی ہیں کہ حافظ ابن کثیرؒ نے محافل میلاد النبی کے انعقاد کی حمایت کی ہے۔اور یہ کہ اس نظریہ کی حمایت میں انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔مگر یہ دعویٰ بذات خود ایک جعل سازی ہے اور اس کا ثبوت ہم سعودی عرب کے ایک بہت بڑے عالم دین فضیلۃ الشیخ اسماعیل الانصاری رحمہ اللہ (جو کچھ ہی عرصہ قبل فوت ہوئے ہیں) کی

زبانی پیش کرتے ہیں۔ کویت سے شائع ہونے والے ایک رسالہ " المجتمع "کے شمارہ نمبر:۵۵۹ (۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ) میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا جواب دیتے ہوئے شیخ موصوف فرماتے ہیں:''یہاں کچھ مضامین نگاروں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل کے انعقاد میں دلائل دیتے ہوئے جو قدیم مصنفین میں سے بعض کا حوالہ دیا ہے کہ ''کشف الظنون فی أسامی الکتب والفنون'' کے مؤلف نے اپنی اس کتاب کے ص:۳۱۹ پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ انہوں نے میلاد شریف کے حق میں کچھ کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسا کہ؛ ① جامع الآثار فی مولد النبی المختار (۳ جلدوں میں) ② اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق (مختصر ایک جلد میں) ③ اور ایک مضمون نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے: ابن فہد نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک اور کتاب ''مورد الصادی فی مولد الهادی'' کے عنوان سے لکھی ہے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ؛ حافظ السخاوی رحمہ اللہ کی بھی میلاد کے موضوع پر ایک کتاب ہے: ''التبر المسبوك فی ذیل السلوك ''......تو یہ ساری باتیں ایک سنگین غلطی پر مبنی جھوٹ ہیں۔ اس کے ثبوت میں بنیادی طور پر کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ ہم نے ان مضمون نگاروں کی بات کا پیچھا کرتے ہوئے کشف الظنون کا مطالعہ کیا تو بات کچھ اور نکلی۔ صاحب تصنیف رحمہ اللہ نے ص:۵۳۳ پر حرف جیم کی سیریل میں '' جامع الآثار فی مولد المختار'' کا مصنف حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (المتوفی ۸۴۲ھجری) کو لکھا ہے۔ اسی طرح کشف الظنون کے باب اللام ص:۱۵۵۹ پر ہے کہ:''اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق'' ایک کاپی پر مختص سا رسالہ ہے جس کا مصنف بھی حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی ہے۔ بعینہٖ کشف الظنون کے ص:۱۹۱۰ پر باب المیم میں درج ہے کہ: حافظ السخاوی نے " الضوء اللامع "میں ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض کتب کی تصنیف کی ہے اور ان میں سے حافظ محمد بن ناصر الدین الدمشقی بھی ہیں۔ ان کی اس موضوع پر تصانیف ہیں: ① جامع

الآثار فی مولد النبی المختار (۳ مجلدات) ②مورد الصادی فی مولد الهادی (ایک کاپی میں) اور ③اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق. یہ کتاب موردالصادی...... سے بھی مختصر ہے۔

المجتمع کے کالم نگار نے " مورد الصادی فی مولد الهادی " کے بارے میں یہ جو کہا ہے کہ ابن فہد نے اس کی نسبت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف ہے تو یہ بات بھی قطعاً بے بنیاد ہے اس کی کوئی اساس نہیں۔ ابن فہد نے تو اپنی کتاب " لحظ الألحاظ بذَیل طبقاتِ الحُفّاظ "(ص: ۳۲۰ اور ص: ۳۲۱) میں حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی کی تصانیف کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی درج ذیل تصانیف ہیں: ①جامع الآثار فی مولد المختار②توضیح المشتبه③افتتاح القاری لصحیح البخاری④مورد الصادی فی مولد الهادی..... اور پھر ان کی باقی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے ابن فہد کہتے ہیں؛ اور⑤" اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق " بھی۔

مورد الصادی..... کے بارے میں جیسا ابن فہد نے لکھا ہے کہ یہ محمد بن ناصر الدین الدمشقی کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ یہی بات پورے وثوق کے ساتھ امام السخاوی اور الشوکانی نے کی ہے۔ السخاوی نے یہ بات اپنی کتاب "الضوء اللامع لأعیان القرن التاسع " جلد نمبر: ۸، ص: ۱۰٤ پر پوری وضاحت سے لکھی ہے۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف " البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع " ص: ۱۹۸ پر۔

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف ان کتب کی تصنیف کا انتساب قطعاً بے بنیاد ہے۔ اور اسی طرح ابن فہد پر الزام کہ انہوں نے ابن کثیر رحمہما اللہ کے متعلق یوں لکھا ہے...... سراسر جھوٹ ہے۔

پھر یہ کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ①اپنی (تاریخ والی) مشہور و معروف تصنیف "البدایه والنهایه" میں سیرت نبوی علی صاحبها التحیة والسلام والے حصے میں نبی کریم ﷺ کی ولادت والے تذکرہ کے مقام پر اور ② سیرت مطہرہ کے موضوع پر اپنی ایک

الگ تصنیف میں اور ③ اپنی اس موضوع پر تیسری کتاب " الفصول فی اختصار سیرة الرسولؐ" اور ④ بالخصوص المولد النبوی (علی صاحبها التحیة والسلام) کے بارے میں ایک مستقل تصنیف (جو صلاح الدین المنجد کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔) میں سے کسی میں بھی آپ "میلادنبوی کی محافل کے درپے نہیں ہوئے اور نہ ہی اپنی ان کتب میں ان منکرات کو قبول کیا ہے جو بعد والے ادوار میں میلاد کے حوالہ سے مسلمانوں میں در آئی ہیں۔اس لیے شیخ الاسلام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ پر اس طرح کے الزام کو ہم قبول نہیں کرتے۔اور محمد بن علوی المالکی نے اپنی کتاب"الاحتفال بالمولد النبوی الشریف"کے ص:۳۸ پر جو لکھا ہے کہ:"حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی ولادت بھی ان (خوش نصیب) ولادتوں میں سے ایک ہے کہ جنہوں نے میلادنبوی کی محافل کو کھل کر بیان کیا ہے۔" قطعاً غیر مناسب ہے۔

جہاں تک "المجتمع" کے ایک مقالہ نگار کی اس بات کا تعلق ہے کہ؛ امام سخاوی رحمہ اللہ کی" التبر المسبوك فی ذیل السُلوك"میلادنبوی کے موضوع پر مشتمل ایک کتاب ہے۔تو یہ بات بھی قطعاً غلط ہے۔امام سخاوی رحمہ اللہ نے احمد بن علی المقریزی کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے (التبر المسبوك کے ص:۲۳ پر) لکھا ہے کہ میری یہ کتاب"التبر المسبوك" دراصل المقریزی کی کتاب"السُلوك بمعرفة دُوَل المُلوك"پر ایک حاشیہ ہے۔اسی طرح السخاوی رحمہ اللہ نے" الضوء اللامع..... جلد نمبر:۸،ص ۱۷ پر صراحت کی ہے کہ"التبر المسبوك فی الذَّیل علی تاریخ المقریزی السلوك" دراصل چار جلدوں پر مشتمل وہ کتاب ہے جو ۴۵ھ ہجری سے لے کر اس دور تک کے حوادث اور وفیات کو بیان کرتی ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب میلادنبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع کو نہیں بلکہ کچھ صدیوں پر مشتمل ایک تاریخ کو بیان کرتی ہے۔اگرچہ بعض باتیں اس میں میلاد کے حوالے سے ضمناً آ گئی ہیں مگر اصل موضوع کوئی اور ہے۔

پانچویں دلیل اور اس کا جائزہ

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل'' ایک ایسا مستحسن عمل ہے جسے علماء نے بہت ہی اچھا جانا ہے اور اس پر دنیا کے گوشے گوشے میں عمل جاری ہو چکا ہے۔ (بلکہ عصرِ حاضر کی غلام مسلمان حکومتیں تو اب '' جشنِ عید میلاد النبی صلی الله علیه وسلم '' کو سرکاری طور پر منانے لگی ہیں۔)......تو اس کا جواب امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة اصحاب الجحیم'' کے ص:۲۹۱ پر کئی ایک موسمی میلادوں سمیت تمام بدعات وخرافات کا احاطہ کرتے ہوئے بہت خوب دیا ہے: '' یہ تمام بدعات عقائد کی خرابیوں کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور اس دینِ حنیف کے بھی بالکل متضاد ہیں جسے نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ ان کے اندر جو نفع اور فائدہ ہوتا ہے وہ (سنت کے مقابلے میں) اس قدر لاغر اور کم پایا جاتا ہے کہ اللہ کے ہاں پیش کرنے کے لائق کبھی بھی نہیں ہوتا۔ (چنانچہ یہ بات بھی غلط ہے کہ علماء نے اس بدعت کو مستحسن جانا ہے۔ علماءِ حق کی زمانۂ قدیم اور جدید کی ایک بہت بڑی اکثریت نے اس کام کو کبھی مستحسن شمار نہیں کیا۔)

اس بات کو تفصیلاً یوں بیان کیا جاسکتا ہے: '' جب کبھی مسلمان قوم کے فضل و مراتب والے لوگوں نے کسی دور میں بدعات کو اپنایا ہو اور بعد والے زمانہ کے لوگوں نے انہیں کراھت والے اعتقاد کے ساتھ چھوڑ دیا ہو اور اسی طرح ایک جماعت نے ان کا بالکل ہی انکار کر دیا ہو......تو یہ منکرین و تارکینِ بدعات اگرچہ دنیاوی جاہ وجلال میں ان پہلے والے لوگوں کے ہم پلہ نہ بھی ہوں مگر اللہ کے ہاں ان سے زیادہ فضیلت والے ہوں گے چاہے انہیں درجہ وفضیلت میں ان سے کم ہی کیوں نہ فرض کر لیا گیا ہو۔ اس وقت اگر صاحبِ اقتدار اور قوت والے لوگ ان (سنت کے پیروکاروں اور بدعات وخرافات سے متنفر لوگوں) سے

تنازعہ کریں تو معاملہ کو اس حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف لوٹانا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

[النساء آیت نمبر: ۵۹]

''ایمان والو! مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی اطاعت اور اپنے میں سے اختیار والوں کی بھی۔ پھر اگر تم (اور حاکم وقت) میں کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ (یعنی اس کی کتاب) اور اس کے رسول (یعنی اس کی حدیث وسنت) کی طرف لوٹا دو۔ (یعنی قرآن وسنت پر پیش کرو) اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔''

(صحیحین میں نبی ﷺ کا اُولِی الْاَمْرِ..... یعنی اصحابِ اقتدار واختیار کے بارے میں فرمان ہے:'' اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ..... کہ امیر کی اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔''

چنانچہ ان تمام بدعات کو جب قرآن وسنت پر پیش کیا جاتا ہے تو وہ دونوں (یعنی قرآن اور حدیث) ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو ان بدعات سے نفرت کریں نہ کہ ان کے ساتھ جو ان کے بارے میں رخصتیں تلاش کرتے پھریں۔ کبار علماء امت، آئمہ دین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تفقہ فی الدین میں سے اپنی مطلب کی بات نکال کر ایسی بدعات کو فروغ دینا ہمیشہ امت کے کمزور عقائد واعمال والے لوگوں کا کام رہا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد بن علوی بن عباس المالکی الحسنی اپنی کتاب'' الاحتفال بالمولد النبوی الشریف''(ص:۱۹ تا ص۲۱) میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''اقتضاء الصراط المستقیم.....''[1] میں سے

[1] طبعة انصار السنة المحمدية رستم پارك، نواں كوٹ لاهور، بتحقيق محمد حامد الفقى رحمه الله/رئيس انصار السنة المحمدية بمصر / القاهره ص: ۲۹۴

ایک عبارت کو (جو اپنے مطلب کی ہے) نقل کرتے ہیں (اور اس کے بعد والی جو اپنے نظریہ کے خلاف ہے اسے چھوڑ کر،) اس سے پہلے عنوان قائم کرتے ہیں؛" رَأْيُ الشَّيْخِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِيْ الْمَوْلَدِ يَقُوْلُ: قَدْ يُثَابُ بَعْضُ النَّاسِ عَلَى فِعْلِ الْمَوْلِدِ"..... "شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ کی میلاد کے بارے میں رائے، فرماتے ہیں؛ میلاد منانے پر بعض لوگوں کو اجر وثواب دیا جاتا ہے۔"

شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی "اقتضاء الصراط المستقیم" میں عبارت یوں ہے:

(ترجمہ) "اور اسی طرح بعض لوگ جو دین میں نئے نئے کام ایجاد کرتے ہیں، وہ یا تو عیسائیوں کی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا میلاد منانے میں مشابہت اختیار کرتے ہوئے کرتے ہیں یا پھر نبی ﷺ کے ساتھ محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں ایسا کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں (جو نبی ﷺ کی محبت میں ایسا کرتے ہیں) اس محبت اور جدو جہد پر اجر وثواب دے گا نہ کہ بدعات پر۔ اور لوگوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں اختلاف کے باوجود میلاد النبی کو عید منانے پر کہ اسے سلف صالحین نے اس سے عدم ممانعت اور قیام ضرورت کے پیشِ نظر ہرگز نہیں منایا اور اگر اس کام میں صرف خیر یا اجر وثواب مقصود ہوتا تو ہماری نسبت ہمارے اسلاف (صالحینِ امت) ضرور اسے مناتے۔ اس لیے کہ وہ ہماری نسبت نبی ﷺ کے ساتھ محبت اور آپ ﷺ کی تعظیم میں زیادہ سخت تھے...... الخ"

(یہاں پر رئیس انصار السنة المحمدية فی مصر / القاهره فضيلة الشيخ محمد حامد الفقی رحمه الله کا ایک نوٹ اقتضاء الصراط المستقيم پر نہایت شاندار ہے جس میں انہوں نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اس عبارت کے سیاق وسباق کے حوالے سے کہا ہے کہ ؛ امام موصوف رحمہ اللہ نے یہاں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی ہے۔ فجزاهما الله خیرًا۔)

تو ڈاکٹر محمد بن علوی المالکی الحسنی کے اس اقتباس اور پھر اس پر اس کے اپنے مطلب کی

حاشیہ آرائی کا جواب دیتے ہوئے فضیلۃ الشیخ اسماعیل بن محمد الأنصاری رحمہ اللہ (اپنی کتاب" القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد خیر الرسل" کے ص:۵۱۳ تا ص:۵۲۱ پر) فرماتے ہیں: [1]

" امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر اس الزام کا جواب ہم ان کی اپنی کتاب (اقتضاء الصراط المستقیم ص:۲۹۴) سے پیش کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:" پیچھے جو بات (۱۸ ذوالحجہ کو عید غدیر خم منانے والی) ہوئی ہے اس سے ہماری مراد امامت والے مسئلہ کو بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ ہماری غرض یہاں اس بات کی وضاحت تھی کہ اس دن (۱۲ ربیع الاول) کو عید منانا ایک بدعت ہے جس کی قرآن وسنت میں کوئی دلیل نہیں۔ یہ کام نہ ہی تو

---

[1] شیخ موصوف اسماعیل بن محمد الأنصاری رحمہ اللہ کی یہ کتاب (أَلْقَوْلُ الْفَصْلُ ......الخ) عید میلاد النبی ﷺ کے رد میں ایک نہایت محقق اور مدلل کتاب ہے۔اس کتاب کی تصنیف کے پس منظر میں ایک بہت بڑا عندیہ تھا۔وہ یہ کہ مملکتِ سعودیہ کے مفتی اعظم اور عصر حاضر کے جلیل القدر سلفی عالمِ دین فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے"عید میلاد النبی ﷺ کے بدعت" ہونے پر نہایت مدلل اور عالمانہ طرزِ تحریر کے ساتھ ایک رسالہ قلم بند کروایا تھا جو عربی زبان اور دیگر کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر دنیا بھر میں تقسیم ہوا۔اس سے ہزار ہا لوگ راہِ راست پر آ گئے۔ مگر جن لوگوں کے بطنوں میں ہمیشہ بدعات وخرافات کے مروڑ اٹھتے رہتے ہیں اور ہر دور میں انہیں اپنی دکانداری کی فکر دامن گیر رہتی ہے انہوں نے اس رسالہ کا جواب لکھا۔جواب لکھنے والوں میں عرب لکھاری بھی تھے اور عجمی بھی۔چنانچہ:

① محمد بن علوی بن عباس المالکی الحسنی نے اپنی چھوٹی بڑی تعلیقات اور رسالوں......مثلاً ا۔علی القاری کی "المورد الروی فی المولد النبوی "پر اپنی تعلیقات میں،ب۔عبدالرحمٰن بن الدیبع الشیبانی کی"مختصر فی السیرۃ النبویۃ " پر مولد الدیبع اور مولد الحافظ ابن الدیبع پر اپنی تعلیقات میں اور ج۔اپنے رسالہ "حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف"میں۔

② الأستاذ یوسف السید ہاشم الرفاعی نے کویتی اخبار "السیاسۃ" کے شمارہ نمبر:۴۸۵۹ اور نمبر ۴۸۷۰ (ربیع الاول ۱۴۰۲ھ) میں۔

③ کویتی رسالہ "المجتمع" نمبر:۵۵۹ (ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ) میں مضمون نگار کے نام کے بغیر شائع ہونے والے ایک مضمون میں۔

④ الأستاذ أنور أسعد ابو الجدائل نے سعودی اخبار "المدینۃ المنورہ"میں......

ان سب مضمون نگاروں (اور ان کے علاوہ دیگر کئی ایک) نے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے بعض استدلالات اور دلائل کا جواب اپنے کمزور موقف کے ساتھ دینے کی کوشش کی ہے۔جنہیں فضیلۃ الشیخ اسماعیل محمد الانصاری رحمہ اللہ.........

اھل بیت کے اسلاف میں رائج تھا اور نہ ہی ان کے علاوہ دوسرے اسلافِ اطہار میں کہ جنہوں نے اس دن کو عید کے طور پر منایا ہو اور اس میں بدعات کو ایجاد کرلیا ہو۔ یاد رکھو کہ عیدیں شریعتوں کا حصہ ہوتی ہیں اور ان میں اپنی شریعت کی اتباع واجب ہوتی ہے نہ کہ بدعات کی ایجاد۔ (ان کاموں میں اپنی مرضی نہیں چلتی۔ اگر مناسبتیں ہی عید کا سبب ہوتیں تو) نبی ﷺ نے سینکڑوں خطبے دیے جن میں دین اسلام کے اصول وقواعد بیان فرمائے، بیسیوں معاہدے کیے جن سے علاقے میں امن وامان قائم ہوا، اور کئی ایک دنوں میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے جیسے کہ غزوۂ بدر میں کامیابی، غزوۂ احزاب، خیبر کی فتح، فتح مکہ، جنگِ حنین میں فتح مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں کامیاب داخلہ۔ مگر ان جیسے یادگار دنوں کو عید کے طور پر منانا واجب نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ کبھی سنت رہے ہیں۔ بلکہ اس طرح کی مناسبتوں والے دنوں کو عید کے طور پر منانا تو یہود ونصاریٰ کا کام رہا ہے اور آج بھی وہ ایسا ہی کر رہے ہیں۔ عیسائی، نصرانی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی طرف بعض دنوں کی (کئی ایک افعال کے

(بقیہ) نے اپنی اس کتاب ''القول الفصل...... الخ میں درج کر کے ان کا منہ توڑ جواب بھی دیا ہے اور شیخ العصر علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے رسالہ کی تائید وشرح میں دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔ فجزاهما الله أحسن الجزاء۔

للأستاذ انور اسعد ابوالجد ائل نے اخبار ''المدینۃ المنورۃ'' (مؤرخہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ بروز سوموار) میں اس موضوع سے متعلق فضیلۃ الشیخ رصالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان کے ایک مضمون کا بھی رد لکھا ہے۔

''جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے رد میں درج ذیل کتب نہایت مفید ہیں:

① فضیلۃ الشیخ رمحمد عبدالسلام خضر الشقیری کی "السنن والمبتدعات المتعلقة بالأذكار والصلوات"
② تاج الدین عمر بن علی اللخمی الفاکھانی کی "المورد فی الكلام على عمل المولد"
③ علامہ محمد بخیت المطیعی الحنفی کی " أحسن الكلام فيما يتعلق بالسنة والبدعة من الأحكام"
④ ڈاکٹر صالح بن سعد السحیمی کی "تنبيه اولى الأبصار الى كمال الدين ومافى البدع من الأخطار"
⑤ فضیلۃ الشیخ راسماعیل محمد الانصاری کی "القول الفصل...... الخ
⑥ السید رشید رضا کے "فتاوی کی جلد نمبر: ۵"
⑦ الشاطبی کی "الاعتصام"
⑧ ابن الحاج کی "المدخل"
⑨ ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل المعروف بابی شامہ کی "الحوادث والبدع"

اعتبار سے) نسبت کر کے بطور عید انہیں مناتے ہیں۔ یا پھر یہود اپنے انبیاء (موسیٰ وعزیر علیہما السلام اور دیگر انبیاء کرام) کی نسبت کئی دنوں سے جوڑ کر انہیں مناتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عید شریعت کا حصہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جو شریعت وقانون بنادے اسی کی ہی اتباع واطاعت کی جائے ورنہ خلاف کرنے سے دین میں وہ کام بدعت بن جاتا ہے کہ جس کی دین میں اصل کوئی نہیں ہوتی۔ (آگے وہ عبارت ہے جس کا ترجمہ پیچھے گزر چکا۔ یعنی ......اور اسی طرح بعض لوگ جو دین میں نئے نئے کام ایجاد کر لیتے ہیں......الخ۔ اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں ؛) اور وہ (یعنی سلف صالحین میں سے صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین عظام اور مابعد کے مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ رَضى الله عنهم ورحمهم الله جميعًا) نیکی کے کام پر ہم سے زیادہ طمع رکھنے والے تھے۔ بلاشبہ نبی ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم میں اکتمال صرف آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری، آپ کے حکم کی اتباع، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ظاهرًا اور باطنًا اِحیاء، جس قرآن وسنت والے دین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اسی کی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ (اسی کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کا کام) اور اس پر دل، زبان اور ہاتھ کے ساتھ جہاد وجدوجہد میں ہے۔ السّابقون الأوَّلُوْنَ مِن المهاجرين والانصار اور تابعين و تبع تابعين عظام اور من تبعهم باحسان الى يومنا هذا (رضى الله عنهم و رحمهم الله جميعًا) کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔

جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بدعات پر حریص لوگوں کو آپ ہمیشہ ان لوگوں کا ساتھ دیتے پائیں گے جن کا ان کاموں میں نہ ہی اجر وثواب حاصل کرنے کا کوئی نیک اراد ہوتا ہے اور نہ کوشش۔ آپ انہیں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہ جس میں انہیں عملی جرأت دکھانے کا حکم دیا گیا ہے، روگردانی کرتے ہی پائیں گے۔ بلاشبہ ایسے لوگ بالکل اس شخص کی طرح ہوتے ہیں جو قرآن مجید کی کتابت سونے کے پانی سے تو کرتا، کرواتا ہے مگر اسے پڑھتا نہیں۔ اگر پڑھ لیتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا۔ یا پھر اس شخص کی طرح جو مسجد تو

نہایت شاندار اور مینا کاری والی بنواتا ہے مگر خود اس میں نماز نہیں پڑھتا، پڑھتا بھی ہے تو کبھی کبھار۔ یا پھر اس شخص کی طرح جو نہایت خوبصورت، پھول بوٹے والے جائے نماز مصلیٰ جات خوب رکھتا ہے کہ جن کے رکھنے کی شرعاً اجازت بھی نہیں ہے۔ان سے ریا کاری، تکبر اور عبادت سے بے رغبتی ٹپکتی ہے کہ ایسے افعال آدمی کو اپنے اندر الجھا کر مشروع اعمال سے غافل اور اس کے جی میں فساد کی تخم ریزی کر دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((مَا سَاءَ عَمَلُ أُمَّةٍ قَطُّ اِلَّا زَخْرَفُوْا مَسَاجِدَهُمْ......))[1]

''کسی امت کا عمل (نماز، ذکر و اذکار اور خشیت الٰہی والا) کبھی برا نہیں ہوا مگر اس وقت کہ جب انہوں نے اپنی مساجد کو نہایت خوبصورت، مینا کاری والا بنا دیا۔ (یعنی انہیں آراستہ کرنے لگے۔)''

اس بات کو خوب جان لیجئے کہ بلاشبہ کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن میں خیر و شر دونوں پائے جاتے ہیں۔خیر اس لیے کہ ان میں ایک حصہ مشروع عمل کا ہوتا ہے اور شر اس وجہ سے کہ ان میں ایک حصہ بدعت کا ہوتا ہے۔ (جیسے کہ نماز جمعہ کے بعد یا دیگر مشروع اعمال سے پہلے یا بعد میں کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا، قبریں پختہ بنانا، عورت کا بغیر محرم کے حج یا عمرہ کرنا، زکوٰۃ کے لیے اپنی مرضی سے کسی مہینے کو مخصوص کر لینا وغیرہ وغیرہ) چنانچہ بالکلیہ دین سے منہ موڑ لینے کی نسبت (کہ یہ تو بہر حال سراسر کفر اور الحاد ہوگا) یہ عمل شرک ہوگا۔جیسے کہ منافقین اور فاسقین کا (دینی اعمال میں) حال ہے۔ بعد والے زمانوں سے اکثر مسلمانوں کی حالت یہی ہوگئی ہے۔ایسے حالات میں دو باتوں کو لازم پکڑ لو۔

- ظاهراً و باطناً دونوں حالتوں میں آپ کی طمع سنت نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام پر خود بھی تمسک کی ہونی چاہئے اور اسی بات کا حکم آپ اپنے ماتحت لوگوں کو بھی دیں۔نیکی کو پہچانیں اور برائی کا انکار کریں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ/حدیث نمبر: ۷٤۱

☆ عام لوگوں کو بھی حتی الامکان سنت کی طرف دعوت دینی چاہیئے۔ ہاں! اگر آپ دیکھیں کہ وہ آدمی جو بدعت والا کام کرتا ہے اور آپ کے سمجھانے سے اسے چھوڑتا بھی نہیں، بلکہ منع کرنے سے وہ اس پر اور زیادہ پختہ ہوتا ہے تو پھر اسے ترکِ منکر پر دعوت نہ دو۔ اس سے وہ اور بھی زیادہ منکر اور مکروہ فعل میں مبتلا ہو جائے گا۔ یا اپنے اس مکروہ عمل کے ساتھ کسی واجب یا مستحب کو بھی چھوڑ بیٹھے گا کہ جس کا ترک کرنا اس مکروہ عمل سے بھی زیادہ مضر ہوگا۔

لیکن اگر بدعت میں کسی قسم کی کوئی بھلائی موجود ہے تو ممکن حد تک نرمی کے ساتھ اسے شرعی خیر اور بھلائی سے بدلنے کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ انسانی طبیعتیں کوئی بات اتنی دیر تک نہیں چھوڑتیں جب تک اس کے بدلے کوئی دوسری چیز نہ ملے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی حاکم کے متعلق کہا گیا کہ اس نے قرآن پر ایک ہزار دینار (آج کل کے لاکھوں روپے) خرچ کیے ہیں۔ تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہ کہو۔ یہ افضل ترین چیز ہے جس پر اس نے اپنا سونا خرچ کیا ہے۔'' حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ کے مسلک میں قرآن کریم کی آرائش وزیبائش مکروہ ہے۔ تو امام صاحب کے اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ: یہ عمل اگرچہ خرابی سے خالی نہیں ہے مگر اپنے اندر ایک مصلحت بھی رکھتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس طرح کے لوگ ایسی چیزوں پر اپنی دولت خرچ نہ کریں تو وہ ان کاموں پر مال خرچ کرنے لگیں گے جو بہت زیادہ برے ہیں اور اپنے اندر کوئی بھلائی نہیں رکھتے۔ مثلاً ؛ یہ آدمی اگر قرآن مجید کی تزئین کی بجائے فسق وفجور، لہو ولعب، اشعار یا فلسفہِ یونان کی کتب پر اپنا مال خرچ کر دیتا تو ظاہر ہے کہ اور بھی بُرا ہوتا۔[1]

اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر امام صاحب فرماتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی یہ (موسمی زمانی اور مکانی) عیدیں مناتا ہے اور ان کے بارے میں کوئی تاویل کرتا ہو، چاہے وہ کوئی مجتہد ہو یا مقلد، تو اسے اس کی نیک نیتی اور ان اعمال کا ثواب ملتا ہے جو مشروع

---

1. اقتضاء الصراط المستقيم...... حواله سابقه ص: ۲۹۶ تا ۲۹۸

ہوں۔ اور جو اعمال محض بدعت کے ہیں ان میں اس کے لیے مغفرت کا دروازہ کھلا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے اجتہاد یا دوسروں کی بات قبول کرنے میں اس درجے پر ہو کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کا عذر اللہ کے ہاں قبول ہوتا ہے۔

لیکن یہ صرف اس بنا پر کہ اس سے ان بدعات کی نہ کراہت دور ہو سکتی ہے اور نہ ان سے ''ممانعت غیر واجب'' قرار پا سکتی ہے۔ بلکہ ہمیشہ زور اسی بات پر دیا جائے گا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اور ان کے بدلے ان مشروع اعمال کو اختیار کیا جائے جن میں بدعت کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ (محض کسی فائدے کا حصول بدعت کو مباح نہیں کر سکتا۔) جن لوگوں نے عیدین میں اذان کا اضافہ کر دیا تھا وہی نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی عبادتوں میں فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ان کی عبادات کا کوئی نہ کوئی جزء ضرور مشروع ہوتا تھا۔ اسی طرح ان کے اقوال میں بھی کوئی نہ کوئی بات انبیاء کی صداقت سے ضرور ماثور ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود ان سے لازم نہیں آتا کہ ان کی عبادات کو اختیار کر لیا جائے یا ان کے الفاظ کو روایت کر لیا جائے۔ اس لیے کہ تمام بدعات کے لیے لازم ہے کہ وہ کسی شر کا احاطہ کیے ہوئے ہوں اور ان کا پلہ خیر کے پلہ سے ظاہر میں بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کاموں میں اگر خیر زیادہ ہوتی تو شریعت انہیں کبھی نظر انداز نہ کرتی۔ چنانچہ ہم اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ (عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاعمل) بدعت ہے اور بدعت ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا گناہ اس کے نفع سے بڑا ہے اور یہی اس سے انکار کی وجہ ہے۔

اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ان بدعات کا گناہ بعض لوگوں سے ان کے اجتہاد یا ایسے ہی کسی خاص سبب سے دور ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ان بدعات کی حقیقت بیان کرنا واجب ہے۔ اور جن لوگوں نے انہیں مباح جانا ہے ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ نیز تمام متقدمین بھی کہ جو متاخرین سے بہرکیف افضل تھے ان بدعات کو مکروہ سمجھنے والوں کی صف میں نظر آتے ہیں۔ پھر ان بدعات کے جو منافع بیان کیے جاتے ہیں ان کے مقابلے میں بہت سی

بربادیاں بھی ان بدعتوں میں موجود ہوتی ہیں۔ یہ مضرات کیا کم ہیں کہ دل ان کے گرویدہ ہو کر بہت سی سنتوں سے غافل اور مستغنی ہو جاتے ہیں۔ عوام کو دیکھو! جس ذوق، شوق سے ان بدعات کی پابندی کرتے ہیں اس قدر اہتمام کے ساتھ فرض نمازوں اور تراویح کی محافظت نہیں کرتے۔''[1]

یہاں اس آخری دلیل کا جائزہ لیتے ہوئے جو کچھ بیان ہوا اس کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں یوں ہوگا:

1. امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور بدعت ہی بنظر غائر دیکھتے تھے۔ جبکہ وہ خود سنت کے سخت پابند تھے۔ (اگر یہ کوئی اچھا عمل ہوتا تو وہ ضرور اسے بیان کرتے۔)
2. ان کی تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس بدعت کو اس آدمی کے لیے جائز سمجھتے ہیں جو (یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ بالتاکید فلاں تاریخ ہی نبی ﷺ کی ولادت والی ہے، شرعی اخلاق کی حدوں کو نہ پھلانگے اور وہ) اس کے بدلے کسی بڑی بدعت (یا جرم) کو چھوڑ دے اور پھر بعد میں اسے بھی ترک کر دے۔
3. وہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ یہ دین والا کوئی نیا کام کر رہے ہوں، اگر انہوں نے لاعلمی کی وجہ سے نیک ارادے سے اسے کیا ہو تو اس نیت کی بنا پر اس کا انہیں انعام ملے گا۔ اور ان کی تقلید قابلِ عذر ہوگی۔

اگر کوئی شخص شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصانیف کا مطالعہ کرے تو وہ یہ بات ضرور سیکھے گا کہ شیخ صاحب کسی آدمی کو چھوٹی بدعت پر روکنے سے مخالفت میں تھے کہ جب اسے یہ بدعت چھوڑنے کی وجہ سے کسی دور از قیاس زیادہ برے کام کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو فرماتے

---

[1] حوالہ سابقہ ص: ۲۹۰، ص: ۲۹۱

ہوئے سنا: تاتاریوں کے (دمشق پر) حملہ کے دوران میں اور میرا ایک ساتھی کچھ تاتاریوں کے پاس سے گزرے جو شراب پی رہے تھے۔ میرے ساتھی نے انہیں ڈانٹنا شروع کر دیا۔ تو میں نے اسے یہ کہتے ہوئے ڈانٹ پلائی: ''اللہ نے واقعی شراب کو حرام کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کی یاد اور نماز سے روک دیتی ہے۔ (اس میں کوئی شک نہیں) مگر اس طرح کے لوگوں کو یہ شراب ڈاکہ زنی، قتل و غارت اور بچوں کو غلام بنانے سے روکے رکھتی ہے۔ اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو......[1]

یا اگر کسی خاص فرد کو قوتِ نافذہ کے ذریعے اس کے جرم کی سزا دینا لازماً کسی بڑے فتنہ پر منتج ہوتا ہو تب تو یہ بہت بُرا ہے۔ اسے مت ڈانٹیں، (اور نہ اس کے خلاف اقدام کریں) اس لیے کہ یہی اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں منافقین کے خلاف باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلطہ اور قوت بھی تھی کوئی اقدام نہیں کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق بتلا بھی دیا تھا کہ ان کے عزائم کیا ہیں؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ سے خائف تھے کہ جو ان کے خلاف اقدام کے بعد ضرور کھڑا ہو جاتا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسی نوع کے بارے میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے آوارہ قسم کے اور منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول کو اس کے حامیوں کے پیش نظر مراعات دی تھیں۔ اسے اس کے جرائم والے کسی بھی راستے پر لائق تعزیر قرار دیتے ہوئے، اس کی برائی سے اسے ہٹانے کے لیے اگر کوئی اقدام کیا جاتا تو ایک بہت بڑی خیر سے نقصان کا لازماً نتیجہ نکلتا۔ یہ اس کے قبیلے اور اسی کی قبیل کے لوگوں کی طرف سے طیش میں آ کر وطن پرستی کا نعرہ لگاتے ہوئے ہوتا اور پھر نفرت انگیز لوگ لازماً افواہیں اڑاتے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں۔''[2]

---

1. اعلام الموقعین جلد نمبر: ۳، ص: ٤،٥
2. مجموعة الفتاوىٰ جلد نمبر: ۲۸، ص: ۱۳۱

توسّل

معزز قارئین کرام! ایک اور معاملہ کہ جس کا غلط مطلب سمجھ لیا گیا ہے۔ ماضی میں اس کے شرعی معانی کو مکمل طور پر اپنا لیا گیا ہے اور وہ ہے ''توسل''۔ توسل لفظِ ''الوسیلہ'' کے اصل (وسل) سے مشتق ہے۔ لغوی طور پر اس کے معانی قربت کے اور جو قریب ہوتا ہو یہ لفظ اس کا مفہوم ادا کرتا ہے اور کسی چیز کے نزدیک آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شرعی طور پر وسیلہ کی تعریف ہے: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ اس مفہوم کی طرف اس کے معانی اشارہ کرتے ہیں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ﴾ [سورۃ الاسراء آیت: ۵۷]

''یہ (مشرکین) لوگ جن کو (اللہ کا شریک سمجھ کر) پکارتے ہیں (جیسے جنات وغیرھم) وہ خود اپنے رب کی طرف ''وسیلہ'' تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور (پھر یہ کہ) وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ (جیسے دوسرے بندے رکھتے ہیں۔) اور وہ (کہ جنھیں مشرکین اپنی مشکلات میں پکارتے ہیں) رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (بلکہ مقرب لوگوں کو اور زیادہ ڈر رہتا ہے۔) اس لیے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔''

یعنی اللہ رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کر کے اللہ کے برگزیدہ بندے ''وسیلہ یعنی تقرب الٰہی'' چاہتے ہیں۔ تفسیر کی مشہور کتاب فتح البیان میں یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ایک حدیث درج ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے وسیلہ طلب کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا تقرب'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ ﴾ [المائدہ آیت: ۳۵]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس تک (پہنچنے کا) وسیلہ تلاش کرو۔ اور (اللہ کے دشمنوں سے) اس کی راہ میں جہاد کرو (یعنی لڑو) تاکہ تم فلاح پا سکو۔''

لفظ '' وَسِيْلَه.... تَوَسَّلْتُ اِلَيْهِ سے فَعِيْلَه کے وزن پر'' ہے۔ اس کی جمع وسائل آتی ہے اور اس سے مراد ہر وہ نیکی یا عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ ''وسیلہ'' جنت میں ایک بلند درجہ بھی ہے جو نبی ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہاں ایک حدیث درج کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی۔''

تفسیر کبیر میں ہے: ''یہود اپنے نسب پر فخر کرتے ہوئے اسی خوش فہمی میں کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب سمجھتے تھے۔ (جیسے ہمارے ہاں امت اسلامیہ میں بعض لوگ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھتے ہوئے گھناؤنے قسم کے جرائم میں مبتلا رہتے ہیں۔) جیسا کہ اس سے پہلی والی آیات میں گزر چکا ہے۔ اب اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ تم اگرچہ بہترامت ہو اور تمہارا نبی بھی سب سے افضل و مکرم ہے۔ (ﷺ) مگر تمہیں چاہیے کہ (یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے بزرگوں اور نبیوں کی ذوات کے وسیلے تلاش نہ کرو بلکہ) اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ آخرت میں فلاح

حاصل کر سکو۔ یعنی یہود کی طرح بد عمل نہ بنو۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ "توسل کے غلط معانی والا عقیدہ بھی درحقیقت مستقل بنیادوں پر استوار ہو چکا ہے۔ جبکہ یہ تو شریعت کا (عقیدے کے اعتبار سے) ایک حصہ ہے۔" عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے اعمال کے لحاظ سے اسے ضرور دو مختلف اقسام میں تقسیم کرنا چاہیئے۔

۱۔ توسل کی جائز (مباح) صورتیں

۲۔ اور توسل کی ممنوع اور ناجائز صورتیں

توسل کی جائز صورت

مستقل قائم کیے گئے بہت سارے جھوٹے دعووں کے برعکس یہ بات قطعًا غلط ہے کہ اھل السنۃ توسل کی کسی بھی قسم کو قبول نہیں کرتے۔ دراصل جائز توسل کی صورت تین بڑے درجات میں تقسیم ہوتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں اور اس کی صفات کے ذریعے وسیلہ حاصل کرنا۔

۲۔ بندے کے اعمال صالح کے ذریعے وسیلہ پکڑنا۔

۳۔ کسی نہایت ہی صالح آدمی کے ذریعے (کہ جو بقیدِ حیات ہو) دعا کے معانی میں توسل اختیار کرنا۔

۱ توسل بذریعہ اسماء وصفاتِ باری تعالیٰ

اللہ رب العالمین کے اسماءِ گرامی اور صفاتِ مقدسہ کے ذریعے جہاں تک وسیلہ حاصل کرنے کا تعلق ہے تو قرآن وسنت سے یہ بات بالکل واضح اور بین ہے کہ یہ جائز اور توسل کی بہترین صورتوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے ناموں اور اس کی صفات کا واسطہ دے کر مانگنے پر مشتمل اس قسم کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ ہی صرف بندے کی پوری پوری مدد کر سکتا ہے۔ یہ بات نبی مکرم ﷺ کے قول وعمل سے بالکل ظاہر اور واضح ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر ضرور مانگا کرتے تھے:

((أَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِيْ مَاعَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِيْ وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَكَلِمَةَ الْإِخْلَاصِ فِي الرِّضَاءِ وَالْغَضَبِ وَأَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَقُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بِالْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَفِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ ، أَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ))[1]

”اے اللہ! میں تیرے غیب جاننے اور خلق پر قدرت رکھنے کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تو زندگی کو میرے لیے بہتر جانے۔ اور مجھے اس وقت فوت کرنا جب وفات کو تو میرے لیے بہتر جانے۔ اے اللہ! میں تنہائی اور لوگوں کے سامنے والی دونوں حالتوں میں تجھ سے تیری خشیت کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے اپنی خوشی اور غصے والی دونوں حالتوں میں کلمۂ اخلاص کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تجھ سے ان نعمتوں کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہوں۔ اور (صالح اولاد کی صورت میں) ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک والی نعمت مانگتا ہوں جو منقطع نہ ہو۔ اور میں بوقتِ موت تیری رضا کا سوال کرتا ہوں۔ اور موت کے بعد میں زندگی کو ٹھنڈک (یعنی خوشگواری) کا سوال کرتا ہوں۔ اور تجھ سے تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تجھ سے کسی تکلیف دہ مصیبت اور گمراہ کن فتنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں راہنمائی کرنے والے، ہدایت پانے والے بنا دے۔“

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو جب کوئی تکلیف دہ معاملہ

[1] سنن النسائی ، كتاب السهو حديث نمبر : ١٣٠٧ ومسند أحمد : ٢٦٤/٤

پیش آتا تو اللہ سے فرمایا کرتے:

((يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ! يَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ! بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ))[1]

''اے ہمیشہ اور قائم رہنے والے اللہ! عزت اور بزرگی والے اے اللہ! میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے مدد کا طلب گار ہوں۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۳۔ ((مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ فَقَالَ: " أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ اِبْنُ عَبْدِكَ،اِبْنُ أَمَتِكَ ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ،سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْعَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْأَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ أَوْ اِسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ، أَنْ تَجْعَلِ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حَزَنِيْ وَذِهَابَ هَمِّيْ۔" اِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَحَزَنَهُ وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَجًا۔ قَالَ ؛ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَلَا نَتَعَلَّمُهَا ؟ فَقَالَ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بَلٰى،يَنْبَغِيْ لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَّتَعَلَّمَهَا))[2]

''کسی شخص کو کبھی کوئی دکھ یا غم پہنچا ہو اور اس نے یہ دعا پڑھ لی ہو: ''اے اللہ! میں تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم مجھ میں جاری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس خاص نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے خود اپنا نام

---

1. جامع الترمذی، کتاب الدعوات، حدیث: ٣٥٢٤

2. مسند أحمد: ٣٩٢/١ جلد نمبر: ١ ص: ٦٤٦، وقال الشيخ شعيب الأرناروؤط عند تخريج هذا الحديث في "الكلم الطيب" للامام ابن تيميه رحمه الله (ص: ٥٨) : وهو حديثٌ صحيحٌ ورواه ايضًا الحاكم وابويعلى والطبراني والبزار

رکھا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تو نے سکھایا ہے یا علم الغیب میں اسے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے کہ تو (اے اللہ!) قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے فکر کو لے جانے والا بنا دے۔" تو اللہ تعالیٰ اس کے غم اور فکر کو لے جاتا ہے اور اس کی جگہ فراخی (آسانی) کو لے آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "اے اللہ کے رسول! کیا اسے ہم سیکھ نہ لیں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں! جو بھی اسے سنے اسے چاہئے کہ اس کو سیکھ لے۔" [اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نام ان گنت ہیں اور جو لوگ اللہ رب العالمین کے صرف ۹۹ نام یا اس سے کم وبیش محدود عدد کے ساتھ شمار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔]

نبی کریم ﷺ کو جب بھی معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کوئی آدمی اللہ رب العالمین کے اسماءِ حسنٰی وصفاتِ عالیہ کے ذریعے اللہ سے مانگتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس کام سے منع نہ فرماتے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور اس کی تائید فرماتے۔ یہ بات مستند روایات سے ثابت ہے۔ درج ذیل پر غور فرمائیں:

اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) بیٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ پھر جب اس نے رکوع، سجود کر لیے اور وہ تشہد میں بیٹھ گیا تو اس نے (ذرا اونچی آواز سے کہ جو قریب والے کو ہی سنائی دی) یوں دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ، يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ! يَاحَیُّ يَاقَيُّوْمُ ! اِنِّیْ أَسْأَلُكَ يَااَللّٰهُ! بِأَنَّكَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ، أَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّكَ أَنْتَ

الْغُفُوْرُ الرَّحِيْمُ))[1]

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو اس کے ''اسمِ عظیم'' کے ساتھ پکارا ہے کہ اس کے ساتھ جب اللہ کو پکارا جاتا ہے وہ دعا کو قبول کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ مانگا جاتا ہے تو وہ عطا کر دیتا ہے۔ پھر تین بار فرمایا کہ اس آدمی کو معاف کر دیا گیا ہے۔

(ترجمہ) ''اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (یہ جانتے ہوئے کہ) سب طرح کی حمد وثنا تیرے ہی لیے ہے۔ (میرا) کوئی معبود برحق نہیں مگر صرف تو کہ جو احسان کرنے والا، تمام آسمانوں اور زمین کو بالکل نئے سرے سے پیدا کرنے والا ہے۔ اے عزت وجلال اور بزرگی والے، اے ہمیشہ کے لیے زندہ اور قائم رہنے والے اللہ! اے اللہ بلاشبہ میں تجھ سے ہی مانگتا ہوں (یہ جانتے ہوئے کہ) بے شک تو اکیلا تنہا ہے، بے نیاز، (اپنی مخلوقات کی طرف سے کی جانے والی تعریفوں سے بے پرواہ) کہ جو کسی کا باپ نہیں اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ ہی تیرا کوئی ہمسر (برابری کرنے والا) ہے۔ (تیری تعریف کرنے کا مقصد یہ ہے) کہ تو میرے گناہوں کو بخش دے۔ بلاشبہ تو بہت زیادہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

۲ توسل بذریعہ اعمالِ صالحہ

توسل کی دوسری قسم وہ ہے جو بندے کے نیک اعمال کے ذریعے عمل میں لائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال صالحہ کے واسطہ سے اپنے اللہ سے التجا کرتا ہے اور اس سے اپنے بنیادی حقوق (جیسے مدد کرنا، رزق دینا، گناہ معاف کرنا وغیرھا) میں سے کوئی حق مانگتا ہے۔ یا کوئی نیکی کا کام وغیرہ صرف اپنے رب کی ذات کے واسطے اپنے سے کروانے کی توفیق مانگتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں یہ بات ثابت ہے:

[1] سنن النسائی کتاب السهو، باب الدعابعد الذکر، حدیث نمبر: ۱۳۰۱، ۱۳۰۲

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ؛ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ :" بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يَمْشُوْنَ اِذْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَأَوَوْا اِلَى غَارٍ [فَدَخَلُوْهُ] فَانْطَبَقَ عَلَيْهِمْ [فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهَا الْغَارَ] فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ؛ اِنَّهُ وَاللّٰهِ يَا هٰؤُلَاءِ لَا يُنْجِيْكُمْ اِلَّا الصِّدْقُ۔[اِنَّهُ لَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ اِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ] فَلْيَدْعُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا يَعْلَمُ أَنَّهُ قَدْصَدَقَ فِيْهِ۔ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ : [أَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَآءَ فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ] أَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِيْ أَجِيْرٌ، عَمِلَ لِيْ عَلَى فَرَقٍ مِّنْ أُرُزٍّ ، فَذَهَبَ وَتَرَكَهُ وَاِنِّيْ عَمَدْتُ اِلَى ذٰلِكَ الْفَرَقِ فَزَرَعْتُهُ فَصَارَ مِنْ أَمْرِهٖ أَنِّيْ اشْتَرَيْتُ مِنْهُ بَقَرًا ، [فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ] وَأَنَّهُ أَتَانِيْ يَطْلُبُ أَجْرَهُ ، [فَقَالَ ؛ يَاعَبْدَاللّٰهِ! أَدِّ اِلَيَّ أَجْرِيْ] فَقُلْتُ لَهٗ: اِعْمِدْ اِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَسُقْهَا ، [كُلُّ مَاتَرَى مِنْ أَجْلِكَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيْقِ] فَقَالَ لِيْ : [يَاعَبْدَاللّٰهِ ! لَا تَسْتَهْزِئْ بِيْ] اِنَّمَا لِيْ عِنْدَكَ فَرَقٌ مِّنْ أُرُزٍّ، فَقُلْتُ لَهٗ [اِنِّيْ لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ] اِعْمِدْ اِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا مِنْ ذٰلِكَ الْفَرَقِ، فَسَاقَهَا [فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا] فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا ، فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ۔ فَقَالَ الْآخَرُ : أَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِيْ أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَكُنْتُ آتِيْهِمَا كُلَّ لَيْلَةٍ بِلَبَنِ غَنَمٍ لِيْ ، [وَكُنْتُ لَا أَغْبِقُ قَبْلَهُمَا

أَهْلًا وَلَا مَالًا فَنَأَى بِيْ فِيْ طَلَبِ شَيْءٍ يَوْمًا] فَابْطَأْتُ عَنْهُمَا لَيْلَةً [فَلَمْ أُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا] فَجِئْتُ وَقَدْ رَقَدَا [فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ] وَأَهْلِيْ وَعِيَالِيْ يَتَضَاغَوْنَ مِنَ الْجُوْعِ وَكُنْتُ لَا أُسْقِيْهِمْ حَتّٰى يَشْرَبَ أَبَوَايَ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا وَكَرِهْتُ أَنْ أَدَعَهُمَا فَيَسْتَكِنَّا لِشَرْبَتِهِمَا ، [فَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَيَّ أَنْتَظِرُ اِسْتِيْقَاظَهُمَا] فَلَمْ أَزَلْ أَنْتَظِرُ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ [فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا] فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ [اِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ] فَفَرِّجْ عَنَّا ، [مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ] فَانْسَاخَتْ عَنْهُمُ الصَّخْرَةُ ، [فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ] حَتّٰى نَظَرُوْا إِلَى السَّمَاءِ۔ فَقَالَ الْآخَرُ ؛ أَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ لِيْ ابْنَةُ عَمٍّ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَأَنِّيْ رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَأَبَتْ [فَامْتَنَعَتْ مِنِّيْ حَتّٰى أَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِنَ السِّنِيْنَ فَجَاءَتْنِيْ] إِلَّا أَنْ آتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ ، فَطَلَبْتُهَا حَتّٰى قَدَرْتُ فَأَتَيْتُهَا بِهَا فَدَفَعْتُهَا إِلَيْهَا [عَلٰى أَنْ تُخَلِّيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ] فَأَمْكَنَتْنِيْ مِنْ نَفْسِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، قَالَتْ ؛ اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ وَتَرَكْتُ الْمِائَةَ دِيْنَارٍ ، [فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوْعِ عَلَيْهَا فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا] فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّيْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ مِنْ خَشْيَتِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا، [مَا نَحْنُ فِيْهِ] فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَخَرَجُوْا [يَمْشُوْنَ۔])) [1]

[1] صحیح البخاری ، کتاب الاجارہ حدیث : ۲۲۷۲ کتاب احادیث الانبیاء، حدیث: ۳۴٦۵

”عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا؛” پچھلے زمانے میں (بنی اسرائیل میں سے) تین آدمی کہیں کسی راستے پر جارہے تھے کہ اچانک بارش نے انہیں آلیا۔ وہ تینوں پہاڑ کے ایک غار کی طرف لپکے اور اس میں گھس گئے۔ (جب وہ اندر چلے گئے) تو غار کا منہ بند ہوگیا۔ (ہوا یوں کہ...... پہاڑ سے ایک چٹان لڑھکی اور اس نے غار کا منہ بند کردیا) اب تینوں آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے؛ اللہ کی قسم! ہمیں اس مصیبت سے اب تو صرف سچائی ہی نجات دلائے گی۔ (یعنی اب غار سے تمہیں کوئی چیز نکالنے والی نہیں سوائے اس کے کہ تم سب اپنے سب سے زیادہ صالح عمل کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔) بہتر یہ ہے کہ اب ہر شخص اپنے کسی ایسے عمل کو بیان کر کے دعا کرے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ اسے اس نے خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کیا تھا۔

چنانچہ ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا:” (اے اللہ! میں نے کچھ مزدوروں کو مزدوری پر لگایا تھا اور سب کو ان کی مزدوری پوری پوری دے دی تھی سوائے ایک آدمی کے۔) اے اللہ! میں نے یہ مزدور جو رکھا تھا اس نے ایک خاص وزن (تین صاع) چاول کی مزدوری پر میرا کام کیا تھا۔ لیکن وہ شخص (غصہ میں آکر) چلا گیا اور اپنے چاول بھی چھوڑ گیا۔ پھر میں نے تین صاع چاول کو لیا اور اسے کاشت کرلیا۔ اس سے اتنا کچھ ہوگیا کہ میں نے پیداوار میں سے گائے بیل خرید لیے۔ (یعنی میں نے اس کے اجرت والے مال کو کاروبار میں لگادیا کہ اس سے اموال کی کثرت ہوگئی۔) اس کے بہت دنوں بعد وہی شخص مجھ سے اپنی مزدوری مانگنے آ گیا۔ (اور کہنے لگا: اللہ کے بندے! میری مزدوری مجھے دے دو۔) تو میں نے اس سے کہا؛ یہ گائیں، بیل جتنے کھڑے ہیں، ان سب کو لے جا۔ (یہ جو

کچھ تو دیکھ رہا ہے، اونٹ، گائے، بکریاں اور غلام؟ یہ سب تمہاری مزدوری ہی ہے۔) تو وہ مجھ سے کہنے لگا: (اللہ کے بندے! مجھ سے ٹھٹھہ نہ کر۔) تیرے پاس میرا (مال) تو صرف تین صاع چاولوں کا ہے بس۔ میں نے اس سے کہا: (میں تجھ سے ٹھٹھہ نہیں کرتا۔) یہ سب مال مویشی لے جا کہ یہ سب کچھ اسی ایک تین صاع والے پیمانہ کی آمدنی ہے۔ چنانچہ وہ انہیں ہانک کر لے گیا۔ (اور اس نے کچھ بھی نہ چھوڑا۔) پس اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ ایمانداری میں نے صرف تیرے ڈر سے کی تھی تو اس غار کا تو منہ کھول دے! پس اسی وقت وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے نے یوں کہنا شروع کیا: اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے کہ میرے بوڑھے ضعیف والدین تھے اور میں روزانہ ان کی خدمت میں رات کو اپنی بکریوں کا دودھ لا کر پیش کرتا تھا۔ (میں ہر روز ان سے پہلے گھر میں کسی کو دودھ نہیں پلاتا تھا۔ نہ اپنے بال بچوں کو اور نہ اپنے غلام وغیرہ کو۔ ایک دن مجھے ایک چیز کی تلاش میں دیر ہوگئی۔) اس رات اتفاقاً میں دیر سے آیا۔ (تو وہ دونوں سو چکے تھے۔) یعنی جب میں پہنچا تو وہ آرام کر رہے تھے۔ (پس میں نے ان کے لیے (بکریوں سے) شام کا دودھ نکالا مگر وہ دونوں اتنی دیر تک گہری نیند سو چکے تھے۔) جبکہ میرے بیوی بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ مگر میری عادت تھی کہ جب تک میں اپنے والدین کو دودھ نہ پلالوں، بیوی بچوں کو نہیں دیتا تھا۔ اور میں اس بات کو بھی ناپسند جانتا تھا کہ انہیں نیند سے بیدار کروں اور انہیں چھوڑنا بھی مجھے پسند نہ تھا۔ (کیونکہ یہی ان کی رات کو خوراک ہوتی تھی۔) اور اسے نہ پینے کی وجہ سے وہ کمزور ہو جاتے تھے۔ (چنانچہ میں ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ دودھ کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ وہ کب بیدار ہوتے ہیں اور میں ان کی خدمت میں دودھ پیش کروں) حتی کہ

فجر ہو گئی۔ (پس وہ دونوں بیدار ہوئے اور انہوں نے اپنا شام کا دودھ اس وقت پیا۔) اے اللہ! بلا شک تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیرے ڈر (یعنی تیری رضا) کے لیے کیا تھا۔ تو ہماری مشکل تو آسان کر دے۔ (یعنی اس چٹان کی آفت کو ہم سے ہٹا دے۔) تو اس وقت وہ پتھر کچھ اور ہٹ گیا۔ (یعنی وہ غار تھوڑا سا مزید کھل گیا مگر وہ اب بھی نکل نہ سکتے تھے۔) وہ صرف آسمان کو دیکھنے لگے تھے۔ اس کے بعد تیسرا آدمی کہنے لگا: ''اے اللہ بے شک تو جانتا ہے کہ میری ایک چچازاد بہن تھی جو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھی۔ اور میں نے اس سے اپنی نفسانی خواہش بجھانی چاہی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ (یعنی وہ نہ مانی اس زمانہ میں ایک سال قحط پڑا جس سے وہ متاثر ہوئی تو میرے پاس آئی۔ کہ ہاں ٹھیک ہے) مگر اس شرط پر کہ میں اسے سو اشرفیاں لا کر دوں۔ میں نے یہ رقم حاصل کرنے کی کوشش کی اور بالآخر انہیں پالیا۔ چنانچہ میں یہ اشرفیاں لے کر اس کے پاس آیا اور اس کے حوالے کر دیں۔ (کہ وہ خلوت میں مجھ سے برا کام کروائے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئی۔) اور اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ پس جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ چکا تو وہ کہنے لگی: ارے اللہ سے ڈر اور بغیر حق مہر (اور نکاح کے) بند مہر کو نہ توڑ۔ تو (یہ سنتے ہی) میں کھڑا ہو گیا اور سو دینار بھی واپس نہ لیے۔ (اس پر واقع ہونے سے میں باز رہا اور وہاں سے چلا آیا۔) پس اے اللہ! اگر یہ کام میں نے صرف تیرے ڈر سے تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہماری اس مصیبت کو ہم سے دور کر دے (کہ جس میں ہم اس وقت پھنسے ہوئے ہیں۔) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکل دور کر دی اور وہ تینوں چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔''

تو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بندے کا اپنے رب کو اپنے اعمال صالح کا واسطہ دینا اور

ان کے ذریعے توسل اختیار کرنا جائز ہے۔ کئی ایک علماء نے ''توسل بذریعہ اعمال صالحہ'' کے تحت اس واقعہ کو بہت سے مقامات پر بیان کیا ہے۔ کئی ایک اور احادیث بھی اس ضمن میں کتب کے اندر موجود ہیں۔

۳ نہایت صالح زندہ آدمی سے دعا کے ذریعے توسل

جیسا کہ ہر آدمی تقریباً اس بات کو قبول کر چکا ہے کہ پہلے بیان کی جانے والی توسل کی دو متضاد اقسام میں سے جو تیسری قسم معلوم ہوئی وہ ہے ''کسی نہایت صالح آدمی کے ذریعے اپنی مشکلات میں اللہ سے مدد کے طلبگار ہونا'' مگر قرآن وسنت سے اس ضمن میں جو قاعدہ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ اس نیک آدمی سے التجا کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مشکل کے حل کی دعا کرے۔ جیسے صحابہ کرام نبی مکرم ﷺ سے کہ جب آپ دنیا میں موجود تھے دعائیں کرواتے تھے۔ اور اس بات کے ثبوت سے کتبِ حدیث بھری پڑی ہیں۔ مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا کر اللہ کے ہاں چلے گئے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یا تابعین کرام یا اُن کے بعد والے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر نہ ہی وسیلہ طلب کیا اور نہ ہی اس کی دعوت دی۔ بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہمیشہ درج ذیل حدیث کے مطابق رہا:

((عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا قَحَطُوْا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: أَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتُسْقِيْنَا ، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا ، قَالَ : فَيُسْقَوْنَ))[1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے زمانے میں قحط پڑتا تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، حدیث: ۱۰۱۰

سے بارش کی دعا کرتے۔فرماتے: ''اے اللہ! پہلے ہم تیرے پاس اپنے نبی کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔(جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے۔) تو تو بارش برسا دیتا تھا۔اب ہم اپنے نبی (ﷺ) کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔پس ہمیں سیراب کردے۔سیدنا انس بیان کرتے ہیں کہ: پس انہیں سیراب کر دیا جاتا۔ (بارش خوب برستی۔)''

خیرُ القُرون میں دعا کا یہی طریقہ تھا اور سلف کا عمل بھی اسی پر رہا کہ وہ میت افراد صالحہ کو وسیلہ بنا کر دعا نہیں کرتے تھے بلکہ کسی زندہ صالح بزرگ، مقرّب بارگاہِ ایزدی کو آگے کر دیتے اور وہ دعا کرتے۔یہاں اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا بھی نقل کی ہے۔جس کا ترجمہ یوں ہے:

''اے اللہ! آفت اور مصیبت بغیر گناہ کے نازل نہیں ہوتی۔اور توبہ کے بغیر ٹلتی بھی نہیں۔تیرے نبی کے ہاں میری قدر و منزلت تھی، اس لیے قوم مجھے آگے بڑھا کر تیری بارگاہ میں لے آئی ہے۔یہ ہمارے ہاتھ ہیں جن سے ہم نے گناہ کیے اور توبہ کے لیے پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔اللہ! بارانِ رحمت سے سیراب کر دے۔''

جو لوگ وفات پا کر اپنے رب کے ہاں جا چکے ہیں انہیں وسیلہ بنا کر اللہ سے مانگنے یا براہِ راست ان سے مانگنے کا نام ہی تو شرک باللہ ہے اور اسی جرمِ عظیم کو اللہ اور اس کا رسول سب سے بڑا گناہ قرار دے کر اس سے منع کرتے ہیں۔مشرکین کی طرف سے مردہ بزرگوں کو وسیلہ بنانے والی بات اللہ نے یوں بیان فرمائی ہے:

﴿ اَ لَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾

[سورۃ الزمر : ۳]

''سن لو! خالص اللہ ہی کی بندگی کرنی چاہیے۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو (اپنے) حمایتی (مددگار) بنایا ہوا ہے۔ (اُن کے بارے میں وہ کہتے ہیں ہم ان کو الٰہ سمجھ کر نہیں پوجتے) ہم تو ان کو بس اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں (ہمارے سفارشی بن کر) ہمارے اللہ کے نزدیک کر دیں۔ بے شک یہ لوگ جن (مستحکم) باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک جو شخص جھوٹا، ناشکرا ہے، اللہ اسے (سیدھی) راہ پر نہیں لگاتا۔''

تعجب ہے ان مسلمانوں پر جو ان جیسی آیات کی موجودگی میں فوت شدہ بزرگوں اور ولیوں کو پکارتے ہیں۔ ان کا وسیلہ پکڑتے ہیں اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ نیک فوت شدگان صالح لوگ، بزرگ، اولیاء، پیر، پیغمبر بھی ان کے مشکل کشا، حاجت روا، دستگیر اور بگڑی بنانے والے ہو سکتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ﴾ [سورۃ فاطر: ۲۲]

''اور زندے اور مردے برابر نہیں ہوتے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے اسے سنا دیتا ہے اور تم ان کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَإِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ ﴾

[سورۃ الحج: ۷۳]

''لوگو! (تمہارے سمجھانے کے لیے) ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ ذرا کان لگا کر سنو! جن (بزرگوں، ولیوں اور دستگیروں) کو اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی ہرگز نہیں بنا سکتے اور اگرچہ اس کام کے لیے وہ سارے اکٹھے ہو جائیں۔ (پیدا کرنا تو کجا) اور اگر مکھی اُن سے کچھ اُچک لے (اُڑا لے جائے) تو وہ اُس سے چھڑا نہیں سکتے۔ یہ مانگنے والا اور جس سے مانگا جا رہا ہے دونوں کمزور (بودے) ہیں۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بات تو قطعاً مناسب نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور سے التجا کرے۔ میں اس بات کو بالکل حرام سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی سے مانگوں۔ اللہ کو اسی طرح پکارو جیسا اس نے حکم فرمایا اور اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے ساتھ پکارو۔''[1]

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی بات نقل کرتے ہوئے بشر ابن الولید بیان کرتے ہیں: امام صاحب نے فرمایا:

''یہ بات بالکل درست نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے علاوہ کسی اور سے التجا کرے۔ میں اس بات سے نفرت کرتا ہوں کہ؛ کوئی شخص یہ کہے: بحقِ فلاں یوں اور یوں (میرا کام ہو۔) یا کہے: اے اللہ! بحقِ نبینا یا اپنے مبارک گھر کے بحق (میری مشکل آسان کر دے۔) یا بحق المشعر الحرام وغیرہ وغیرہ کہے۔''[2]



[1] فقہ حنفی کی مستند کتاب "درِ مختار" جلد ۲، ص: ۶۳۰

[2] دیکھئے: شرح الکرخی للقدوری

نبی ﷺ پر دُرود و سلام

دُرود............فارسی زبان کا کلمہ (اسم) ہے جو اُردو میں کئی ایک معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً بمعنی رحمت، تحسین و آفرین، شاباش، استغفار، تعریف، سلام، دُعا اور تسبیح کے۔
اصطلاحاً وہ دعا اور سلام جو نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جائیں دُرود کہلاتے ہیں۔[1]

اس کے مدِ مقابل عربی زبان میں نہایت ہی جامع کلمہ "صلاۃ" کا استعمال ہوتا ہے جو کئی معانی دیتا ہے۔ اگر اس کلمہ (صلاۃ) کا کوئی صلہ (Relative Pronoun) نہ آ رہا ہو تو اس کا معنیٰ ''نماز ادا کرنا'' ہوتا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِيْ اُصَلِّيْ))[2] ''اور اس طرح نماز ادا کرو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔'' اور جیسے کہ قرآن میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [سورة طه : ۱۳۲] ''اور آپ اپنے گھر والوں کو ''نماز'' (پڑھنے) کا حکم دیں اور اس پر (صبر و استقامت اختیار کرتے ہوئے) آپ خود بھی پابند رہیں۔''

اگر اس کلمہ کا صلہ ''ل'' آ رہا ہو اور اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بھی اس کا معنیٰ ''نماز پڑھنا'' ہوتا ہے۔ جیسے اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ o﴾ [سورة الكوثر : ۲] ''تو (اللہ کی عطاءِ کوثر کے شکر میں) اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔'' اسی طرح اس کلمہ (یا اس کی کسی بھی تبدیل شدہ شکل) کے بعد لفظِ ''مع'' آ رہا ہو تو بھی اس کا معنیٰ ''نماز ادا کرنا'' ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ فرماتے ہیں:

---

1. دیکھئے: فیروز اللغات اُردو مادہ......دُرود
2. صحیح البخاری ح : ٦٣١

﴿ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ﴾ [سورة النساء: ۱۰۲]

''اور (اے ہمارے پیارے نبی!) جب تُم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیے کہ اُن کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ (یعنی مسلح حالت میں ہی نماز پڑھے) جب وہ سجدہ کریں (یعنی آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکعت پوری کرلیں) تو پیچھے ہٹ جائیں۔ پھر دوسری وہ جماعت (Unit, یا Brigae Company) آئے کہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو اور وہ آپ کے ساتھ (ایک رکعت) نماز ادا کرے۔ وہ (اس دوران) اپنا بچاؤ اور اسلحہ لیے رہے۔''

اور بطورِ اسم جب ''صلاۃ'' کا کلمہ استعمال ہو تو بھی اس کا معنی ''نماز'' ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝ ﴾

[سورة النساء : ۱۰۳]

''بے شک ''نماز'' کا اوقات مقررہ میں ادا کرنا مومنوں پر فرض ہے۔''

بغیر اضافت کے اس معنی میں یہ کلمہ (بطور مفرد) قرآن مجید میں (٦٧) بار آیا ہے۔ اور بطورِ فعل اس معنی میں (٧) بار۔

بمعنی ''نماز ادا کرنا'' اگر بطور فعل یہ کلمہ استعمال ہو رہا ہو تو کبھی اس کا صلہ ''ل'' آتا ہے (جیسے کہ مثال پیچھے گزری)، کبھی ''مع'' (اس کی بھی مثال گزر چکی) اور کبھی ''فِيْ'' جیسے کہ

فرمایا:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ﴾

[سورة آل عمران : ٣٩]

''پھر زکریا (علیہ السلام) کو فرشتوں نے آواز دی اور وہ (عبادت کے لیے ایک مخصوص جگہ) محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔''

اگر اس کلمہ کے فعل کا صلہ ''ب'' آ جائے تو اس کا معنیٰ ''امامت کروانا'' ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وسلم اِحْدَى صَلَاتَي الْعَشِيِّ))[1]

''ظہر اور عصر میں سے کوئی ایک نماز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز (امامت کرواتے ہوئے) پڑھائی۔''

اگر اس کا صلہ ''ل'' آ جائے اور اضافت انسانوں کی طرف ہو تو بھی اس کا معنیٰ ''امامت کروانا'' ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے:

((صَلَّى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَصْرِ))[2]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے (امامت کرواتے ہوئے) عصر کی نماز پڑھائی۔''

اور اس کلمہ کے فعل کا صلہ ''مع'' آ رہا ہو تو بھی اس کا معنیٰ امامت کروانا ہوتا ہے (ایک مثال پیچھے گزر چکی اور) جیسے کہ حدیث میں آتا ہے:

((صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْنَا حِيْنَ سَلَّمَ))[3]

---

[1] صحیح مسلم، ح: ١٢٨٨ [2] صحیح مسلم: ١٢٩٠ [3] صحیح بخاری: ٨٣٨

''(عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تب ہم نے سلام پھیرا۔''

نماز ادا کرنے والے کو ''مُصَلِّی'' کہا جاتا ہے۔ (جیسے روزے دار کو ''صائم'')

''صلوٰۃ'' کا صلہ ''علی'' ہو تو

اور اگر اس کلمہ ''صلاۃ'' کا صلہ ''علیٰ'' آ جائے تو پھر سلف صالحین نے اس کے تعیینِ معنی میں درج ذیل تین حالتوں کو الگ الگ مدِّنظر رکھا ہے:

۞ وہ ''صلاۃ'' جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں استعمال فرماتا ہے دو قسم کی ہے: ایک عام، دوسری خاص۔

عام (بمعنیٰ ''رحمت نازل کرنے'' کے) تمام اہلِ ایمان کے لیے ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا:

ا..... ﴿هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ [سورة الاحزاب : ٤٣]

''وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمہارے لیے دُعا کرتے ہیں) تاکہ تمہیں (کفر و شرک) کی تاریکیوں سے نکال کر (اسلام کی) روشنی کی طرف لے آئے۔''

ب ..... عبداللہ بن ابی اَوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی؛ جب کوئی قوم (قبیلہ یا جماعت) صدقہ (یا واجب مال زکوٰۃ) لے کر آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْھِمْ'' (اے اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔) پھر میرے باپ ابو اَوفی اپنا زکوٰۃ کا مال لے کر آئے تو نبی ﷺ نے دُعا کی: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آلِ اَبِیْ اَوْفٰی'' (اے اللہ! ابو اَوفی کی آل (اولاد) پر رحمت

فرما)۔[1]

وضاحت...... نبی ﷺ کا بالعموم اہلِ ایمان کے لیے مندرجہ بالا صیغہ کے ساتھ دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق تھا۔ فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [سورة التوبه : ۱۰۳]

''(اے ہمارے نبی!) ان لوگوں (مسلمانوں) کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے لیا کرو (جو اُن کے فقراء پر خرچ ہو) کہ اس سے تو ان کو ظاہر میں بھی پاک کرے اور باطن میں بھی ان کو پاکیزہ کردے۔ اور اُن پر دُعاءِ خیر کرو کہ تمہاری دعا اُن کے لیے موجب تسکین ہے۔ اور اللہ سُننے والا، جاننے والا ہے۔''

یہاں سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۲ اور آیت ۱۰۳ کا شانِ نزول جناب عبداللہ رضی اللہ عنہما نے غزوۂ تبوک کے متصل بعد حضرتِ ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کا اپنی غلطیوں کے اعتراف میں مسجد نبوی کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ کر جو توبہ کا راستہ اختیار کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا تھا...... بیان کیا ہے۔ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو یہ اپنے اموال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمارا صدقہ قبول فرمایئے اور ہمارے لیے استغفار کیجئے۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ قبول نہ کیا حتیٰ کہ اللہ کا یہ حکم نازل ہوگیا۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں مفصل بحث کرتے ہوئے اس موقف کو اختیار کیا ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ دیگر اہل ایمان کے لیے (چاہے ان کا مرتبہ و مقام کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو) مندرجہ بالا صیغے کے ساتھ دعا کرنا صرف نبی ﷺ کے لیے خاص تھا، اُمت کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہم یوں نہیں کہہ سکتے: ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم، عمر صلی

---

1. صحیح مسلم/ کتاب الزکاۃ حدیث: ۲۴۹۲
2. دیکھئے: تفسیر ابن جریر الطبری

اللہ علیہ وسلم یا علی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لیے کہ سلف صالحین کے برعکس ان اصطلاحوں کا اس طرح استعمال اہل بدع کا شعار ہے۔ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں اصحابِ شافعیہ میں سے امام ابو محمد جوینی رحمہ اللہ نے "سلام" کو بھی بمعنی "صلاۃ" شمار کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اس کو بھی انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ نے اہلِ ایمان کو ان دونوں یعنی صلاۃ وسلام کو اپنے نبی پر ہی (اور دوسرے انبیاء کے لیے بھی) پڑھنے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً یوں نہ کہیں؛ عبدالعزیز علیہ السلام یا سعد علیہ السلام مگر مخاطب کے طور پر بموجب حدیث مبارک جائز ہے اور نبی ﷺ کا حکم بھی۔ جیسے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا۔

ج ..... ایک حدیث میں دو خاص افراد پر استدعائے صلاۃ کا واقعہ مذکور ہے (اور یہ بھی عموم میں شامل ہوگی۔ اس لیے کہ جن کے لیے دُعا کی گئی وہ بھی اُمتی تھے) :

((إِنِ امْرَأَةً قَالَتْ لَهُ صَلِّ عَلَيَّ وَعَلَى زَوْجِي ، قَالَ : صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلَى زَوْجِكِ......))

"ایک بی بی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ میرے اور میرے خاوند کے حق میں (اللہ سے) رحمت کی دُعا کریں۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ تم پر اور تمہارے خاوند پر رحمت نازل فرمائے۔"" [1]

د..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يُصَلُّوْنَ الصُّفُوْفَ)) [2]

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درُود بھیجتے ہیں جو صفیں باندھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔"

---

[1] دیکھیے: جلاءُ الأفهام للحافظ ابن قيم رحمه الله [2] مسند احمد : ٦/١٦٠ ح : ٢٤٧٤٢

جناب براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَه' يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سب سے مقدم (پہلی) صف والوں پر (نماز میں ہو یا جہاد فی سبیل اللہ میں) دُرود بھیجتے ہیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَه' يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ))[2]

"بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے (نماز میں امام سے) صفوں کی دائیں جانب والوں پر دُرود بھیجتے ہیں۔"

(صحیح سنن ابی داؤد للالبانی رحمہ اللہ رقم الحدیث : ٦٢٨)

ھ......اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ لا قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ قف وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ○﴾ [سورۃ البقرہ : ١٥٦، ١٥٧]

"(یہ ایمان والے) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہم پلٹ کر جانے والے ہیں۔ انہیں لوگوں پر اللہ کی بخشش اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو (جنت اور کامیابی کی طرف سیدھی) راہ پانے والے ہیں۔"

خاص:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "جَلاءُ الاَفْهام فِي الصَّلاة والسّلام عَلى خَيْرِ الانام" میں

---

[1] مسند احمد : ٨/٤ ح : ١٨٦٦٦

[2] دیکھیے : تفسیر ابن کثیر عند تفسیر آیت : ٥٦ من سورۃ الاحزاب۔

لکھتے ہیں:

''اور خاص صلاۃ وہی ہے جو تمام انبیاء و مرسلین اور بالخصوص سید وُلد آدم والا برار خاتم المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ وعلیہم اجمعین کے لیے مستعمل ہوتی ہے۔(یہ تقسیم محلِ وقوع کی بنا پر ہے)''

صحیح البخاری (کتاب التفسیر) میں امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ کی تفسیر میں درج ذیل قول نقل کیا ہے، فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی پر صلاۃ، فرشتوں کے سامنے اس کا اپنے نبی کی تعریف وثناء بیان کرنا ہے۔ اور فرشتوں کی صلاۃ ان کا (رحمت و استغفار کی) دعا کرنا ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((يُصَلُّوْنَ يُبَرِّكُوْنَ......)) ''فرشتوں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ یہ ہے کہ وہ برکت کی دعا کرتے ہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

[سورۃ الاحزاب : ٥٦]

(بموجب ترجمہ علامہ وحید الزمان خان حیدر آبادی) اللہ پیغمبر پر (اپنی رحمت اُتارتا ہے) اور فرشتے (پیغمبر علیہ السلام پر) دُرود بھیجتے ہیں۔ مسلمانو! تم بھی پیغمبر پر دُرود بھیجو اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔''...... کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ امام ابوجعفر الرازی نے بھی عن الربیع بن انس عن ابی العالیۃ اس قول کو نقل کیا ہے۔ امام ابوعیسیٰ الترمذی نے کہا ہے کہ؛ جناب سفیان الثوری رحمہما اللہ اور اکثر اہل علم کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا (اپنے نبی پر) دُرود رحمت کا اُتارنا ہے اور فرشتوں کا دُرود استغفار کرنا ہے۔'' حضرتِ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلاۃ یوں ہے: ((سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ))

اور مقصود اس آیت شریفہ سے یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے پیارے بندے اور نبی (محمد مصطفیٰ ﷺ) کی قدر ومنزلت اور عزت ومرتبت ملأ اعلیٰ میں جو ہے اس کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ اپنے بندے کی تعریف اپنے مقرب بندوں کے پاس کیسے کرتے ہیں اور یہ کہ فرشتے آپ ﷺ پر دُرود بھیجتے رہتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ کی یہ خبر دے کر اب اللہ تعالیٰ زمین والوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی میرے نبی پر دُرود وسلام پڑھا کرو۔ تاکہ عالمِ علوی اور عالمِ سفلی کے لوگوں کا اس پر اجماع ہو جائے۔

ابن قیم نے قاضی اسماعیل کے حوالے سے امام ضحاک رحمہم اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:
((صَلٰوةُ اللّٰهِ رَحْمَتُه، وَصَلٰوةُ الْمَلَا ئِكَةِ الدُّعاءُ……))[1] اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی پر دُرود بھیجنا ''اپنی رحمت نازل کرنا ہے۔'' اور فرشتوں کا دُرود نبی ﷺ کے لیے دُعا ہے۔ اور یہاں قاضی اسماعیل کی بسند مسلسل امام ضحاک کے دوسرے قول کی نقل بھی درج ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں: '' صَلٰوةُ اللّٰهِ سے مُراد مَغْفِرَتُه' بھی ہے۔ پھر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اوپر صحیح البخاری کے حوالے سے امام ابو العالیہ رحمہ اللہ کے قول و معنی کے ساتھ حضرت ضحاک رحمہ اللہ کے ان دونوں اقوال کی (اور کچھ دیگر تشریحات کے ساتھ) تردید کر دی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مصلی علیہ (نبی کریم ﷺ) کی صفت وثناء اور اس کا اظہار شرف و فضل اس آیت (سورۃ الاحزاب: ۵٦) میں ملحوظ کرنا اس توجیہ اشتراکِ معنیین سے کہیں زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔''

۲ اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی ہوتا ہے ''اللہ تعالیٰ سے رحمت اور استغفار کی اہل ایمان کے حق میں دُعا کرنا۔'' چند ایک مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ مزید دیکھئے:

---

[1] دیکھئے: جلاء الافهام مترجم از قاضی شاکر حسین صدیقی محمدی القاضی خانی سهسوانی (باسم خیر الکلام) طبع : مطبع القرآن والسنه امرت سر، هند (۱۹/ذی القعده ۱۳٤۷ھ)

ا...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ الْمَلَآئِكَةَ تُصَلِّيْ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ ؛ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَه، اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ، لَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُه ، لَا يَمْنَعُه أَنْ يَّنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ))

[صحیح البخاری / کتاب الاذان ح : ٦٥٩]

''سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے تم میں سے اس نمازی کے لیے اس وقت تک یوں دعا کرتے رہتے ہیں جب تک سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنے مصلی (جہاں اس نے نماز ادا کی ہو) پر بیٹھا رہے اور جب تک وہ بغیر طہارت والا نہ ہو جائے۔ (کہتے ہیں) اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔'' تم میں سے وہ شخص جو صرف نماز کی وجہ سے مسجد میں رُکا ہوا ہو یعنی صرف اسی کام نے اس کو اہل خانہ کی طرف (یا کاروبار کی جانب) جانے سے روک رکھا ہو تو وہ اتنی دیر تک نماز میں شمار ہوگا۔''

۳ اور اگر '' صَلٰوةٌ عَلٰی '' کی نسبت آدمیوں کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی ہوتا ہے ''دعا کرنا۔ نماز جنازہ پڑھنا۔'' کچھ مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ مزید دیکھیے:

ا......اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾

[سورۃ التوبہ : ٨٤]

''اور (اے ہمارے پیارے نبی!) ان (منافقین) میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا۔''

ب ..... کبھی صلٰوۃ علیٰ کے بغیر بھی بمعنی دعا آتا ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ))[1]

''تم میں سے جب کسی کو (ولیمے کی) دعوت دی جائے تو چاہیے کہ وہ (دعوت کو) قبول کرے۔ اگر روزے سے ہے تو ''دعا کرے'' اور اگر روزے سے نہیں تو کھانا چاہیے۔''

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ لغۃً ''صلوٰۃ'' کے معنی محض دعا کے ہیں۔ البتہ دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دعائے مسألت اور دوسری دعائے عبادت۔ (جلاء الافہام)

ج......اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ میں اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ اس کے نبی (محمد رسول اللہ ﷺ تسلیماً کثیراً) پر ''درود بصورتِ دعا'' بھیجا کریں۔ (آیت اور ترجمہ پیچھے گزر چکے ہیں)

د......سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۳ میں اللہ نے اہلِ ایمان پر شفقت کرتے ہوئے اپنے نبی کو حکم دیا:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ ﴾

''(اے ہمارے پیارے نبی!) ان لوگوں (یعنی اہل ایمان) کے اموال میں سے زکوٰۃ لے لیا کرو (جو ان کے فقراء پر خرچ کرسکو) کہ اس سے تو اُن کو ظاہر سے بھی پاک کرے اور باطن میں بھی ان کو پاکیزہ کردے۔ اور ان پر دعاءِ خیر کرو کہ تمہاری دُعا ان کے لیے مُوجبِ تسکین ہے۔ اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔''

ھ...... ((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ وَلَمْ يَتْبَعْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ فَإِنْ تَبِعَهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ۔ قِيلَ : وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ : أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ))[2]

---

[1] صحیح مسلم/ کتاب النکاح ح : ۳۵۲۰
[2] صحیح مسلم/ کتاب الجنائز ح : ۲۱۹۲

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو (مسلمان) آدمی کسی کی نماز جنازہ پڑھے مگر (قبرستان تک) ساتھ نہ جائے اس کے لیے ایک قیراط کا ثواب ہوگا۔ اور اگر وہ میت کے ساتھ (قبر تک) جائے اس کے لیے دو قیراطوں کا اجر ہے۔ پوچھا گیا: دو قیراط کیا (یعنی کتنے وزن کے) ہیں؟ فرمایا: ''ان دونوں میں سے چھوٹا اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔''

صلوٰةُ علَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا:

لفظ ''صلاۃ'' کے مختلف معانی سامنے آ جانے کے بعد آ یئے اب ایک اہم ترین مسئلہ پر فکر و نظر کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں ایسے لوگوں نے غلو کی انتہا کر دی ہے کہ جن کی نظروں میں درحقیقت نہ سُنّت کی کوئی اہمیت ہوتی ہے اور نہ ہی علم الحدیث کی۔ وہ تقلیدِ محض اور شخصیت پرستی کی آڑ میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کی بجائے اُلٹا بدتمیزی اور گستاخی کر بیٹھتے ہیں؛ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ......اور انہیں اس بات کا ادراک بھی نہیں ہوتا۔'' اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ان میں سے شاطرانہ ذہنیت کے لوگ ''اھل السنه والحدیث'' کو اپنی بد باطنی کی بنیاد پر مطعون کرنے لگتے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے بڑوں نے اس بات کا اعتراف کر رکھا ہے کہ: ''قرآن وحدیث کا شغل رکھنے والے محدثین ہر مجلس میں بار بار نام نامی آنے کے باوجود مختصر ہی سہی مگر صلاۃ وسلام کے لکھنے پڑھنے کا معمول ہمیشہ ان میں رہا ہے۔ اس لیے کیا عجب ہے کہ اُمّت میں سب سے زیادہ ''دُرود وسلام'' کے ہار بارگاہِ رسالت میں محدثین (رحمهم اللہ) ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہوں۔''[1] اس سے بھی زبردست بیان علامہ نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ کا ان کی کتاب ''نَزُلُ الْاَبْرَارِ بِالْعِلْمِ الماثورِ من الأدعیة والأذکار'' میں (ص: ۱۶۱ پر) ہے جہاں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود کی فضیلت

---

[1] دیکھئے: تفسیر الجلالین کی اُردو شرح کمالین جلد ٥، ص: ١٨٤ از مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی، استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند۔ بھارت طبع مکتبہ شرکۃ علمیۃ بیرون بوہڑ والا گیٹ ملتان

میں بہت ساری احادیث کو جمع کر کے اسے تحریر کیا ہے۔:

''اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نبی ﷺ پر کثرت سے دُرود پڑھنے میں تمام مسلمانوں میں اہل حدیث اور سُنتِ مطہرہ کے راوی سب سے آگے ہیں۔ اس لیے کہ معزز علم حدیث کے حصول میں ہر ہر حدیث پڑھتے پڑھاتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھنے میں ان کا تو یہ ہمیشہ وظیفہ رہا ہے۔ ان کی زبانیں ہمیشہ نبی ﷺ کے ذکر سے تر رہتی تھیں (اور آج بھی ان شاء اللہ) کتبِ احادیث سے کُتبِ ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ) ہوں یا ''جوامع'' یا ''مسانید'' یا ''معاجم'' یا ''اجزاء'' وغیرھا (جیسے مؤطا امام مالک، مستدرک حاکم، مصنف عبدالرزاق وغیرھا) ان میں سے ہر ہر کتاب میں ہزار ہا احادیث ہیں۔ (اور کتب احادیث کی تعداد بیسیوں ہے) یوں احادیث مبارکہ کی تعداد لاکھوں بنتی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ قیامت والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت والی سعادت حاصل کرنے والے لوگوں میں سے فرقہ ناجیہ والی محدثین کرام کی جماعت (کہ جن میں صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور من تبعهم باحسان الى يوم الدين تمام لوگ شامل ہیں) سب سے اولیٰ اور مقدم ہوں گے۔ اور تمام لوگوں میں سے ان کی اس فضیلت میں کوئی بھی اُن کے برابر نہ ہوگا۔''

چنانچہ اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کے دلائل کے ساتھ اس قدر وسیع مواد موجود ہے کہ اسے جمع کریں تو کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ پھر اس جماعتِ حقہ کی اس موضوع سے متعلق فضل وشرف میں اس سے بھی بڑی بات جو روزِ روشن کی طرح بیّن وظاہر ہے اور اس سے انکار کرنے والا خود ہی فیصلہ کرے؛ اسے

فُسّاق و مجرمین وظالمین اور اپنے محسنین کے دشمنوں میں ہونا چاہیے یا اپنے ان سلف صالحین و محسنین اُمّت کے احسان مندوں میں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَه' أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَه' مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ))[1] ''جس نے اسلام میں کسی نیک بات (یعنی قران و سنت کے جو موافق ہو) کو جاری کیا اس کے لیے اپنے عمل کا بھی ثواب ہے اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے ان کا بھی اسے ثواب ہوگا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا ثواب کچھ بھی کم کیا جائے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت اور حکم سے بعض صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو جیسے جیسے آپ ارشاد فرماتے گئے وہ ساتھ ساتھ لکھتے چلے گئے حتیٰ کہ ان کی بڑی بڑی کتابیں تیار ہوگئیں۔ احادیث مبارکہ لکھنے والے ان صحابہ کرام کی تعداد بیسیوں ہوگئی تھی۔[2] ان کے علاوہ ایسے صحابہ کرام جو لکھنا نہیں جانتے تھے مگر ان کے حافظے عطیہ ہائے رب العالمین تھے اور اللہ کا معجزہ بھی انہوں نے نبی ﷺ کی احادیث وسُنن کو زبانی حرف بحرف یاد کیا اور پھر ان تمام اصحاب الحدیثِ خَیر القرون نے اِس علم کو آگے تابعین تک زبانی اور تحریر کروا کر منتقل کر دیا۔ پھر تابعین میں ایسے سینکڑوں اُصحاب العلم ہوئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کو احاطۂ تحریر میں لاکر آگے ہزار ہا تبع تابعین تک تحریری شکل میں اور شفویاً پہنچایا۔ تب ان کے عظیم تلامذہ (کہ جن کی تعداد لاکھوں میں ہوئی) میں سے ہزاروں محدثین عظام نے نبی کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو با قاعدہ تبویبی اور فقہی شکل میں مدون کر دیا۔ ان تمام نفوسِ قدسیہ کا یہ وظیفہ رہا کہ جہاں بھی اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کا اسم گرامی آتا وہ آپ پر صلاۃ وسلام لکھتے بھی تھے

[1] صحيح مسلم، كتاب الزكاة ح: ٢٣٥١

[2] ہم نے بحمد اللہ العزیز اس موضوع کو ثقہ ترین دلائل کے ساتھ اپنی کتاب ''مقدمۃ الحدیث'' میں پوری بسط و کشاد کے ساتھ بیان کیا ہے جو بھائی استفادہ کرنا چاہے کتاب مذکور کا پہلا باب پڑھ لے۔ ابو یحییٰ

اور پڑھتے بھی تھے۔ صحیح الاسناد تاریخی روایات سے اگر پہلی تین ہجری صدیوں میں شفویاً اس مقدس عمل کو بجا لانے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانا چاہیں تو نہایت مشکل ہے۔ جبکہ اس کے بعد والے ہزار سال میں شب و روز قَالَ رُسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وسَلَّم تسليماً كثيرًا وَعَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّم تسْلِيماً كَثِيرًا جیسے کلمات کا ورد کرنے والوں، احادیث مبارکہ کی درس و تدریس اور اس پاک علم کی اپنی مقدس جانوں کے ذریعے حفاظت کرنے والوں کی تعداد کا اندازہ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا؟

نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سُن لو اور جان لو کہ انبیاء کے علاوہ دُنیا کے ہر شخص کی بات جھوٹی ہو سکتی ہے مگر ایک اللہ رب العالمین کا قرآن اور دوسرا محمد رسول اللہ ﷺ تسلیما کثیرا کا فرمان اور آپ کی سُنّت کبھی غلط اور جھوٹے نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص اور معاویہ بن قرہ عن ابیہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ ۔" قَالَ مُحَمَّد بن اسماعيلُ : قَالَ عَلِيُّ ابْنُ الْمَدِينِيِّ ؛ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ))[1]

"جب ملکِ شام کے لوگ خراب ہو جائیں گے تو تمہارا وہاں رہنا بہتر نہیں ہوگا۔ اور میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ (غالب رہے گی جو اللہ کی طرف سے) مدد کیے گئے ہوں گے۔ انہیں وہ لوگ کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے جو ان کی مدد چھوڑ دیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔" امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (ان کے شیخ) علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "یہ طائفہ

---

[1] جامع الترمذی، کتاب الفتن ح : ۲۱۹۲ قال ابو عیسیٰ هذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ و وافقه الالبانیؒ

منصورہ اصحاب الحدیث ہیں۔'' (امام ترمذی اور شیخ البانی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو حسنٌ صحیحٌ کہا ہے۔)''

قارئین کرام! یہ بات آپ وضاحت سے پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ نبی ﷺ تسلیماً کثیراً کے ساتھ محبت کا اپنا بنایا ہوا کوئی معیار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں قطعاً قابل قبول نہیں ہوتا۔ اور اس ضمن میں ضِد، ہٹ دھرمی، اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کل قیامت کو اللہ کے ہاں انسان کے لیے وبالِ جان بن جائے گی۔ اور اس بارے میں ایسے لوگوں کی اس روز ہونے والے حالت کا نقشہ اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○﴾

[سورة الفرقان : ۲۷ تا ۲۹]

''اور جس دن گنہگار ظالم (مشرک بدعتی مارے افسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا، کہے گا: کاش میں بھی (دُنیا میں) اللہ کے رسول (ﷺ) کے ساتھ (قرآن وسنت والا اسلام کا) راستہ اختیار کرتا۔ ہائے میری کم بختی کاش میں فلانے (اُبی بن خلف، ابوجہل، عبداللہ بن اُبی ابن سلول اور عبداللہ بن سبا جیسوں) کو دوست نہ بناتا۔ اس نے مجھے نصیحت پہنچنے کے بعد بہکا دیا (یعنی قرآن وسُنّت سننے کے بعد) اور شیطان تو آدمی کو (عین وقت پر) دغا دیتا (اور ہلاکت کو سونپنے والا) ہے۔''

مزید ایک وضاحت:

عامۃ المسلمین میں سے اکثر ہمارے وہ بھائی جنہیں دینی مسائل دریافت کرنے اور اسلامی تعلیمات کے لیے بہر کیف و بہر حال کسی نہ کسی صاحب علم سے پوچھ گچھ کرنا، تعلیم لینا اور

اس کی بات کو جیسا وہ بتائے اس لیے ماننا لازم ہوتا ہے کہ: ☆ غیر سنجیدہ قسم کے مولویوں ، درویشوں ، صوفیوں ، گدی نشینوں اور پیروں نے انہیں یہ باور کرا رکھا ہے: جیسا ہم بتائیں کرتے چلے جاؤ تمہارے سر کوئی بوجھ نہ ہوگا ، کل قیامت کو ہم جانیں اور ہمارا رب۔

☆ ان کو دنیاوی مشاغل میں پھنسا کر ان کے دشمن (شیطان لعین) نے یہ بات ان کے ذہن میں پختہ کر دی ہے کہ تم لاعلم ہو، تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ حق سچ کی پہچان کے لیے قرآن وسُنّت کا مطالعہ اور حقیقت سے واقفیت کے لیے چھان بین کرتے پھرو، اس لیے تمہارے لیے ہی تو کسی نہ کسی کی تقلید واجب کر دی گئی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ، فلاں علامة الدهر تقلید کے حق میں کیا شاندار تقریر فرما رہے تھے؟ اور فلاں طوطی زمان نے اس موضوع سے متعلق کیسے زبردست عقلی دلائل اپنی فلاں کتاب میں جمع فرمائے ہیں؟

☆ تو کیا بھلا ہمارے پیرِ طریقت وشریعت اور قطب الاقطاب والابدال نے یہ مسئلہ جو بوری بھر روایات وحکایات کے انبارِ بے مثل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ وہ کبھی غلط ہوسکتا ہے؟ ان کی شیخ الحدیثیت ، صوفیت اور علم ومعرفت کا ایسا طوطی بولتا ہے کہ ہزارہا لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے ہیں ، لاکھوں ایسے دیوانے ہیں جو بغل میں ان کی تعلیمات دابے دنیا جہاں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ بتایئے اسرائیل سمیت دنیا کا وہ کونسا ملک اور خطہ ہے جہاں ''جماعت'' ان کا ''نصاب'' لے کر نہ پہنچی ہو؟ تو کیا وہ غلط فرماتے ہیں جو آپ ہمیں قرآن وسُنّت کا درس دینے چلے ہو؟

غرضیکہ کوئی کسی بزرگ کے حلقہ ارادت میں پھنسا ہے کوئی کسی امام کی تقلید کا طوق اپنے گلے میں ڈالے پھرتا ہے۔ اور کوئی کسی گدی والے کی مالا جپتا دکھائی دیتا ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اس حالت میں دیکھ کر یہ بات ببانگِ دُھل کہنے پر ہم مجبور ہوئے ہیں کہ واقعتاً اگر آخرت کی کامیابی اور جنت کے حصول میں اس بانٹ کا ہی اللہ نے لحاظ رکھا ، جیسا کہ ان فرقوں کے متعصب وڈیروں کا دعویٰ ہے تو پھر قرون اولیٰ کے لوگ بیچارے کہاں جائیں گے؟ وہ تو کسی کے

مقلد نہیں تھے۔ ان کی بہت بڑی اکثریت ناخواندہ تھی۔ وہ لوگ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے مطیع وفرمانبردار تھے۔ وہ اپنے نبی (ﷺ تسلیماً کثیراً) کے علاوہ کسی اور کی بات ہرگز نہ مانتے تھے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیغمبر کی اطاعت کا حکم ہی دیا تھا تقلید کا ہرگز نہیں۔ العیاذ باللہ وہ تو پھر گئے دوسری جانب۔ سچ ہے کہ نہ ہی تو اللہ تعالیٰ ایسے باطل نظریات کو مانتا ہے اور نہ ہی اس کا رسول (ﷺ)۔ اس لیے ہم بھی نہیں مانتے۔

کچھ اسی نوع کے مشائخ طریقت ومُدعیانِ درویشی اور علمائے زماں کے بارے میں حالیؔ اور اقبالؔ نے ہمارے اس بیان کی کیا خوب ترجمانی کی ہے:

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر — نہیں ذاتِ والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر — کہ تھے اُن کے اسلاف مقبولِ داور

کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مُریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت — مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انہیں پر ہے ختم آج کشف وکرامت — انہیں کے ہے قبضہ میں بندوں کی قسمت

یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مُرید اب
یہی ہیں جُنید اور یہی بایزید اب

عقائد میں حضرت کا ہم داستاں ہو — ہر اک اصل میں فرع میں ہم زباں ہو
حریفوں سے اُن کے بہت بدگماں ہو — مُریدوں کا اُن کے بڑا مدح خواں ہو

گر ایسا نہیں ہے تو مردودِ دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟ — فقیہہ وصوفی وشاعر کی ناخوش اندیشی

سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقاہی   فقیہہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی   اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

دُرُودوسلام میں افراط وتفریط

دُرُود و سلام والے موضوع پر لکھی گئی ہمارے عجمی فقیہان و پیرانِ طریقت کی من گھڑت حکایاتِ کاذبہ اور روایات موضوعہ سے کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یوں پتہ چلتا ہے کہ بے پر کی اُڑانے میں ایک سے بڑھ کر ایک پڑا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا......اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت دُرُود شریف کی ہوگی کہ ایک دفعہ دُرُود پڑھنے پر اللہ جل شانہ کی طرف سے دس دفعہ رحمتیں نازل ہوں۔'' پھر کتنے خوش قسمت ہیں وہ اکابر جن کے معمولات میں روزانہ سوا لاکھ دُرُود شریف کا معمول ہو، جیسا کہ میں نے اپنے بعض خاندانی اکابر کے متعلق سُنا ہے۔''

۲۴ گھنٹوں کے شب و روز میں کُل = ۸۶۴۰۰ سیکنڈز ہوتے ہیں۔ اگر ان بزرگوں کے اکابر انسان تھے تو انہیں حوائج لازمہ کی بھی ضرورت رہتی ہوگی؟ اس لیے کہ انسانی زندگی کی بقاء کا تعلق بہر حال ان سے ضرور ہے۔ کھانے پینے، آرام کرنے اور وجود کو کچھ حرکت دینے کے لیے ۲۴ گھنٹوں میں سے کم از کم ۶ گھنٹے تو لازماً صرف ہوتے ہوں گے؟ باقی ۱۸ گھنٹوں کے ۶۴۸۰۰ سیکنڈز بنتے ہیں۔ کیا میرا کوئی بھائی ان شیخ الحدیث صاحب کے مریدین سے یہ پوچھنے کی گستاخی و جسارت کر سکتا ہے کہ جناب وہ کونسا دُرُود تھا جو ایک سیکنڈ میں دو بار پڑھا جاتا تھا؟ اور اُن کے اِن ''اکابر'' کا روزانہ سوا لاکھ دُرُود شریف پڑھنے والا یہ عمل زندگی کے کتنے سالوں یا مہینوں تک رہا؟

ہم نے جس کتاب کا یہ اقتباس پیش کیا ہے وہ ''فضائل دُرود شریف'' کے ص: ۱۵ مطبوعہ عدنان خالد پبلشرز اُردو بازار لاہور پر درج ہے'' ۱۴۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس طرح کی لغو حکایات سے بھری پڑی ہے، چند اور بھی ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ خود کرلیں کہ جو شیخ الحدیث صاحب ایسی کذب بیانی کو معمولی جانیں اور اُن کی ان ہفوات کو لے کر ہزاروں نادان دنیا پر ان کی ''تبلیغ'' کرتے پھریں، وہ کونسے دین ومسلک کی خدمت کرتے ہوں گے؟

ب...... ''ایک عورت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ میری یہ تمنا ہے کہ میں اس کو خواب میں دیکھوں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر چار رکعت نفل نماز پڑھ اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ پڑھ اور اس کے بعد لیٹ جا اور سونے تک نبی کریم ﷺ پر دُرود پڑھتی رہ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اُس نے لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ نہایت ہی سخت عذاب (میں مبتلا) ہے۔ تارکول کا لباس اس پر ہے، دونوں ہاتھ اس کے جکڑے ہوئے ہیں اور اس کے پاؤں آگ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ میں صبح کو اُٹھ کر پھر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے صدقہ کر شاید اللہ جل شانہ اس کی وجہ سے تیری لڑکی کو معاف فرما دے۔ اگلے دن حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اُونچا تخت ہے اور اس پر ایک نہایت حسین وجمیل خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے۔ وہ کہنے لگی: حسن! تم نے مجھے بھی پہچانا؟ میں نے کہا: نہیں۔ میں نے نہیں پہچانا۔ کہنے لگی میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے دُرود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا (یعنی عشاء کے بعد سونے تک) حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس

کے بالکل برعکس بتایا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میری حالت وہی تھی جو ماں نے بیان کی تھی، میں نے پوچھا پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوگیا؟ اس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا ۔ صلحاء میں سے ایک بزرگ کا گذر ہمارے قبرستان پر ہوا۔ اُنہوں نے ایک دفعہ دُرود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہنچا دیا، ان کا دُرود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیے گئے اور ان بزرگ کی برکت سے یہ رتبہ نصیب ہوا۔‘‘[1]

قارئین محترم! امام حسن بصری رحمہ اللہ جیسے محدث اور متبع سنت پر ایسے فاحش بہتان کے ساتھ ساتھ یہ بھی جان لیں کہ مسلم معاشرے میں جرائم کے پھیلاؤ کا سبب اس طرح کی حکائتیں ہیں۔ کسی مسلمان ڈاکو، چور، زانی، شرابی، جیب کترے، رشوت خور، بدعتی اور گنہگار کو کیا ضرورت پڑی ہے جو صراطِ مُستقیم والی مشکلات میں پڑے۔ مرنے سے پہلے کسی ’’بزرگ‘‘ کو نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کرے کہ جناب! میرے مرنے کے بعد قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے ذرا ایک دفعہ ’’دُرود شریف‘‘ پڑھ دینا۔ نہ عذاب نہ سختیاں نہ مشکلات اور نہ مصیبتیں۔ موجیں ہی موجیں۔ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بات سیّد الجنّة والبشر محمد رسول اللہ ﷺ تو نہ بتلا سکے جو آج کے شیخ الحدیث نے اپنی ’’جماعت‘‘ کو سمجھا دی۔ حالانکہ ایمان باللہ، زُہد و تقویٰ اور حُبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور تمام نبیوں کی اُمتوں میں سے کائناتِ انسانی کی وہ عظیم ترین ’’جماعت‘‘ تھی۔ انہیں اُمت الجہاد کہا جاتا تھا۔ انکی پوری زندگیاں اللہ رب العالمین کی راہ میں لگ جاتی تھیں۔ اسی کتاب کے ص: ۱۱۸ وص: ۱۱۹ پر ایک اور حکایت ملاحظہ فرمائیں:

ج...... ’’نزہۃ المجالس میں ایک اور قصہ اسی نوع کا ابو احمد قزوینی رحمہ اللہ کے حوالہ

---

[1] فضائل دُرود شریف ص : ۱۱۲، ۱۱۳

سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص اور اس کا بیٹا سفر کر رہے تھے، راستہ میں باپ کا انتقال ہو گیا اور اس کا سر (منہ وغیرہ) سور جیسا ہو گیا۔ وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا اور عاجزی کی۔ اتنے میں اُس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اس لیے یہ صورت بدل گئی لیکن حضور اقدس ﷺ نے اس کے بارے میں سفارش کی ہے۔ اس لیے کہ جب یہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتا تو دُرود بھیجا کرتا تھا۔ آپ ﷺ کی سفارش سے اس کو اس کی اپنی اصلی صورت پر لوٹا دیا گیا۔

روض الفائق میں اسی نوع کا ایک اور قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہر قدم پر دُرود ہی پڑھتا ہے اور کوئی چیز تسبیح وتہلیل وغیرہ نہیں پڑھتا۔ میں نے اس سے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ ہوں۔ اُس نے کہا کہ اگر تو اپنے زمانہ کا یکتا نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا اور اپنا راز نہ کھولتا۔ پھر اس نے کہا کہ میں اور میرے والد حج کو جا رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر میرا باپ بیمار ہو گیا۔ میں علاج کا اہتمام کرتا رہا کہ ایک دم اُن کا انتقال ہو گیا اور منہ کالا ہو گیا۔ میں دیکھ کر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور انا للہ پڑھی اور کپڑے سے ان کا منہ ڈھک دیا۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب جن سے زیادہ حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور اُن سے زیادہ صاف ستھرا لباس کسی کا نہیں دیکھا اور اُن سے زیادہ بہترین خوشبو میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ تیزی سے قدم بڑھائے چلے آ رہے ہیں۔ اُنہوں نے میرے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ وہ واپس جانے لگے تو میں نے جلدی سے ان کا کپڑا پکڑ

لیا اور میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں؟ کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے باپ پر مسافرت میں احسان فرمایا۔ وہ کہنے لگے کہ تو مجھے نہیں پہچانتا۔ میں محمد بن عبداللہ صاحب قرآن ہوں (ﷺ)۔ یہ تیرا باپ بڑا گناہگار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجتا تھا۔ جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو میں اس کی فریاد کو پہنچا اور میں ہر اُس شخص کی فریاد کو پہنچتا ہوں جو مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجے۔''

قرآن وسنت والے ایک فطری اور لغویات سے پاک دینِ حنیف کے مقابلے میں اس طرح کی حکایاتِ موضوعہ پر مبنی ایک مستقل دین کھڑا کر کے اور اس خانقاہی نظام کی نشرواشاعت میں جو ہمارے ہاں پاک وہند میں نظر آتا ہے کیا اس کے پیچھے ہمارے ''ان جعلی قسم کے حکماءِ اُمت، شیوخ الحدیث، مخدومین و پیرانِ شریعت'' کا بھرپور کردار سمجھ نہیں آرہا؟

واللہ العظیم! اگر یہاں گنجائش ہوتی تو ہم ان تمام ہفوات کو درج کر دیتے جن میں نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ تسلیماً کثیراً کے بارے میں ''ان بزرگوں'' کے بے ادبی والے گستاخانہ بیانات درج ہیں۔ انہیں پڑھ کر قرآن وسُنت کی تعلیمات سے روشناس آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَیْكَ) ستم ظریفی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے حق کے راستہ کو اگر کوئی بعینہٖ اختیار کرے تو نظامِ خانقاہی کے کارندے اس کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور اللہ ذوالجلال کے نام پر حاصل کیے گئے وطنِ عزیز پاکستان میں جو کھلم کھلا نبی ﷺ کے منہج وطریق کا منہ چڑائیں، وہ سرعام دندناتے پھرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الوَکِیل)

ہم نے اوپر جو افراط وتفریط والا عنوان باندھا ہے تو اس ضمن میں بلا امتیاز تمام طبقات نے ''دُرود شریف'' کے فضائل و مسائل میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے ایک طرف تو آسمان کی بلندیوں کو چھو کر آگے نکل جانے اور بلا روک ٹوک شرعی حدیں پار کر جانے کی

باتیں ہوتی ہیں اور دوسری طرف جب مسئلہ بیان فرمانے کی بات ہوتی ہے تو یوں کہا جاتا ہے:

د......"(۱) عمر بھر میں ایک بار درُود شریف پڑھنا فرض ہے بوجہ حکم ﴿ صَلُّوا ﴾ کے جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔ (۲) اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا نام مبارک ذکر کیا جائے تو طحاوی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سُننے والے پر درُود پڑھنا واجب ہے مگر مفتی بہ یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر مستحب ہے (۳) نماز میں بجز تشہد اخیر کے دوسرے ارکان میں درُود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ (درمختار) (۴) جب خطبہ میں حضور اقدس ﷺ کا نام مبارک آ ئے یا خطیب یہ آیت پڑھے: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾[1] اپنے دل میں بلا جنبش زبان کے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے (درمختار) (۵) بے وضو درُود شریف پڑھنا جائز ہے اور با وضو نور علی نور ہے۔" (حوالہ سابقہ ص:۹۹)

(فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْاَبْصَارِ)

رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت اور ہمارا موقف:

تفسیر، احادیث اور فقہ کی کتب کے مطالعہ سے اس ضمن میں درج ذیل اُمور سامنے آتے ہیں:

۱۔ آیا نبی ﷺ پر اُمتیوں کا بالعموم صلاۃ وسلام پڑھنا واجب ہے یا مستحب؟ (یعنی جب بھی کوئی اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سُنے یا خود زبان سے ادا کرے یا لکھے چاہے یہ نُطق وسماع حالت نماز میں ہو یا نماز سے باہر تو وجوب واستحباب میں سے کیا لازم آتا ہے؟)

۲۔ نماز میں بحالتِ قعدہ اُولی وثانیہ کس میں فرض یا واجب ہے اور کس میں نہیں؟ یہاں بھی

[1] سورۃ الاحزاب: ٥٦

وجوب واستحباب اور مسنون ہونے کی ایک طویل اختلافی بحث ہے۔

۳ نماز کے علاوہ کچھ مخصوص مقامات پر یا اوقاتِ مخصوصہ میں صلوٰۃ وسلام کی حیثیت کیا فرض ووجوب کی ہے یا سنت واستحباب کی؟

۴ کیا نبی ﷺ نے درود وسلام کے الفاظ مخصوص اوقات و مقامات کے لیے سکھائے تھے؟ اور کیا صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے کچھ اپنی طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام کے الفاظ وضع فرمائے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۵ آج کل کے ''بناوٹی درُودوں'' کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان کی ادائیگی سے کیا پڑھنے والے کو اجر وثواب ملتا ہے؟

۶ شرعی صلوٰۃ وسلام کے فضائل وفوائد اور اس مکمل موضوع میں ہمارا موقف۔

بِفَضْلِ اللّٰهِ الرَّحْمٰن و بِمَنِّهٖ وَالْاِحْسَانِ ہم مندرجہ بالا تمام اُمور کو ثقہ دلائل کے ساتھ مفصل بیان کرتے ہیں تاکہ اس موضوع کی خوب وضاحت ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوری الحاء ولجاجت کے ساتھ دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما لے جنہیں کل قیامت والے دن جنابِ سید الأنبياء والمرسلين ، رحمة للعالمين و شفيع المؤمنين المُذنبين محمد رسول الله ﷺ وعلى آله و صحبه اجمعين تسليماً كثيرًا کی خصوصی شفاعت والی سعادت نصیب ہونے والی ہے۔

(اللهم آمين يا رب العالمين)

صلاۃ و سلام کے وجوب واستحباب والے مواقع:

بتوفیق ربنا الکریم ہم درج ذیل ثقہ دلائل کی رُو سے نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ پر بہر موقع صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب، فرض اور لازم سمجھتے ہیں جہاں اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی زبان پر آئے یا احاطۂ تحریر میں لایا جائے یا اس کی سماعت ہو۔ چاہے یہ موقع نماز میں آئے یا نماز سے باہر۔ البتہ بعض مواقع پر درُود پڑھنا مستحب ضرور ہے اور ان استثنائی

حالتوں کو بھی ہم بیان کیے دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک استثنائی کیفیت جہری نمازوں میں دورانِ تلاوت اگر نبی ﷺ کا ذاتی یا صفاتی، کوئی نام آ جائے یا کلمہ ''النّبی'' یا الرّسول یا رسول اللّٰه (وغیرھا میں سے کوئی) آ جائے تو نہ ہی امام دُرود پڑھے اور نہ ہی مقتدی۔ اس مسئلہ پر ساری اُمت کا اجماع ہے۔

ا...... ﴿ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾[1] (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے اہل ایمان کو ملأ اعلیٰ کی خبر دے کر اس بات کا حکم دیا ہے کہ زمین پر تم بھی اس کے نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کرو۔ اس حکم کے عموم کی بنا پر بموجب اصولِ فقہ (کہ امر وجوب کا حکم رکھتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہر موقع دُرود پڑھنا واجب اور فرض ہے البتہ بعض جگہ مستحب بھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

((وَقَدْ جَاءَتِ الْأَحَادِيْثُ الْمُتَوَاتِرَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا بِالْأَمْرِ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ)) ''رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری متواتر احادیث (کتب احادیث میں) آئی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دیتی ہیں۔'' ان میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

ب......((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وسَلَّمَ " لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا۔ وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي "))[2]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر دُرود بھیجتے رہو، تمہارا دُرود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔''

---

[1] سورۃ الاحزاب : ٥٦
[2] مسند احمد : ٢/٣٧٦ ح : ٨٥٨٦

ج .....((عَنْ أَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وسَلَّمَ " أَکْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَیَّ فَإِنَّ اللّٰهَ وَکَّلَ بِیْ مَلَکًا عِنْدَ قَبْرِیْ فإِذَا صَلّٰی عَلَیَّ رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِیْ قَالَ لِي ذٰلِكَ الْمَلَكُ : یَا مُحَمَّدُ! إِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰی عَلَیْكَ السَّاعَةَ))[1]

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر کثرت سے درُود بھیجا کرو۔ اللہ تعالیٰ میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا۔ جب بھی میرا کوئی اُمتی مجھ پر درُود بھیجے گا، تو یہ فرشتہ مجھے کہے گا: اے محمد ﷺ! فلاں بن فلاں نے فلاں وقت آپ پر درُود بھیجا ہے۔''

د.....((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وسَلَّمَ " إِنَّ لِلّٰهِ مَلَا ئِکَةً سَیَّاحِیْنَ فِي الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ أُمَّتِیْ السَّلَامَ))[2]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لوگوں کا سلام مجھے پہنچانے کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو زمین پر گشت کرتے رہتے ہیں۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے)

ھ.....((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ " رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ یُغْفَرَلَهُ ، وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ عِنْدَهُ أَبَوَاهُ الْکِبَرَ فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ))[3]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''

---

1. سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی الجزء الرابع ح : ۱۵۳۰
2. صحیح سنن النسائی للالبانی الجزء الأول ح : ۱۲۱۵
3. صحیح سنن الترمذی للالبانی الجزاء الثالث ح : ۲۸۱۰

رسوا ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔ رسوا ہو وہ آدمی جس نے رمضان کا پورا مہینہ پایا اور وہ اپنے گناہ نہ بخشوا سکا۔ رسوا ہو وہ آدمی جس کے سامنے اس کے ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔)

و..... ((عَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وسَلَّمَ "أُحْضُرُوا الْمِنبرَ فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ : آمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ : آمِيْنَ ، ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَال : آمِيْنَ ، فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنبرَ قَالَ : فَقُلْنَا لَهُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وسَلَّمَ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ ، قَالَ : إِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ : بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ ، فَقُلْتُ : آمين ، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ : بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَه‘ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ : فَقُلْتُ : آمِيْنَ ، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ ، فَقُلْتُ : آمِيْنَ))[1]

''حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے منبر لانے کا حکم دیا اور جب آپ ﷺ پہلی سیڑھی پر چڑھے، تو فرمایا: آمین، پھر دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین، پھر تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: آمین ۔خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے تو صحابہ نے عرض کیا: آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے ایسی بات سُنی ہے جو اس سے پہلے نہیں سُنی تھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل علیہ

[1] فضل الصلاۃ علی النبی للالبانی ح : ۱۹ رواہ الحاکم وھو صحیح

السلام تشریف لائے اور کہا: ہلاکت ہے اس آدمی کے لیے جس نے رمضان کا مہینہ پایا لیکن اپنے گناہ نہ بخشوائے۔ میں نے جواب میں کہا: آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا، تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا؛ ہلاکت ہو، اس آدمی کے لیے جس کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے، لیکن وہ آپ پر درُود نہ بھیجے۔ میں نے جواب میں کہا: آمین، جب تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ہلاکت ہے اس آدمی کے لیے جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی عمر میں پایا، لیکن ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ میں نے جواب میں کہا: آمین۔'' (اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔)

ز..... ((عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ " اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))[1]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درُود نہ پڑھے، وہ بخیل ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے)

ح..... ((عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ : "إِنَّ أَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَه، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ" رواه إسماعيل القَاضِیُ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ))[2]

''حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں

---

[1] صحيح سنن الترمذی للالبانی الجزء الثالث ح : ٢٨١١

[2] فضل الصلاة على النبی للالبانی ح : ٣٧

میں سے بخیل ترین آدمی وہ ہے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ میرے اوپر دُرود نہ بھیجے۔'' (اسے اسماعیل قاضی نے فضل الصلاۃ علی النبی میں روایت کیا ہے۔)

ط..... ((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ یَذْكُرُوا فِیهِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَلَمْ یُصَلُّوا عَلَى النَّبِیِّ إِلَّا كَانَ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ" رِوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ حَبَّانٍ وَالْحَاكِمُ وَالْخَطِیْبُ))[1]

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' جس مجلس میں لوگ اللہ کا ذکر نہ کریں، نبی اکرم ﷺ پر دُرود نہ بھیجیں، وہ مجلس قیامت کے دن اُن لوگوں کے لیے باعث حسرت ہوگی خواہ وہ نیک اعمال کے بدلے ہی جنت میں چلے جائیں۔'' (اسے احمد، ابن حبان، حاکم اور خطیب نے روایت کیا ہے۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود نہ پڑھنے کی وجہ سے درجات میں کمی پر حسرت کریں گے)

البتہ ایسی مجالس اور مواقع جہاں نبی ﷺ کے ذاتی یا صفاتی نام یا کلمۂ النبی یا نبی کریم یا نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ جیسے کلمات کا ذکر بار بار ہو رہا ہو اور متکلمین و سامعین پر دُرود پڑھنا مشکل ہو رہا ہو تو یہاں علماءِ اُمت اس بات کی طرف رجحان رکھتے ہیں کہ چند بار بطورِ وجوب دُرود پڑھ لیا جائے اور باقی دفعہ کی ادائیگی مستحب ہوگی۔اس استحباب کے ترک پر گناہ بھی نہ ہوگا۔

اسی طرح صفا و مروہ پر چڑھ کر، (بموجب روایت دارقطنی عن خزیمہ بن ثابت) موسمِ حج میں تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد، کسی تکلیف کے وقت اور بقول ابن عباس

[1] سلسلة احادیث الصحیحة للالبانیؒ الجزء الأوّل ح : ٧٦

رضی اللہ عنہ بوقتِ نکاح نبی ﷺ پر دُرود و سلام مستحب ہے واجب نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) [1]

نماز میں بموجب قعدہ اُولیٰ وثانیہ اور اخیرہ میں صلوٰۃ وسلام کا وجوب:

بسا اوقات تین اور چار رکعات والی نمازوں میں ایک نمازی کو دو سے زیادہ بار قعدہ میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ مثلاً (غیر مسافر) مقیم مقتدی نماز ظہر یا عصر میں مقیم ہی امام کے پیچھے پہلے قعدہ (تشہد) میں آ کر ملا (یعنی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد امام کے ساتھ نماز کے کسی بھی رکن میں شامل ہو گیا) تو اس کی چار رکعات میں تین قعدے (تشہد) آئیں گے۔ اگر مقتدی نمازِ مغرب میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد قعدہ میں بیٹھنے تک امام کے ساتھ مل گیا تو اسے

---

[1] تفصیل کے لیے القول البدیع للسخاوی اور جلاء الافہام للامام ابن قیم رحمہما اللہ کا مطالعہ کیجئے۔
ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے چوتھے باب میں الگ الگ اکتالیس فصلیں قائم کر کے ان میں صلوٰۃ وسلام کے وجوب و استحباب کو بیان فرمایا ہے۔ پھر صحت وضعف کو خود بھی بیان کر دیا ہے اور مترجم (جناب قاضی شاکر حسین صدیقی سہوانی رحمہما اللہ) نے بھی۔ فجزاھما اللہ خیراً
جلاء الأفهام کے مترجم جسٹس قاضی شاکر حسین صدیقی سہوانی رحمہ اللہ نے یہاں (خیر الکلام اُردو ترجمہ جلاء الافہام طبع مطبع القرآن والسنہ امرتسر، مشرقی پنجاب بھارت) ایک نہایت مفید نوٹ لکھا ہے۔ ہم بھی فائدہ کے پیشِ نظر اسے درج کیے دیتے ہیں۔
ناظرین ان جملہ مواقع پر نظر ڈالنے کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک دن رات کا کوئی حصہ بلکہ ساعات عمر کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں کسی نہ کسی طرح پر درود شریف کا ورد واجب یا مستحب نہ سمجھا گیا ہو۔ لہٰذا قابل غور یہ امر ہے کہ اس کی بابت اللہ تعالیٰ کا حکم اور ہر موقع پر فرضیت میں اس کے اکثار وتوظیف کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اور ترغیب وتاکید۔ عاملین کے واسطے اجر جزیل کے مواعید۔ تارکین کے لیے وعید شدید کیوں ہے؟ اس کا ورد اگر کسی ایسے عظیم الشان مقصد اعلیٰ پر جو دوسری عبادات سے ماوراء ہے مبنی نہیں تو پھر وہ کیا بات ہے جس کے لیے اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کیا وہ مطالب ومقاصد جن کی تصریح علمائے کرام فرماتے ہیں اپنے اندر ایسی عظمت وخصوصیت رکھتے ہیں جو اس تاکید واہتمام کے مناسب حال ہو۔ کیا فی الواقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے لیے ہماری ازدیادِ مراتب وترقی مدارج کے لیے ایسی دعاؤں کی کچھ ضرورت ہے؟ اس لیے کہ ہر دعا کسی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہوا کرتی ہے۔ جہاں کوئی کمی نہ ہو وہاں پورا کیا ہوگا؟ کمال میں نقص کی گنجائش کہاں ہے؟ جو علو شان، تشریف واکرام مشیت الٰہی میں آپ کے لیے مقدر تھا وہ معیّن ہو چکا۔ ⇦⇦⇦

تین رکعات میں چار بار قعدہ (تشہد) میں بیٹھنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں تین اور چار رکعات والی نمازوں میں کم از کم دو قعدے تو ضرور بیٹھنا پڑتے ہیں۔ تو کیا ان تمام حالتوں میں سے ہر قعدہ کے اندر درُود پڑھنا واجب ہے؟ یا مسنون یا مستحب؟ یا صرف آخری قعدہ میں پڑھنا لازم ہے؟

(بقیہ سابقہ) قَدْ جَفَّتِ الْاَقْلَامُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ...... جو درجات ماسوا اللہ سے فضیلت کے مقرر تھے وہ حتمی ہو گئے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

ہر ایسی اجتہادی لغزش جو راہِ عمل و اخلاص میں خلافِ شانِ حُبِ اللہ واقع ہونا ممکن تھی مغفور ہو چکی ہے۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مِنْ ذَنْبِكَ مَا تَقَدَّمَ وَ مَا تَاَخَّرَ...... یہ چند سوالات ہیں جو یکے بعد دیگرے دل میں خواہ مخواہ اس موقع پر پیدا ہوتے ہیں اور جن کا کسی تصریح سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔ جس حقیقت تک ایک بے بضاعت کے ذہن نے رسائی کی ہے خواہ وہ جواب صحیح ہونے کی حیثیت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو بہر کیف پیشِ خدمت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان جملہ احکام و ارشادات و تاکیدات کا منشاء صدور محض امت مرحومہ کی شرک سے صیانت اور توحید حقیقی کی ہدایت ہے۔ اس لیے کہ غیر محدود ایسی مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں کہ مخلوق نے اکثر اوقات بعض افراد یا بعض اشیاء میں مافوق عادت قُوٰی کے مشاہدے سے غلط راستہ اختیار کر کے ان کو کچھ سے کچھ سمجھ لیا۔ یعوق و یغوث و نسر وغیرہ عباد و زہاد کی پرستش کے اسباب و واقعات جو اخبار و تفاسیر میں منقول ہیں وہ اس حقیقت کے شاہد عادل ہیں۔ جانے دیجئے یہ دورِ ابتدائی کی باتیں ہیں آج اس ترقی کے زمانہ میں بھی عُبّاد اصنام کو چھوڑ کر مہذب مذاہب میں دیکھ لیجئے کہ ایک عالم کثیر کو حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ذات میں صرف اُن خوارق و تشریفات کی بدولت جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کرامات باہرات و مدارج تخصیص و تشریفات سے کوئی مناسبت نہیں ہے، الُوہیّت و ابنیّت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ جب اس بے سری مخلوق کے انتقال ذہنی کی یہ حالت ہے تو کیا اس کا ایک ایسی ہستی کے جو ماسوا اللہ میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے چند در چند قوائے غیر معمولی کے مشاہدے سے مرعوب ہو کر بے راہی کی جانب مائل ہو جانا بہت زیادہ قریب الامکان نہ تھا؟ بے شک تھا اور اب بھی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو اور اس کے نبی پاک نے اپنی اُمت کو اس غلط راستے سے بچانے کے لیے صلوٰۃ کے اکثار و توظیف کی تاکید فرمائی تاکہ ہر لحظہ و ہر آن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ وہ ذات عالی بھی باوجود ہر گونہ امتیاز و تفوق و حصول درجات عالیہ و شان محبوبیت کے عظمت و شان الٰہی کے مقابلے میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو ایک عبد کی معبود کے۔ اور مربوب کی رب کے سامنے ہونی چاہیے۔ اور خواہ وہ اپنی نوعیت میں کیسی ہی کامل و اکمل ہو ہر حالت میں فضل و کرم رب العالمین کی ضرورت مند ہے۔ اور اُس کی جو کچھ شان و عظمت ہے وہ ایک ایسی ہستی مطلق واجب برحق کا عطیہ ہے جس سے ہم آج بھی اس کے لیے ازدیاد مراتب کے متمنی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تفاسیر واحادیث اور فقہی کتب کے مطالعہ سے یہاں علماء کبار کے مابین اختلاف کی چار صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ بعض علماء کا موقف ہے کہ: ہر قعدہ میں درود شریف پڑھنا واجب ہے۔
۲۔ بعض علماء: دونوں قعدوں میں جواز کے قائل ہیں وجوب کے نہیں۔
۳۔ بعض کبار علماء قعدہ اولیٰ میں جواز اور آخری قعدہ میں وجوب ثابت کرتے ہیں۔
۴۔ بعض کہتے ہیں کہ: قعدہ اولیٰ میں بالکل ناجائز ہے۔

چنانچہ تمام علماءِ کرام (کہ جن میں صحابہ کرام سے لے کر آج تک کے تمام سلف صالحین شامل ہیں) کے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے جو بات أقرب إلی القرآن والسنہ معلوم ہوتی ہے وہ تیسری صورت ہے۔ اس کے دلائل سب سے زیادہ قوی ہیں اور انہیں کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱)...... فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص: ۱۴۵) میں لکھتے ہیں:

> ''اور اللہ کے نبی ﷺ پہلے تشہد (قعدہ اُولیٰ) میں اپنے آپ پر درُود پڑھا کرتے تھے اور اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کے لیے مشروع قرار دیا ہے۔ جبکہ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو آپ ﷺ پر سلام کے بعد [1] پڑھنے کا حکم دیا ہے۔''

اس کے لیے شیخ موصوف رحمہ اللہ نے صحیح ابن عوانہ (۳۲۴/۲) اور سنن النسائی کا حوالہ حاشیہ میں درج کیا ہے۔ اسی بات کے حق میں شیخ البانی صاحب نے تشہد میں صلاۃ کے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی معروف حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

---

[1] سلام کے بعد کا معنی: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ والاسلام ہے۔

''نبی ﷺ نے کسی تشہد کی تخصیص نہیں فرمائی کہ اس میں درود پڑھا کرو اور اس میں نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مطلق حکم دیا تھا: قُولُوا ؛ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ..... الخ جس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ پہلے تشہد میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مشروع ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اس کی تصریح اپنی کتاب '' الام'' میں کر دی ہے اور یہی بات آپؒ کے تمام اصحاب (سب کے سب شافعی علماء) کے نزدیک صحیح ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لیے امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ کی ''الروضہ : ۲۶۲/۱ طبع المکتب الاسلامی بالبیروت) آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اسی بات کو الوزیر بن ھُبَیرہ الحنبلی نے ''الافصاح'' میں اختیار کیا ہے اور ان کے موقف کو ابن رجب رحمہما اللہ نے ''ذیل الطبقات'' (۲۸۰/۱) میں نقل کر کے اسی پر استقرار اختیار کیا ہے۔

تشہد میں نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی احادیث بہت زیادہ کتب احادیث میں وارد ہیں اور ان کی اکثریت صحیح درجہ کی ہے مگر کسی میں بھی پہلے یا آخری قعدہ کی تخصیص نہیں ہے۔ اس لیے بعض علماء تو ہر قعدہ میں بالوجوب اس کے پڑھنے کے قائل ہیں۔ مگر مطلق طور پر قعدہ میں بالوجوب درود پڑھنے کے قائلین کی اکثریت نے ایک حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ صرف آخری قعدہ میں سلام کے بعد صلوٰۃ پڑھی جائے۔ پہلے قعدوں میں اگر نہ بھی پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اس پر نہ ہی سجدہ سہو ہوگا اور نہ ہی نماز باطل ہوگی۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسی موقف کو اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''قعدہ اُولیٰ میں صلوٰۃ سے منع کرتے ہوئے اس کی مخالفت کرنے والوں کے پاس سُنت سے ثابت کوئی ایک بھی دلیل نہیں ہے جس پر اُن کا موقف درست مانا جاسکے۔ جیسا کہ وہ اپنی عقلی فقہ کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''پہلے قعدہ میں ''اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ...... الخ والے الفاظ کے

ساتھ درود تو نماز میں ایک زیادتی ہے جو مکروہ ہے۔'' اس دعویٰ کی سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ ہماری رائے میں جس نے ایسا کر لیا اس نے گویا نبی ﷺ کے فرمان : قُولُوْا ؛ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ..... الخ پر عمل کر لیا۔''[1]

آخری قعدہ کے علاوہ دیگر قعدوں میں درود نہ پڑھنے کی دلیل

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : "عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِيْ وَسْطِ الصَّلَاةِ وَ فِي آخِرِهَا۔" فَكُنَّا نَحْفَظُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ حِيْنَ أَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ عَلَّمَه' إِيَّاهُ ۔ قَالَ ؛ فَكَانَ يَقُوْلُ إِذا جَلَسَ فِيْ وَسْطِ الصَّلَاةِ وَفِيْ آخِرِهَا عَلَى وَرِكِهِ الْيُسرىٰ : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه' ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه' وَرَسُوْلُه' ۔" قَالَ : ثُمَّ إِنْ كَانَ فِيْ وَسْطِ الصَّلَاةِ نَهَضَ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ تَشَهُّدِهٖ ، وَإِنْ كَانَ فِيْ آخِرِهَا دَعَا بَعْدَ تَشَهُّدِهٖ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَدْعُو ثُمَّ يُسَلِّمَ۔"))[2]

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] صِفة صَلَاة النبى صلى الله عليه وسلم ص: ١٤٦

[2] مسند احمد : ٤٥٩/١، حديث : ٤٣٦٩طبع دار احياء التراث الاسلامى و صحيح ابن خزيمه حديث : ٧٠٨ جلد اوّل ص: ٣٥٠ طبع المكتب الاسلامى ؟البيروت...... امام ابوبکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث پر باب قائم کیا ہے۔ باب الاقتصار في الجلسة الاولىٰ على التشهد وترك الدعاء بعد التشهد الاوّل۔ قعدہ اولیٰ میں تشہد پر اکتفاء کرنے اور اس میں پہلے تشہد کے بعد دعا (صلوٰۃ اور دیگر دعاؤں) کو ترک کرنے کا بیان۔

وسلم نے مجھے نماز کے درمیان میں اور اس کے آخر پر (دونوں قعدوں میں طریقہ) تشہد سکھایا۔'' راوی حدیث اسود بن یزید نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتلایا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے تشہد سکھایا تھا تو ہم آپ رضی اللہ عنہ سے اسے یاد کرنے لگے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے درمیان (والے قعدہ) اور آخر نماز میں اپنی بائیں سرین پر بیٹھتے تو یوں پڑھتے تھے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ...... الخ ۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''پھر آپ ﷺ نماز کے درمیان (والے قعدہ) میں ہوتے تو آپ اپنے تشہد سے فارغ ہوتے ہی (تیسری رکعت کے لیے فوراً) اُٹھ جاتے۔ اور اگر آپ آخری قعدہ میں ہوتے تو اپنے تشہد کے بعد جتنی اللہ چاہتا (صلوٰۃ کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگتے رہتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے۔''

(امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کے ذیل میں (حدیث: ۷۰۰، ۷۰۱) عن یعقوب بن ابراہیم والی روایت کے ساتھ وضاحت کر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم درمیان والے قعدہ میں نہیں بلکہ صرف آخری قعدہ میں ''تورّک'' فرمایا کرتے تھے۔)

اس حدیث کی تخریج پر صحیح ابن خزیمہ میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے اور مسند احمد میں شعیب الارناوط نے ''حسنٌ'' کا حکم لگایا ہے۔ اس لیے ہم کھلے دل کے ساتھ یہاں مالکیوں اور احناف کا موقف قبول کرتے ہیں کہ اس روایت کی رُو سے اور دیگر کچھ روایات کی بنا پر اگر کوئی درمیانی قعدوں میں صلوٰۃ نہ بھی پڑھے تو نماز درست ہوگی۔ ان شاءاللہ۔

البتہ ''دیگر روایات'' پر اگر ہمارے احناف و مالکیہ بھائی مُصر ہوں کہ اُن کی رُو سے نماز میں وجوبِ صلاۃ کا بطلان ثابت ہوتا ہے تو پھر علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ کی جلاء الافہام کا چوتھا باب اُن کے اس دعویٰ کی تردید میں ہماری اس کتاب کا حصہ سمجھا جائے۔ ان شاءاللہ ایسے

جوابات ملیں گے کہ آئندہ عدمِ وجوب کا نام ہی نہیں لیں گے۔ تشفی کے لیے بعض یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

آخری قعدہ میں وجوبِ صلوٰۃ کے دلائل

اکثر احناف اور بعض مالکیہ کی طرف سے امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے ہم مسلک علماء پر شذوذ و مخالفت اجماع کی نسبت کرنا قطعاً غیر صحیح اور خلاف واقع ہے۔ صحابہ کرام اور ان کے بعد والے لوگوں (یعنی تابعین و تبع تابعین میں سے ایک بڑی جماعت) کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جن کی حدیث تشہد سے منکرین وجوب نے استدلال کیا ہے) خود صلوٰۃ کو واجب سمجھتے تھے۔ (ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ان کا قول و مذہب **لا صلوٰۃ لمن لم یصل فیھا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم** (جو شخص نماز میں درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی) تمہید میں نقل کیا ہے۔ اور صاحبِ تمہید کے سوا اور لوگ بھی اس حدیث کے ناقل و راوی ہیں۔ اسی طرح جماعت صحابہ میں سے ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب روایت کیا گیا ہے۔

((رَوَى عُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ وغيره عَنْ شَرِيكٍ عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِي مَسْعُودٍ قَال : مَا اَرَى اَنْ صَلٰوةَ لِی تَمَّتْ حَتّٰى اُصَلِّيَ فِيْهَا عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آل مُحَمَّدٍ))

''ابو جعفر محمد بن علی ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر درود نہ پڑھوں اپنی نماز کو کامل نہیں سمجھتا۔''

یہ حدیث اس سند اور ان الفاظ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

((حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ ثَنا شَرِیْكٌ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ قَالَ قَالَ اَ بُو مَسْعُودِ الْبَدْرِیُّ : مَا اَرَی اَنَّ صَلٰوةَ لِیْ تَمَّتُ لَا اُ صَلِّیْ فِیْهَا عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ))

حسن بن شبیب کی اس روایت کے موافق عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا بھی یہی مذہب ہے۔

((حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مَیْمُوْنٍ ثَنا خَالِدُ بْنُ حبّانَ عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ بَرْقَانَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ : لَا یَكُوْنُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِقِرَاءَ ةٍ وَّ تَشَهُّدٍ وَصَلٰوةٍ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنْ نَسِیْتَ شَیْئًا مِنْ ذَالِكَ فَاسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ بَعْدَ السَّلَامِ))

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نماز پوری نہیں ہوتی جب تک قراءۃ (فاتحہ) وتشہدادا نہ کیا جائے اور درود شریف نہ پڑھا جائے۔ اگران میں سے تو کچھ بھول جائے تو سلام کے بعد دو سجدے (سہو کے) کرنا چاہئیں۔''

تابعین میں سے ابو جعفر محمد بن علی، شعبی، مقاتل اور ابن حبان قائل وجوب ہیں۔ اور ائمہ مجتہدین ارباب مذاہب میں سے امام اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

((لِئِنْ تَرَكَهَا عَمَداً لَمْ تَصِحُّ صَلٰوتَه' وَاِنْ تَرَكَهَا سَهْوًا رَجَوْتُ اَنْ تَجْزِیه))

''اگر کوئی شخص عمدًا درود ترک کرے تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی البتہ سہواً نہ پڑھے تو امید ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی۔''

اس لیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ تشہد میں سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے لیکن صلوٰۃ کس طرح پڑھی جائے اور آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلاَ ئِكَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ﴾ نازل ہوئی تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ صلوٰۃ اس طرح پڑھا کرو۔ پس اس باب میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا ہے اس کا ادنیٰ حصہ عمل کرنے کے لیے کافی ہے۔ (یعنی صحابہ کا یہ کہنے کے بعد کہ سلام کا طریقہ ہم کو معلوم ہے جو قطعاً تشہد میں واقع ہوا ہے آپ ﷺ ہمیں اس مامور بہ صلوٰۃ کی تعلیم فرمائیں۔ آپ کا الفاظ درود تعلیم فرمانا یہ ثابت کرتا ہے کہ نماز میں جو حالت تشہد وسلام کی واقع ہوئی ہے وہی درود شریف کی بھی ہے)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دونوں قول مروی ہیں۔ مسائل مروزی میں لکھا ہے؛ امام موصوف سے لوگوں نے کہا کہ ابن راہویہ (امام اسحاق رحمہ اللہ) کہتے ہیں جو شخص تشہد کے بعد درود شریف نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے۔ آپ نے کہا کہ میں ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور ایک مرتبہ یہ بھی کہا کہ یہ شاذ مذہب ہے۔ دوسری جگہ مسائل ابوزرعہ دمشقی میں یوں آیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ بغیر درود شریف کے نماز ہو جاتی ہے مگر انکشاف حقیقت کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا پڑھنا واجب ہے۔ ظاہر آثار یہ ہے کہ امام موصوف نے اپنے پہلے قول سے رجوع فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ مختلف مذاہب کے آئمہ وعلماء کا مطالعہ نہیں کرتے اور مواقع اجماع ونزاع کو نہیں پہچانتے وہ ایسے ہی بلا دلیل دعوی کر دیا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ پر اجماع ہے حالانکہ ہوتا نہیں۔

صحابہ کرام کا یہ کہنا: ((هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ)) خود اس امر کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ کا امر بعد وجوب تشہد واقع ہوا ہے۔ اس لیے کہ نماز میں کوئی دوسرا اسلام جس کے معلوم ہونے کا صحابہ نے تذکرہ کیا ہے، سوائے اس سلام کے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث کی حالت جس کے جملہ: ((فَاِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ)) سے تم جو عدم وجوب کا استدلال کرتے ہو تو دیکھنا چاہیے کہ آئمہ و حفاظ حدیث کی صراحت وتحقیق کے موافق یہ جملہ جزو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے،

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو عبارت حدیث میں درج ہو گیا ہے۔ دار قطنی نے کتاب العلل میں ضبط کیا ہے کہ یہ حدیث حسن بن حُر نے قاسم بن مخیمرہ سے۔ انہوں نے علقمہ سے۔ علقمہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حسن نے...... محمد بن عجلان و حسین جعفی و زہیر بن معاویہ و عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان چار اشخاص سے روایت کی ہے۔ ان میں سے ابن عجلان و حسین جعفی کی روایت تو ذکر شہادتین پر ختم ہو جاتی ہے اور زہیر کی روایت جو ان کے بعض شاگردوں کے واسطہ سے منقول ہے وہ جملۂ مدرجہ: ((فَاِذَا قُلْتَ ذَالِكَ)) کے آخر فقرہ پر ختم ہوتی ہے۔ لیکن شبابہ بن سوار ان کے دوسرے شاگرد نے اپنی روایت میں عَنْ زُهَيْر قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ (زہیر سے روایت ہے کہ ابن مسعود نے کہا) کہہ کر اس قول ابن مسعود و حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تفریق و تفصیل کر دی ہے اور یہی طریقہ حسن بن حر سے روایت کرنے میں ابن ثوبان نے اختیار کیا ہے۔ پھر یہی دار قطنی کتاب السنن میں اس حدیث کو بواسطہ زہیر عن الحسن بن حر زیادت کے ساتھ روایت کر کے کہتے ہیں کہ بعض شاگردان زہیر نے ان سے روایت حدیث کرنے میں اس جملہ مدرجہ کو کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وصل کر دیا ہے۔ لیکن شبابہ نے اس میں تفریق و تفصیل کی ہے جو قرین صواب ہے۔ اس لیے کہ حسن بن الحر سے ابن ثوبان کی روایت بھی اسی طرح پر ہے اور حسین جعفی و ابن عجلان و محمد بن ابان کی روایت بھی بالاتفاق تشہد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور جن راویوں نے عبداللہ بن مسعود کی حدیث تشہد علقمہ کے واسطے سے یا دوسرے تابعین کے ذریعہ سے روایت کی ہے ان کی روایت بھی تشہد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ شبابہ کی سند سے حدیث روایت کر کے اس کی توثیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت ادراج کرنے والوں کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ غسان بن الربیع نے بھی ابن ثوبان سے روایت کرنے میں شبابہ کی متابعت کر کے کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کلام ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں فصل کر دیا ہے۔ ابو بکر خطیب رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب الفصل للوصل میں اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا

ذکر کر کے لکھا ہے کہ جو لوگ اس حدیث میں قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فصل کرتے ہیں وہی حق بجانب ہیں۔ اور امر صواب یہی ہے کہ زیادت مدرجہ ہے۔

اسی طرح قائلین: ((اِذَا قَعَدَ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فَقَدْ تَمَّتْ صَلوٰتُه' اور اِذَا رَفَعَ رَاْسَه' مِنَ السَّجْدَةِ الْاٰخِرَةِ فَقَدْ تَمَّتْ صَلوٰتُه)) کی تردید دعویٰ میں آخر مدعیان فرضیت تشہد حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ پیش کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر اگر ہم بھی ان کے مقابلہ میں احادیث وجوب صلوٰۃ اسی طور سے پیش کریں تو کیا بے جا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ ان کا دعویٰ قابل قبول ہو اور ہمارا نہ ہو؟ جس طرح دوسری حدیث کی وجہ سے ان احادیث کے مفہوم پر اتمام نماز کا حصر ناممکن ہے اور اُس حدیث کو ان کا متمم سمجھا جائیگا۔ اسی طرح وہ قول جس کو ہم استدلالاً پیش کرتے ہیں اس دوسرے قول کا متمم ہے اور آپس میں کچھ تعارض نہیں۔ پھر یہ ہمارا استدلال جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ قرناً بعد قرنٍ عمل امت کے مطابق ہے تمہارے اس استدلال سے ہر طرح قوی ہے۔ اور جو بعض فقہاء اس باب میں ہمارے مخالف ہیں ان کی مخالفت ایسی ہی ہے جیسی کہ بعض کی وجوب تشہد کے بارے میں۔ لیکن حق اسی کی طرف ہے جس کے پاس دلیل ہو۔

ہمارے دلائل قویہ کو بنظر انصاف دیکھو اور اقرار کرو کہ کہاں تک ہم حق بجانب ہیں۔ (ان شاء اللہ)

پہلی دلیل

اس مسئلہ میں آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ہے۔ اس لیے کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین عباد کو اپنے حبیب پاک پر صلوٰۃ وتسلیم کا حکم عام صادر فرمایا ہے۔ اور ہر امر

جب تک کہ اس کی مخالف کوئی دلیل صحیح نہ ہو مستلزم وجوب ہے۔ احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نزول آیت کے بعد جب صحابہ کرام نے یہ کہہ کر کہ سلام تو ہم کو معلوم ہے صلوٰۃ ماموربہا کس طور پر ادا کی جائے تو آپ نے ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ...... الخ)) ان کو تعلیم فرمایا اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ اس سے پہلے جو سلام ان کو تعلیم فرمایا گیا تھا، وہ وہی سلام ہے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ پس دونوں امر اور دونوں تعلیم اور دونوں محل کا ایک ہی مخرج ہونا اپنی مشابہت تامہ کی وجہ سے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جس صلوٰۃ وسلام کا حدیثوں میں ذکر ہے وہ وہی صلوٰۃ وسلام ہے جس کا نماز سے تعلق ہے۔

دوسری دلیل

ہماری اس مسئلہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں درود شریف پڑھا کرتے تھے اور ہم کو حکم ہے کہ؛ جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم نماز پڑھا کرو۔ پس یہی دونوں حدیثیں اس کے وجوب کی دلیل ہیں۔ پہلی حدیث کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس طریق سے روایت کیا ہے:

((عَن ابراهيمَ بن مُحمدٍ حدثني سعدُ بن اسحٰقَ عَن عبدِالرحمٰنِ بُنِ اَبی لَیلیٰ عَن کَعب بنِ عُجرةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّه، کَانَ یَقُولُ فِی الصَّلٰوةِ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ وآلِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ))

''کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔'' اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ...... الخ

اس حدیث کی سند میں اگر چہ ابرہیم بن ابی یحییٰ کی نسبت کچھ کلام کیا جاتا ہے مگر ان کی توثیق ایک جماعت نے کی ہے جن میں سے امام شافعی، ابن اصبہانی، ابن عدی، ابن عقدہ جیسے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ لہٰذا قابلِ حجت ہے۔

دوسری حدیث بخاری شریف کی یہ روایت ہے:

((عَنْ مَالِكِ ابْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْنَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُوْنَ فَأَقَمْنَا عِنْدَه' عِشْرِيْنَ لَيْلَةً فَظَنَّ اَنَّا اشْتَقْنَا اَهْلَنَا وَسَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا فِيْ أَهْلِنَا فَاَخْبَرْنَاهُ وَكَانَ رَقِيْقًا رَحِيْمًا فَقَالَ : ارْجِعُوْا اِلٰى اَهْلِيْكُمْ فَعَلِّمُوْا هُمْ وَمُرُوْهُمْ وَصَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ وَ اِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ))[1]

''مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چند ہم عمر نوجوان آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر بیس راتیں آپ کے مہمان رہے۔ آپ نے یہ خیال فرما کر کہ شاید ہم اہل و عیال سے ملنے کے مشتاق ہوں، ان کے حالات ہم سے دریافت فرمائے۔ ہم نے جو کیفیت تھی عرض کی۔ آپ چونکہ طبعًا نہایت ہی شفیق و مہربان تھے اس لیے ہمیں واپسی کی اجازت عطا فرمائی اور ارشاد کیا کہ تم لوگ وطن پہنچ کر اپنے متعلقین کو (قواعد اسلام کی) تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح تم بھی نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت ہو تو ایک شخص اذان دے اور جو سب میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔''

---

[1] صحیح البخاری / کتاب الادب ح : ٦٠٠٨

تیسری دلیل

وہی فضالہ ابن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام احمدؒ اور اہل سنن نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جس نے اپنی نماز میں جلدی کی تھی، نہ ہی اس نے اللہ کی تعریف کی تھی اور نہ ہی نبی ﷺ پر دُرود پڑھا تھا۔ اسے آپ ؐ نے بلوایا اور پھر اس سے اور دوسرے لوگوں سے نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِذَا صَلّٰی أَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِتَحْمِیْدِ اللّٰہِ وَالثَّنَاءِ عَلَیْہِ ثُمَّ لِیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ ثُمَّ لِیَدْعُ بَعْدُ مَا شَآءَ))[1]

چوتھی دلیل

ہماری تین حدیثیں ہیں جو اکٹھی ہو کر ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ دارقطنی کی حدیث ہے۔

((حَدَّثَنا عَمْرُوبْنُ شَمَّرٍ عَنْ جَابِرٍ هُوَ الْجَعْفِیُّ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بُرَیْدَةُ اِذَا صَلَّیْتَ فِی صَلٰوتِكَ فَلَا تَتْرُکَنَّ التَّشَهُّدَ وَالصَّلٰوةَ عَلَیَّ فَاِنَّهَا زَکٰوةُ الصَّلٰوةِ وَسَلِّمْ عَلَی جَمِیْعِ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَسَلِّمْ عَلَی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ))

''بریدہ کے بیٹے اپنے باپ بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بریدۃ! جب تو نماز پڑھے تو تشہد اور درود کبھی ترک نہ کرنا۔ اس لیے کہ مجھ پر درود پڑھنا نماز کی زکوۃ ہے اور تمام انبیاء

[1] مسند احمد : ۱۸/۶ وجامع الترمذی ، کتاب الدعوات ح : ۳٤۷۷ وقال ابو عیسیٰ الترمذیؒ : هذا حدیث حسن صحیح

ومرسلین اور عباد صالحین پر سلام کہنا (یعنی جس طرح زکوۃ سے مال پاک، صاف ہو جاتا ہے اسی طرح درود سے نماز کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔)''

دوسری حدیث بھی دار قطنی ہی کی ہے جسے وہ بطریق عمرو بن شمر جابر سے یوں روایت کرتے ہیں۔

((قَالَ الشَّعْبِیُ سَمِعْتُ مَسْرُوقَ بْنَ الْاَجْدَعِ یَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً اِلَّا بِطَهُوْرٍ وَصَلٰوةٍ عَلَیَّ))

''امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب مسروق رحمہما اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر طہارت اور مجھ پر درود پڑھنے کے کوئی نماز قبول نہیں فرماتا۔''

تیسری حدیث بھی دار قطنی کی ہے جسے اس طرح روایت کیا گیا ہے:

((حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَیْمِنِ ابْنُ عَبَّاس بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : " لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلٰی نَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ))

''عبدالمہیمن اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص مجھ پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

یہ تینوں حدیثیں چونکہ باعتبار سند ضعیف ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک تنہا حجت مستقلہ نہیں۔ البتہ ایک دوسری سے مل کر اصولاً قابل اعتضاد و استدلال ہو سکتی ہیں۔

پانچویں دلیل

ہماری یہ ہے کہ احادیث ابن مسعود و ابن عمرو اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہم جو پہلے گزر چکی ہیں سے وجوب صلوٰۃ ثابت ہے۔ ان کے مقابلہ میں کسی صحابی سے کوئی قول عدل وجوب کے متعلق ثابت نہیں۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ صحابی کا قول جب تک کہ کوئی ویسا ہی قول اس کے مخالف نہ ہو حجت ہوتا ہے۔ خصوصًا اہل مدینہ واہل عراق (امام مالک وامام ابوحنیفہ رحمہما اللہ) کے اصول کے مطابق۔

چھٹی دلیل

ہماری یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے اس وقت تک امت کا یہی عمل رہا ہے کہ بغیر درود نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اگر فی الحقیقت نماز میں آپ پر درود پڑھنا واجب نہ ہوتا تو ہر زمانے اور ہر ملک میں اس کے پڑھنے پر ایسا اتفاق کامل ممکن نہ تھا۔ مقاتلؒ نے کہ جن کی نسبت امام احمد رحمہ اللہ کا یہ مقولہ ہے: فن تفسیر میں تمام علماء مقاتل رحمہما اللہ کے عیال ہیں۔ آیت ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے:

((إِقَامَتُهَا ؛ اَلْمُحَافَظَةُ عَلَى اَوْقَاتِهَا وَالْقِيَامُ فِيْهَا وَالرُّكُوعُ وَالسُّجُودُ وَالتَّشَهُّدُ وَالصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ الْاٰخِيْرِ))

''(سورۃ المائدہ کی آیت: ۵۵ والی) اس آیت میں اقامت کے معنے ...... نماز اور اس کے اوقات اور پھر اس میں قیام ورکوع وسجود وتشہد کی اور جلسہ تشہد اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی پابندی ومحافظت کے ہیں۔''

جو علماء درود پڑھنے کو واجب سمجھتے ہیں ان کا قول ہے کہ جب درود کا پڑھنا اقامت صلوٰۃ میں داخل اور مامور بہا ہے تو اس کے واجب ہونے میں کیا شک باقی رہتا ہے؟ اس کے بعد

کہتے ہیں کہ ہم اپنے مخالفوں سے پوچھتے ہیں؛تم نے جو بہت سی باتیں بلا دلیل کامل نماز کے لیے واجب ٹھیرا رکھی ہیں تمہارے پاس ان کا کیا جواب ہے۔

اسی طرح ہم بھی یہاں پاک و ہند میں عصرِ حاضر کے ان تمام غیر سنجیدہ اور اغیار کے ہاتھوں میں کھیلنے والے مولویوں سے پوچھتے ہیں: ''یہ جو رات دن ایسے صالحین اہل السنہ والحدیث کے خلاف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادب و گستاخ ہونے کا راگ الاپتے اور عامۃ المسلمین کو ان اللہ کے بندوں کے خلاف بڑھکاتے رہتے ہو کہ جن کا تعلق پاک و ہند سے ہو یا سعودی عرب اور یمن وشام سے!ایک طرف تو تمہاری یہ ہنگامہ آرائیاں اور واویلے جبکہ دوسری جانب تم زندگی میں ایک بار ہی دُرود پڑھ لینے کی کفایت اور بغیر دُرود شریف کے نماز ہو جانے کا فتویٰ دیتے ہو؟ تمہارے سینوں میں دراصل ہے کیا؟ ہمیں تو اس دوغلا پن سے قرآن وسنت پر بالاخلاص و بالاکمال عمل کرنے والوں کے خلاف کھلم کھلا حسد و بغض ہی نظر آتا ہے۔یا پھر صرف اور صرف جہالت اور حقیقت سے لاعلمی ہے۔اگر دوسری وجہ ہے تو اپنے علم کو پختہ کرو اور اس بات کو جان لو کہ؛ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کے تمام حنبلی اہل السنہ والجماعہ بھی نماز میں بموقع تشہد (قعدہ اخیرہ میں) صلوٰۃ علی النبی ﷺ (دُرود شریف) کا پڑھنا واجب جانتے ہیں۔ اس کے لیے:

(۱)......مملکتِ سعودیہ کے کبار علماء ومُفتیانِ اوّلین کی کمیٹی کا فتویٰ:

((اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ وَاجِبَۃٌ عَقْبَ التَّشَھُّدِ فِی الرَّکْعَۃِ الْأَخِیْرَۃِ مِنْ کُلِّ صَلَاۃٍ ، اَمَّا الرَّکْعَۃُ الثَّانِیَۃُ مِنَ الصَّلَاۃِ الثَّلَاثِیَّۃِ أَوِ الرَّبَاعِیَّۃِ فَیُسَنُّ الصَّلَاۃُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ بَعْدَ الشَّھَادَتَیْنِ لِعُمُومِ الْاَحَادِیْثِ الْآمِرَۃِ بِالصَّلَاۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّمَ

وَبِاللّٰهِ التَّوفِيْقُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ))

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء

عضو	نائب رئيس اللجنة	الرئيس[1]
عبدالله بن غديان	**عبدالرزاق عفيفي**	**عبدالعزيز بن عبدالله بن باز**

''ہر نماز کی آخری رکعت میں تشہد (التحیّات لِلّٰهِ.........الخ) کے بعد نبی ﷺ پر دُرود پڑھنا ''واجب'' ہے۔ البتہ تین اور چار رکعات والی نمازوں میں دوسری رکعت والے تشہد کے بعد (جس کا اختتام اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت والی دونوں گواہیوں پر ہوتا ہے) نبی ﷺ پر دُرود بھیجنے والی حکمیہ احادیث کے عموم کی وجہ سے دُرود پڑھنا مسنون ہے۔ (واجب نہیں) باللہ التوفیق۔ وصلّی الله علی نبیّنا محمد وآله وصحبه وسلم. علم وفتاویٰ کی ریسرچ کے لیے دائمی (کبار علماء ومفتیان کی) کمیٹی / عبداللہ غدیان، عبدالرزاق عفیفی اور فضیلۃ الشیخ / عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہم اللہ''

(ب)..... اس وقت مملکتِ سعودیہ کے نائب مفتی عام فضیلۃ الشیخ دکتور صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان حفظہ اللہ کی کتاب ''الملخّص الفقهي'' (جو فقہ حنبلی میں اس وقت ایک استنادی حیثیت رکھتی ہے) میں جلد اوّل / کتاب الصلاة / باب فِي اركان الصلاة و واجبا تها وسُننها[2] پر نماز کے چودہ (۱۴) ارکان شمار کرواتے ہوئے رکن نمبر ⑩ اور نمبر ⑪ آخری تشہد اور اس کے جلسہ کو لکھا ہے:

((وَهُوَ أَنْ يَقُوْلَ :اَلتَّحِيَّاتُ......الخ ، اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

---

① دیکھئے: فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء ـ المجلد السابع ص: ۱۳ طبع رئاسة ادارات البحوث العلمية الافتاء بالرياض

② ص: ۱۳۰ طبع رئاسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد بالرياض/المملكة العربية السعودية۔

مُحَمَّدٍ...... الخ فَقَدْ ثَبَتَ أَنَّه، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَازَمَه، وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ أُصَلِّىْ ـ وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْه : كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ التَّشَهُّدُ......الخ" فَقَوْلُه، : "قَبْلَ أَنْ يُّفْرَضَ" دَلِيْلٌ عَلٰى فَرْضِهٖ))

''اور نماز میں اس آخری تشہد میں یوں پڑھے: ''اَلتَّحِيَّاتُ.....الخ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ...... الخ۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ''تشہد (کے کلمات) فرض ہونے سے پہلے ہم (قعدہ میں بیٹھتے وقت) یوں کہا کرتے تھے .... الخ۔ تو سنن النسائی میں وارد اس حدیث کے مطابق [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول: ''تشہد فرض ہونے سے پہلے'' سے اس کے فرض (واجب) ہونے کی دلیل واضح ہوگئی۔''

اس کے بعد نماز کا رکن نمبر ۱۲ ہے: ((اَلصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ الْأَخِيْرِ ......)) ''آخری تشہد میں نبی ﷺ پر درود پڑھنا، لکھا ہے اور پھر تفصیل میں درود کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ یعنی حنابلہ آخری تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا نماز کا رُکن مانتے ہیں۔ اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ''نماز کا کوئی بھی رُکن رہ جانے پر اگر علم ہو جائے تو سجدہ سہو کرے اور اگر جان بوجھ کر نمازی چھوڑ دے گا تو اس کی نماز باطل شمار ہوگی۔''

(ج)..... اللہ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ کی سازش سے بدنام کیے جانے والے ماضی قریب کے ایک عظیم مصلح اور مجتہد العصر فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے بھی نبی ﷺ پر نماز میں درود پڑھنے کو نماز کا تیرھواں رُکن شمار کیا ہے۔ اور پھر تشہد والے کلمات اور صلوٰۃ و سلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کی ہے۔ اس کے لیے ان کی کتاب

---

[1] سنن النسائی/ کتاب الصلاۃ / باب ایجاب التشہد/ حدیث : ۱۲۷۸ طبع دار السلام بالریاض

دیکھیے: ''مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ (کل ٦ مجلدات) جلد نمبر ۳ ص: ۲۰۷ تا ۲۴۷)

(د)..... ساتویں صدی ہجری کے ایک حنبلی امام ابن قدامہ دمشقی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''مُغنی ابن قُدامہ''[1] میں لکھتے ہیں:

''جو شخص تشہد (التحیات لله..... سے عَبْدُه وَرَسُولُه' تک) اور نبی ﷺ پر دُرُود (اللھم صلی علی محمد..... سے ..... اِنَّك حمیدٌ مَجیدٌ تک) سیکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے ان دنوں کا یاد کرنا لازم ہے۔ اس لیے کہ یہ فروض عین میں سے ہے اور اس طرح اسے اس کا قرأۃ الفاتحہ کی طرح پڑھنا لازم ہے۔ اور اگر اس نے دُرُود کو سیکھنے پر امکانیت سے پہلے نماز ادا کر لی تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اور اگر اسے (نماز کے) وقت کے نکل جانے کا ڈر ہو یا وہ اس کے سیکھنے سے عاجز ہو تو ہر ممکن کو اختیار کر لے۔ (یعنی جس قدر ممکن ہو جلد سیکھ لے) یہ بات نظریۂ ضرورت کے تحت اسے کفایت کرے گی۔

(ھ)..... امام احمد بن حنبل کے بیٹے حضرت عبداللہ رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ''ابو جان نے مجھے تشہد یوں لکھوایا: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ ...... الخ۔ فرمایا: اس کے بعد آدمی یوں کہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ...... اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ تک''[2]

علاوہ ازیں دیگر ائمہ کرام کے تشہد میں دُرُود کے وجوب پر دلائل کے لیے:

① فتح الباری: ۱۱/۱٦٤ ② عون المعبود: ۳/۲٦۵ ③ المرعاۃ:

---

[1] جلد نمبر ۱ ص: ۳۹۱

[2] کتاب مسائل الامام احمد بن حنبل بروایۃ ابنه عبدالله رحمهم الله الجزء الأوّل ص: ۲۷۷ طبع مکتبة الدار بالمدینة المنورة

۲/ ۲۸۹ ④تحفة الاحوذی جلد : ۴ دیکھیں)

نماز میں سکھائے گئے درود کے الفاظ:

①......((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَعَلَى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَّ عَلَى آلِ بَيْتِهِ ، وَعَلَى أَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[1]

نبی ﷺ بنفس طاہرہ یہ درود پڑھا کرتے تھے۔(الالبانی)

②......((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى [اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى[2] آلِ اِبْرَاهِيْمَ ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَّ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى [اِبْرَاهِيْمَ ، وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[3]

③......((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ [وَآلِ اِبْرَاهِيْمَ]، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ ، وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى [اِبْرَاهِيْمَ ، وَ] آلِ اِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[4]

---

① أحمد ح : ١٦٦٢٤ والطحاوی بسند صحیح وصحیح مسلم ح : ٩١١ وصحیح البخاری ح : ٣٣٦٩ـ٦٣٦٠

② هاتان الزيادتان ثابتتان فی رواية البخاری والطحاوي والبيهقی وأحمد ، وكذا النسائي وجاء ت ايضًا من طُرق أخرى فی بعض الصيغ الاتية : ٣، ٧

③ البخاری ح : ٦٣٥٧،٤٧٩٨،٣٣٧٠ ومسلم ح : ٩٠٨ والحميدی :١/١٣٨ وابن منده : ٢/٦٨ وقال : هذا حديث مجمع على صحته

④ أحمد والنسائی وأبو يعلى في مسنده ق : ٢/٤٤ بسند صحيح

④......((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ [النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ] ، وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى [اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ] إِبْرَاهِيْمَ ـ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ [النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ] وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ،كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى [اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ] اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[1]

⑤......((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ ،كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى [آلِ] اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ [عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ]، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ [وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ))[2]

⑥...... ((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ[عَلٰى] أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى [آلِ] اِبْرَاهِيْمَ- وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ [عَلٰى] أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى [آلِ] إِبْرَاهِيْمَ ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[3]

⑦......((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ، وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ، وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ ، وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[4]

دیگر مقامات واوقاتِ مخصوصہ میں درود کے الفاظ اور وجوب واستحباب

① وتر کی دعا کے اختتام پر

((عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ

---

[1] مسلم ح : ٩٠٧ وأبو عوانة وابن أبی شيبة فی "المصنف" : ١/١٣٢/٢۔وأبو داؤد وصححه الحاكم

[2] البخاری ح : ٤٧٩٨ والنسائی والطحاوی وأحمد واسماعيل القاضی في "فضل الصلاة على النبی صلى الله عليه وسلم" ص: ٢٨، الطبعة الأولى ص: ٦٢

[3] البخاری ومسلم

[4] الطحاوي وأبو سعيد بن الأعرابي فی "المعجم":٢/٧٩بسند صحيح

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ قَالَ : قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ ، وَ عَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ......الى......وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ۔))[1]

جنابِ حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر میں (پڑھنے کے لیے) مجھے یہ کلمات سکھائے۔ فرمایا: (حسن! یوں) کہا کرو: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ ..... (ساری دعا اور آخر میں) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ۔" حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان دُرود والے الفاظ کو یہاں ادا کرنا مستحب بتلایا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا معمول بھی آخر قنوت میں ان صلاۃ والے الفاظ کے پڑھنے کا تھا۔[2]

② نماز جنازہ کی دوسری تکبر کے بعد:

اسماعیل القاضی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فَضْلُ الصَّلاةِ علَى النَّبيِّ صَلى اللّٰهُ عليه وسَلّم" میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔ کہتے ہیں؛ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ (پہلی تکبیر کے بعد) سورۃ الفاتحہ پڑھے۔ پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ پھر (تیسری تکبیر کے بعد) میّت کے لیے پورے اخلاص سے دعائیں کرے۔ پھر (چوتھی تکبیر کے بعد) سلام پھیر دے۔" اسے الجارود نے بھی المنتقی میں بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں؛ اس حدیث کے رجال کی روایات صحیحین میں لی گئی ہیں۔[3]

عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی چند ایک احادیث کی بنیاد پر امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں درود پڑھنا واجب ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حافظ ابن

---

① رواہ النّسائی/ کتاب قیام اللیل وتطوّع النّھار/باب الدعاء فی الوتر حدیث نمبر: ۱۷٤۷ اس حدیث کو سنن ابی داؤد (حدیث: ۱٤۲۵) جامع الترمذی (حدیث نمبر: ٤٦٤) اور مسند احمد (۱/ ۲۰۰) میں بھی روایت کیا گیا ہے مگر صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ کا اضافہ صرف سنن النسائی کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔

② دیکھئے: جلاءُ الافہام باب چہارم

③ دیکھئے: نیل الاوطار للشوکانی جلد نمبر: ٤ ص: ٦٢ طبع دارالریان للتراث و دارالحدیث بالقاھرہ

قیم نے امام شافعی رحمہما اللہ کی مسند سے ابو اُمامہ بن سہل کی اس ضمن میں ایک روایت بھی نقل کی ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فتویٰ ''کتاب مسائل الامام احمد بن حنبلؒ بروایة ابنه عبداللہ رحمہما اللہ''[1] میں موجود ہے۔یہی تمام حنابلہ اور سلف صالحین کا مذہب ہے۔تفصیل کے لیے: المقنع لابن قدامه مع الانصاف للمرداوی ۲/۵۲۰ دیکھ لیں۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ میں صلاۃ علی النبی ﷺ کا وجوب مؤطا یحییٰ بن بکیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس وجوب پر فتویٰ اور عمل حضرت ابراہیم النخعی رحمہ اللہ کی کتاب ''مجلس'' میں ملاحظہ فرمائیں۔تمام روایات میں یہاں صلاۃ الجنازہ میں درود ابراہیمی پڑھنے کے الفاظ ملتے ہیں۔

③ خطبات جمعہ و عیدین اور نمازِ استسقاء کے لیے خطبہ میں دُرود

چند ایک ثقہ روایات سے سیدنا علی بن ابی طالب، عمرو بن العاص اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام کا ان تمام خطبہ جات میں اللہ رب العالمین کی حمد و ثناء کے بعد نبی ﷺ پر دُرود پڑھنے پر ثبوت ملتا ہے اور یہی امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا فتویٰ ہے کہ: کوئی خطبہ بغیر صلوٰۃ علی النبی ﷺ کے درست نہیں ہوتا۔چنانچہ یہاں خطبوں میں ان تمام کلماتِ درود میں سے جو احادیث میں آئے ہیں کوئی سے بھی پڑھ لیے جائیں۔[2]

④ اَذان کے جواب میں

۱.....((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: " إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِي الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَ أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ۔

❶ الجزء الثانی ص: ٤٦٩ طبع مکتبة الدار بالمدینة المنورة ❷ دیکھئے: جلاءُ الأفهام باب چهارم

❸ رواه مسلم کتاب الصلوٰة، باب القول مثل قول المؤذن ح: ٨٤٩

فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِي الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ))[3]

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب مؤذن کی اذان سنو تو وہی کچھ کہو جو مؤذن کہتا ہے۔ پھر مجھ پر دُرود پڑھو کیونکہ مجھ پر درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے بعد میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو جنتیوں میں سے کسی ایک کو دیا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ جنتی میں ہوں گا۔ لہٰذا جو آدمی میرے لئے اللہ سے وسیلہ کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔"

یہاں بھی صلاۃ علی النبی ﷺ کے الفاظ دُرود ابراہیمی والے مستحسن ہیں۔ کیونکہ یہ کلمات رسول اللہ ﷺ کے سکھلائے اور صحابہ کرام کے معمول میں آئے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی بناوٹی دُرود کسی بھی موقع پر نہیں پڑھنا چاہیے۔ صحیح البخاری میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما والی حدیث کے مطابق (مؤذن خود بھی اور) اذان کا جواب دینے والا، اذان کے بعد (دُرود پڑھ کر) اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ......الخ پڑھ لے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قیامت والے دن میری شفاعت اس کے لیے حلال ہوگئی۔"[1]

⑤ دُعا مانگتے وقت دُرود شریف پڑھنا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں کتاب الدعوات میں "بَابُ فِيْ اِيْجَابِ الدُّعَاءِ بِتَقْدِيْمِ الْحَمْدِ وَ الثَّنَاءِ وَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَهٗ...... باب ہے دعا کی قبولیت کے بارے میں کہ اس (دُعا) سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو مقدم کرنا اور نبی ﷺ پر دُرود کو۔" قائم کر کے نیچے حضرت فُضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی دو احادیث کو بیان

[1] کتاب الأذان /باب الدعاء عند النداء/ ح: ٦١٤

کیا اور ان پر "حدیث حسنٌ صحیحٌ" کا حکم لگایا ہے۔ ان میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: " اِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ اللّٰهِ وَ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَدْعُ بَعْدُ مَا شَاءَ۔ "جب تم میں سے کوئی شخص نماز ادا کرے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے اسے شروع کرے۔ پھر (نماز کے بعد دعا مانگنے کے لیے) وہ نبی ﷺ پر دُرود پڑھے اور اس کے بعد وہ جو چاہے مانگے۔"

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسے نمازی کو جس نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا بلا کر فرمایا تھا: " أَيُّهَا الْمُصَلِّي ادْعُ تُجَبْ "اے نمازی! تو اب دعا مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

امام نووی رحمہ اللہ کتاب الاذکار (ص:۱۷۶) میں لکھتے ہیں: تمام علماء کا اس بات کے استحباب پر اجماع ہے کہ دعا کی ابتداء اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی ﷺ پر درود کے ساتھ ہو۔ اسی طرح اس کا اختتام بھی ان دونوں پر ہو۔ اور اس ضمن میں آثار کثیرہ معروف ہیں۔ مُصنف عبدالرزاق میں بھی جامع الترمذی جیسی روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب اور علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کے اس ضمن میں اقوال کہ نبی ﷺ پر درود کے بغیر دعا اور اللہ کے درمیان پردہ حائل رہتا ہے، جلاء الافہام میں مذکور ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بہر حال درود شریف دعا کے لیے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ نماز کے لیے سورۃ الفاتحہ۔ تمام مواقع دعا کے لیے درود شریف مشروع ہے اور الفاظ یہاں بھی وہی ادا کیے جائیں جو احادیث میں آئے ہیں۔

⑥ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یوں پڑھتے: " بِسْمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَ

افۡتَحۡ لِیۡ أَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ " اور جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو یوں پڑھتے:" بِسۡمِ اللّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلَى رَسُوۡلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ ذُنُوۡبِیۡ وَافۡتَحۡ لِیۡ أَبۡوَابَ فَضۡلِكَ" [1]

ابو اُسید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو نبی ﷺ پر سلام پڑھے پھر کہے:" اَللّٰهُمَّ افۡتَحۡ لِیۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ " اور جب باہر نکلے تو کہے:" اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ أَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ "[2]

سیدنا انس بن مالک اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے:" بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ" اور جب باہر تشریف لاتے تب بھی یہی الفاظ دہراتے۔[3]

فضیلۃ الشیخ سعید بن علی بن وھف القحطانی نے حصن المسلم (اُردو ص:۳۸، ۳۹) میں صحیح الجامع (حدیث نمبر:۴۵۹۱)، سنن ابی داوٗد (۱۲۶/۱) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (حدیث نمبر:۸۸) اور سنن ابن ماجہ (۱۲۸/۱، ۱۲۹) کے حوالے سے مسجد میں داخل ہونے کے لیے :((أَعُوۡذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ وَ بِوَجۡهِهِ الۡكَرِيۡمِ وَ سُلۡطَانِهِ الۡقَدِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُوۡلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ افۡتَحۡ لِیۡ أَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ۔)) ...... میں عظمت والے اللہ اور اس کے معزز چہرے اور قدیم سلطنت کے ساتھ مردود شیطان سے پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ (داخل ہوتا ہوں) اور دُرود و سلام ہو (محمد) رسول اللہ پر۔ اے اللہ! میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ کتاب المساجد باب الدعا عند دخول المسجد حدیث: ۷۷۱

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول الرجل عند دخولہ المسجد حدیث: ٤٦٥، وابن ماجہ حدیث: ۷۷۲

[3] دیکھئے: الکلم الطیب لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بالتحقیق عبدالقادر الانوؤط والالبانی رحمہما اللہ طبع المکتب الاسلامی بالبیروت

اور مسجد سے نکلتے وقت: ((بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔)) ...... اللہ کے نام کے ساتھ (میں مسجد سے باہر نکل رہا ہوں) اور درود وسلام ہو (محمد) رسول اللہ پر۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے مردود شیطان سے بچا کر رکھیو!''

کے الفاظ درج کیے ہیں۔ تمام روایات پر شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن اور صحیح کا حکم لگایا ہے۔

⑦ صفا و مروہ پر چڑھ کر

حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جناب عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کوہِ صفا پر (دورانِ حج) پہنچ کر تین تکبیریں کہتے یعنی ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتے اور بہت دیر تک دعا مانگتے رہتے تھے۔ پھر ''کوہِ مروہ'' پر چڑھ کر ایسا ہی کرتے تھے۔[1]

ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ درود توابع دعا میں سے ہوگا۔ اسی طرح انہوں نے یہاں (جلاء الافہام میں) جناب وہب بن اجدع رحمہ اللہ کا اثر نقل کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دورانِ حج یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم حج کے لیے (مکہ) آؤ پہلے بیت اللہ کا سات بار طواف کرو اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر کوہِ صفا پر پہنچ کر ایسی جگہ کھڑے ہو کر جہاں سے بیت اللہ نظر آئے سات تکبیریں کہو۔ ہر دو تکبیر کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء پڑھنا، نبی ﷺ پر درود پڑھنا اور اپنے لیے دعائیں مانگنا چاہیے اور پھر یہی کام کوہ مروہ پر کرنے چاہئیں۔ یہاں بھی مسنون درود ہی پڑھنا چاہیے۔

---

[1] بروایت اسماعیل بن اسحاق فی جلاء الافہام لابن قیم رحمہم اللہ

⑧ مقام عرفات میں دورانِ حج

امام نووی رحمہ اللہ " الأذکار" میں لکھتے ہیں: ''حاجی یہاں پر کثرت سے استغفار کرے اور اپنی تمام خطاؤں سے اپنے دل کے ساتھ توبہ کرے۔ دعا میں الحاء اور عاجزی بار بار، لگاتار پیدا کرے اور دعا کی قبولیت میں دیر نہ سمجھے (کہ نہ جانے قبول بھی ہوگی یا نہیں۔) اپنی دعا کو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کے ساتھ شروع اور انہی دونوں کے ساتھ اسے ختم کرے۔ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب " التحقیق والایضاح" میں اس بات کو اختیار کیا ہے اور قیام عرفات کے دوران مانگنے والی دعاؤں میں درود ابراہیمی کو بھی درج کیا ہے اور ایسی دعاؤں کو بھی جن میں نبی ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہو۔

⑨ مسلمانوں کی ہر مجلس میں

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ یَذْکُرُوا اللّٰهَ فِیْهِ وَلَمْ یُصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهِمْ اِلَّا کَانَ عَلَیْهِمْ تِرَةٌ فَإِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ))[1]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(مسلمانوں کی) کوئی قوم کسی بھی مجلس میں بیٹھے اور انہوں نے اس میں نہ ہی اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی (ﷺ) پر درود پڑھا تو ان پر (فرشتوں کا) گھیرا ڈال دیا جاتا ہے۔ چاہے تو اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِالصَّلٰوةِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا......))[2]

---

[1] جامع الترمذی/کتاب الدعوات حدیث: ۳۳۸۰، وقال ابوعیسیٰ الترمذی رحمه الله: هذا حدیث حسنٌ صحیحٌ

[2] جلاءُ الأفهام باب چهارم

"اپنی مجالس کو نبی ﷺ پر درود پڑھنے کے ساتھ مزین کیا کرو۔" مگر اس کا یہ عجمیوں والا اندازِ نعت خوانی جو ہمارے یہاں رائج ہے قطعًا ناجائز اور حرام ہے۔ ان مجلسوں میں وہ سارے حرام کام ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک کے تمام سلف صالحین کے ہاں ایسی بے ہودہ مجلسیں ہمیشہ مطعون رہی ہیں۔ یہاں مذکورہ بالا احادیث میں بیان کردہ مسلمانوں کی ہر ہر مجلس مراد ہے۔ وہ جہاں بھی، جب بھی، جتنے بھی افراد پر مشتمل اور جتنی بھی دیر کے لیے ہو۔ اول اللہ کی حمد وثناء بیان کریں اور اس کے بعد انہی صیغوں کے ساتھ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں جو احادیث میں آئے ہیں۔ قرآن وسنت کے عمومی دروس اور تفسیر وحدیث کے خصوصی اسباق و دروس کا آغاز و اختتام اللہ کی حمد وثناء اور نبی کریم ﷺ تسلیماً کثیراً پر درود کے ساتھ ہونا چاہیے۔ سلف صالحین کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔

صحیح ابن حبان میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ایک روایت ہے: " مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ وَ لَا يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ..... کوئی قوم (یعنی جماعت) کسی جگہ نہیں بیٹھتی کہ اس نے وہاں بیٹھ کر اللہ رب العالمین کا ذکر نہ کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ پر درود نہ پڑھا ہو مگر یہ امر قیامت والے دن ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا (درود پڑھنے والوں کے مراتب دیکھ کر) اگرچہ (دیگر اعمال صالحہ کی) جزا میں وہ جنت میں داخل ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں گے۔"[1]

اسی طرح بروایت مسلم بن ابراہیم جسے قاضی ابوسعید نے "کتاب الفوائد" میں ضبط کیا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں جو (زمین میں) چلتے پھرتے رہتے

---

[1] اس روایت کی سند علی شرط الشیخین ہے۔

ہیں۔ جب یہ کسی ایسے مجمع پر گزرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جارہا ہو تو آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں: یہاں ٹھہر جاؤ۔ تو جلسہ (مجالس) والے جب کوئی دعا مانگتے ہیں تو آمین کہتے ہیں۔ اور جب وہ نبی ﷺ پر درود پڑھتے ہیں تو یہ بھی درود پڑھنے میں ان کے شریک ہو جاتے ہیں حتی کہ جب اہل مجلس اس حلقہ سے فارغ ہو جائیں تو یہ فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں؛ یہ لوگ کیسے خوش قسمت ہیں جو اپنے گھروں کو ایسی حالت میں واپس جائیں گے کہ ان کے گناہ بخش دیے گئے ہوں گے۔'' [1]

⑩ نبی ﷺ کا نام نامی ہر بار بولتے اور سُنتے وقت

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ جلاء الافہام (باب چہارم فصل نمبر ۱۱) میں لکھتے ہیں:

''علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب اسم مبارک زبان پر آئے یا سنے انسان کو درود پڑھنا واجب ہے یا صرف ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہے۔ ابو جعفر طحاوی اور ابو عبداللہ الحلیمی رحمہما اللہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ ان کے سوا دوسرے آئمہ اور علماء ہر بار پڑھنے کو مستحب کہتے ہیں، فرض نہیں سمجھتے کہ جس کا تارک گنہگار ہو۔ پھر یہ حضرات بھی باہم مختلف ہیں ان میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لیے کہ امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ کسی حکم عام کی تعمیل فریضہ سے سبکدوشی کا باعث ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ سے یہی مذہب منقول ہے۔ جس کی نسبت قاضی عیاض اور ابن عبدالبر کا یہ دعویٰ ہے کہ جمہور امت کا یہی قول ہے۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ ہر نماز کے تشہد اخیر میں واجب ہے۔ یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا آخری قول ہے۔ ان کے سوا اور لوگ بھی اس طرف گئے ہیں۔ تیسرا گروہ جس میں ابن جریر وغیرہ کی ایک جماعت شامل ہے یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم، استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ ابن جریر اپنے اس قول پر اجماع کے مدعی ہیں۔ مگر یہ

[1] جلاءُ الأفهام پہلا باب

دعویٰ باطل اور یہ اجماع اسی قسم کا ہے کہ جب لوگوں نے کسی پر کسی ایک جماعت کو متفق دیکھا تو اجماع کہہ دیا۔ واجب کہنے والے اس کے وجوب پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ جس کا ذکر ذیل کی سطور میں مناسب سمجھا گیا ہے۔

پہلی دلیل

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے: " رَغِمَ اَ نفُ رَجُلٍ ذُکِرُتُ عِندَہ' فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ " اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح اور ترمذی رحمہما اللہ نے حسن کہا ہے۔ اس میں رغم انف کا جملہ ایسا بددعائیہ جملہ ہے جو مذمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے لامحالہ درود پڑھنے کو مافوق مستحب تسلیم کرنا لازم ہے۔

دوسری دلیل

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ دوسری حدیث ہے جس میں چند بار آپ کے آمین آمین فرمانے کا ذکر ہے۔ اور جس کو ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور جس میں: ((مَنُ ذُکِرُتَ عِندَہُ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْكَ فَمَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ فَاَ بُعَدَہُ اللّٰہُ۔ قُل : آمین فَقُلْتُ : آمین)) کا جملہ واقع ہوا ہے۔ یہ حدیث اور اس کی ہم معنی و ہم مضمون جناب جابر بن سمرہ، کعب بن عجرہ، مالک بن الحویرث اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ متعدد طرق اور متعدد ذرائع سے ان احادیث کی روایت ہر طرح سے صحت کی مستلزم ہے اور ان میں سے ہر حدیث اس باب میں ایک مستقل حجت ہے۔

تیسری دلیل

حسب روایت نسائی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں: ((البخیلُ مَنُ ذُکِرُتُ عِندَہ' فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَاِ نَّہ' مَنُ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ عَشُرًا)) وارد ہوا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے حکم وجوب ثابت ہے۔

چوتھی دلیل

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ابن حبان اورامام حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں اور نسائی وترمذی نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا جملہ ''اِنَّ الْبُخیلَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہ' فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ'' مفید وجوب ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ جو احادیث حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہیں ان میں یہ حدیث زیادہ تر قابل وثوق ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کچھ کم سات سال کی تھی۔ اور جو کچھ وہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتے تھے اپنے حافظہ کی وجہ سے اور نیز اس سبب سے کہ عربی ان کی مادری زبان تھی بخوبی یادرکھتے تھے۔ ابونعیم نے ایک بہت بڑی حدیث عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جس میں یہ جملہ مذکور ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّم اِنَّ اَبْخَلَ النَّاسِ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہ' فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ))

''بلاشبہ تمام لوگوں میں سب سے بخیل شخص وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ میرے اُوپر درُود نہ پڑھے۔''

دوسری حدیث حسن بصری رحمہ اللہ کی ہے جسے قاسم بن اصبغ نے یوں روایت کیا ہے:

((حدثنا مُحمّدُ بنُ اِسْمَاعِیْلُ الترمذیُ ثنا نعیمُ ابنُ حمّاد ثنا عبدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکَ ثنا جَرِیْرُ ابْنُ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّم بِحَسْبِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْبُخْلِ اَنْ اُذْکَرَ عِنْدَہ' فَلَا یُصَلِّی عَلَیَّ))

''مسلمان آدمی کے بخیل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ میرا اس کے سامنے ذکر ہواور وہ میرے اوپر درُود نہ پڑھے۔''

تیسری حدیث انہی حسن رحمہ اللہ ① کی ہے جسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔
((قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيهِ وَسَلَّم ؛ كَفىٰ بِه شُحًّا اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَه، فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ))...... ان سب احادیث پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص آپ کا نام نامی لے کر یا سن کر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے اور اس پر اس صفت بخل کے اطلاق کی وجہ سے ہمارے دعویٰ وجوب کا استدلال دو طریق سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ بخل ایسی صفت مذمومہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نہایت ناپسند کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝﴾

[سورة الحديد : ٢٣، ٢٤]

''اور اللہ تعالیٰ کسی اِترانے والے (متکبر) اور شیخی باز (فخر کرنے والے) کو پسند نہیں کرتا۔ جو خود بھی بُخل (کنجوسی) کریں اور لوگوں کو بھی بخیلی کرنا سکھاتے ہیں۔ اور جو شخص رُوگردانی کرے گا تو (وہ جان لے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی بے پروا اور سراسر لائق حمد وثنا ہے۔''

چنانچہ یہاں بخل کو اختیال (اترانا) اور فخر (شیخی مارنا) کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ان صفات کا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہونا ان کے مذموم ہونے کی دلیل ہے۔ پس جب صورت حال یہ

① یہ حسنؒ ابن ابوالحسن بصریؒ تابعی ہیں۔ ان احادیث کو انہوں نے مرسلاً روایت کیا ہے۔ آئمہ کبار میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی مراسیل کو حجت نہیں سمجھا جاتا۔ مگر ابن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان سے پہلے والے راوی ثقہ ہوں تو ان کی مرسل حدیث حجت ہوگی۔ یونس بن عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے مرسل احادیث روایت کرنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسے زمانے اور ایسے لوگوں کے درمیان ہوں جہاں سخت احتیاط کی ضرورت ہے (بنو اُمیہ کی طرف سے حجاج بن یوسف ثقفی عامل تھا) لہٰذا جب یہ کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو سمجھ لو کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کرتا ہوں۔ ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے جہاں استاد کا نام ظاہر کر دیا ہو وہاں سمجھ لو کہ صرف انہیں سے یہ حدیث سنی ہے اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں سمجھ لینا چاہیے کہ ستر یا اس سے زیادہ اساتذہ سے حدیث سنی ہے۔ اس صورت میں کس کس کا نام بتایا جا سکتا ہے۔ دیکھئے: قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار بحث القطع

ہے تو ظاہر ہے کہ جب کسی چیز کے تارک کو کسی صفت مذمومہ سے یاد کیا جائے گا تو متروکہ چیز کا درجہ استحباب سے بڑھا ہوا ہوگا۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ بخیل وہ انسان ہوتا ہے جو ادائے واجب کا مانع ہو۔ اور اگر کوئی ادائے وجوب سے کوتاہی نہیں کرتا تو وہ بخیل نہیں۔ لہٰذا بخیل وہ ہے جو تارک واجب اور اس کا مانع ہے۔ وھُو المدّعا

پانچویں دلیل

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر صلوٰۃ وسلام کا حکم آیا ہے اور حکم مطلق کے لیے اس کا تکرار ہونا لازمی نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کے لیے دو مقدمات پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔ پہلا صلوٰۃ مامور بہا میں حکم مطلق ہے۔ دوسرا حکم مطلق میں تکرار ناجائز نہیں ہے۔ اگر چہ ایک طائفہ فقہاء واہل اصول کا منکر تکرار ہے مگر دوسرا فریق ثابت کرتا ہے۔ اگر کسی حکم میں تکرار ثابت نہ ہو تو اس کی وجہ سے ہر حکم میں تکرار نہ ہونے کا قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ امر واضح یہ ہے کہ شریعت میں درحقیقت عرف خطاب اسی طور پر واقع ہوتا ہے گو لغۃً کسی لفظ امر سے بر بنائے وضع لفظ وجوب تکرار ثابت نہ ہو لیکن مقصودِ قائل اس سے تکرار ہی ہوتی ہے۔ مامور بہ کی تکرار ہمیشہ خاص اسباب کی بنا پر اور خاص اوقات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ذکر جس شخص کے سامنے ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اسکی ناک خاک آلود ہو۔ یا یہ کہ وہ بخیل ہے۔ یا اور اسی قسم کے جملے۔ یہ تمام اخبار اس امر کے مقتضی ہیں کہ جب بھی آپ ﷺ کا ذکر ہو مامور بہا (یعنی دُرود و سلام) کی تکرار کی جائے۔ اس لیے کہ سب سے بڑا سبب مقتضی تکرارِ صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے۔

اس کے بعد یہ واجب سمجھنے والا گروہ کہتا ہے کہ ہمارے دعویٰ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اظہارِ شرف وعلوِ مرتبت کے لیے آپ پر اپنے اور فرشتوں کے ادائے صلوٰۃ سے خبر دے کر اپنے بندوں کو آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا

ہے۔اس آیت شریفہ میں یُصَلُّون کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے صرف ایک بار اس خیر والے کلام کا وقوع ہوا ہے۔اور جب وہاں اس کام کا انقطاع نہیں ہے تو مامورین کے لیے انقطاع کیونکر ہوسکتا ہے؟

پھر یہ کہ الفاظ مامور بہا صلّے وسلّم خود مقتضی تکرار ہیں۔اس لیے کہ فعل مشدّد کی بنا تکرار فعل ومبالغہ کے لیے ہوتی ہے جیسے؛ كَسَّرَ الْخُبزَ وَقَطَّعَ اللَّحْمَ وَعَلَّمَ الْحَدِيْثَ (یعنی روٹی کا توڑنا، گوشت کا کاٹنا اور حدیث کا پڑھانا) وغیرہ کے الفاظ سے تکرار ظاہر ہے۔پھر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیم خیر اور ارشادِ ہدایت وغیرھا سے جو احسانات امت پر فرمائے ہیں اور امت کو آپؐ کی خیر و برکت سے جو سعادت دارین حاصل ہوئی ہے،اس کے واجباتِ تشکر سے یک گونہ سبکدوشی حاصل کرنے کے لیے امت کو آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا جو حکم ہوا ہے،اس صورت میں کیا ایک لحہ کے لیے بھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اتنے بڑے فضل وکرم کا بدلہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لینے سے ہوسکتا ہے؟نہیں ہرگز نہیں۔

یہی وہ امر ہے جس کے باعث آپ ﷺ نے احادیث میں ایسے اشخاص کی نسبت الفاظ بخیل وغیرہ استعمال فرمائے ہیں۔پھر یہ کہ ایسے شخص کے حق میں جو آپؐ کا ذکر سن کر درود نہ پڑھے ناک خاک آلودہ ہونے کی بددعا فرمائی ہے جس کا معنی اس شخص کی ذلت و خواری ہے۔اس ذلت وخواری سے انسان اسی وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب تعمیل حکم کرکے اپنے آپ کو اس سے بچائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ ہر بار نبی ﷺ پر درود پڑھنے والوں کے مفصل دلائل پیش کرنے کے بعد،اس عمل کے وجوب واستحباب کے انکاری فقہاء کی بارہ مختصر دلیلیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''دونوں فریق اپنے مخالف گروہ کے اقوال پر جو اعتراض کرتے ہیں یا اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں ان میں سے بعض قطعی ضعیف ہیں۔بعض محتمل اور بعض قوی۔ صاحبِ نظر کو غور وفکر کرنے کے بعد جن دلائل کی حالت کا اچھی طرح اندازہ ہوسکے انہی کو قبول کرنا چاہیے۔(ابن قیم رحمہ اللہ کا رجحان وجوب واستحباب کو قبول کرنے والوں کے ساتھ معلوم

ہوتا ہے۔ البتہ درمیانی راہ درست ہے۔)

جلاءُ الأفهام کے مترجم شاکر حسین صدیقی سہوانی کہتے ہیں: دوسرے مسائل اجتہادیہ کی طرح یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ دونوں جماعتوں نے اپنے اپنے مزعومات کے مطابق عالمانہ جولانی طبع کی داد دی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ: " وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ...... یہ بات بھی یاد رکھیے کہ نبی ﷺ تسلیماً کثیراً کا نامِ نامی ادا کرتے اور سنتے وقت سلف صالحین تو آپ ﷺ پر (چاہے مختصر سہی) درود پڑھا کرتے تھے انگوٹھے، انگلیاں نہیں چومتے تھے۔ یہ تو غیر مسلموں سے آئی ہوئی کوئی رسم معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق الفوائد المجموعه للشوكانی کے محقق علامہ عبدالرحمٰن المعلمی نے لکھا ہے کہ اس ضمن میں جو اِکّا دُکا روایات نقل کی جاتی ہیں سب کی سب باطل اور موضوع ہیں۔[1]

⑪ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی لکھتے وقت

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ فِی الْكِتَابِ لَمْ تَزِلِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَا دَامَ اِسْمِیْ فِیْ ذَالِكَ الْكِتَابِ))

"اعرج ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے؛ جو شخص میرے نام کے ساتھ کتاب میں ﷺ لکھتا ہے جب تک میرا نام کتاب میں لکھا رہے گا فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔"

ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اُسید بن عاصم سے بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے اور اسحاق بن وہب علاف اس سند سے روایت کرتے ہیں ((عَنْ بِشْرِ ابْنِ عُبَيْدٍ عَنْ حَازِمِ ابْنِ بَكْرٍ عَنْ يَزِيْدِ ابْنِ عَيَاضٍ عَنِ الْاَعْرَجِ)) ان دونوں سندوں کے علاوہ یہ حدیث اعرج سے دیگر سندوں کے ساتھ بھی روایت کی گئی ہے۔ اس باب میں ابوبکر صدیق و

---

[1] دیکھئے: الفوائد المجموعه للشوكانی ص: ۱۹، ص: ۲۰ طبع بیروت و مصر

عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سلیمان بن الربیع نے اس سند سے روایت کیا ہے: ((حدثنا كادح بن رحمة ثنا رشدين بن سعد عن ضحاك عن ابن عباس رضى الله عنهما قَالَ ؛ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي الْكِتَابِ لَمْ تَزِلِ الصَّلٰوةُ جَارِيَةٌ لَه' مَادَامَ اِسْمِيُ فِي ذَالِكَ الْكِتَابِ)) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس (مومن، مسلمان) شخص نے اپنی کسی تحریر میں میرے ذکر پر درود لکھا تو جب تک یہ صلوٰۃ وسلام اس میں رہے گا اس کے لیے اللہ کی رحمت ہمیشہ جاری رہے گی۔''

جعفر بن علی الزعفرانی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں حسن بن محمد کو کہتے ہوئے سنا ہے: ''میں نے احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں: اے ابوعلی! میں نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ جابجا ﷺ جو لکھا ہے۔ کاش تم دیکھتے کہ وہ کیسا ثمر آور ہے۔

ابوالحسن بن علی المیمونی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابوعلی حسن بن عینیہ کو خواب میں دیکھا کہ ان کی انگلیوں پر سونے یا زعفران کے رنگ میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ میں نے دریافت کیا؛ استادِ محترم! کیا بات ہے میں آپ کی انگلیوں پر کچھ بہت ہی اچھا لکھا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: بیٹے! یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے لکھنے اور آپ کے نام نامی کے ساتھ ﷺ لکھنے کا ثمر ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر اور کچھ فائدہ نہ بھی ہو تو یہی فائدہ صاحب حدیث کے لیے کیا کم ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک اس کے کسی لکھے ہوئے کاغذ پر قائم رہے گا اس پر اللہ کی رحمت جاری رہے گی۔

سفیان ابن عینیہ کہتے ہیں کہ ہم سے خلف صاحب الخلفان نے بیان کیا کہ ہمارا ایک دوست درس حدیث میں ہم سبق رہا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو گیا تو میں نے ایک روز خواب میں اس کو سبز کپڑے

پہنے ہوئے بہت اچھی حالت میں دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ رتبہ تمہیں کیسے نصیب ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سماع حدیث کے وقت میں جب کتابت حدیث کیا کرتا تو جہاں کہیں آپ ﷺ کا اسم مبارک آ جاتا اس کے ساتھ ﷺ لکھ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں ان نعمتوں سے جو تم دیکھ رہے ہو سرفراز فرمایا ہے۔

عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر رحم فرما کر بخش دیا اور مجھے اس طرح بنا سنوار کر جنت میں داخل کیا جس طرح نئی دلہن کو اس کے گھر سے لے جاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا؛ یہ کس کام کا صلہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک کہنے والے (ہاتف) کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ نعمتیں اس امر کا صلہ ہیں جو تم "کتاب الرسالة" میں رسول اللہ ﷺ کے نام پر صلوٰۃ لکھا کرتے تھے۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ آپ یہ صلوٰۃ کس طور پر لکھا کرتے تھے؟ کہا؛ میں آپ کے نام کے ساتھ "صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفِلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ" لکھا کرتا تھا۔ صبح کو میں نے بیدار ہو کر "کتاب الرسالة" نکال کر دیکھی تو فی الواقع اس میں اسی طرح لکھا ہوا تھا۔

ابو موسیٰ نے اپنی کتاب میں ایک جماعت اہل حدیث کا ذکر کیا ہے جن کو لوگوں نے خواب میں اچھی حالت میں دیکھ کر ان سے فارغ البالی وخوشحالی کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے اس کی وجہ کتابت حدیث میں اسم مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا بتائی۔ ابن سنان کہتے ہیں کہ میں نے عباس عنبری اور علی بن المدینی رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے؛ ہم سماع حدیث کے زمانے میں اسم مبارک کے ساتھ ﷺ لکھنا کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ اگر اتفاقاً عجلت کے سبب لکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا تو کتاب میں اتنی جگہ چھوڑ دیتے تھے اور جب مجلس درس سے فارغ ہو کر اپنے ٹھکانے پر پہنچتے تو وہاں اطمینان سے بیٹھ کر لکھ لیتے تھے۔

⑫ جمعہ والے دن:

((عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ ، وَفِيْهِ قُبِضَ ، وَ فِيْهِ النَّفْخَةُ وَ فِيْهِ الصَّعْقَةُ ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ ، فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ۔" قَالَ ؛ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَ قَدْ أَرِمْتَ؟ فَقَالَ: "اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ)) [1]

"جناب أوس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے سب دنوں میں سے بہترین جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اسی دن میں اسے فوت کیا گیا۔ اسی دن میں نفخ صور ہوگا۔ اور اسی دن (قیامت والی) کڑک واقع ہوگی۔ تم اس دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ اس لیے کہ تمہارا درود میرے اوپر پیش ہونے والا ہے۔ حضرت اوس کہتے ہیں۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے عرض کیا: "آپ ﷺ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا؟ حالانکہ جسدِ مبارک تو بوسیدہ ہو گیا ہوگا؟ ارشاد فرمایا: "(ایسا نہیں ہوگا) اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مطہرہ کو کھائے۔"

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کو "حدثنا" کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح طبرانی میں جناب ابودرداء رضی اللہ عنہ

---

[1] سنن ابی داؤد/ کتاب الصلاة حدیث: ۱۰۴۷ وسنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوت/باب فی فضل الجمعة حدیث: ۱۰۸۵۔ وقال النووی فی الاذکار(ص: ۱۷۲) اسناده صحیح وقال المحقق عبدالقادر الأرناؤوط وهو حديث صحيح

کی...... بصیغہ: ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَکْثِرُوْا عَلَیَّ الصَّلَاۃَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہُ یَوْمٌ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلَآئِکَۃُ وَ اِنَّ اَحَدًا لَا یُصَلِّی عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلوٰتُہُ حَتّٰی یَفْرُغَ ......)) رسول اللہ ﷺ تسلیما کثیرًا نے فرمایا ہے کہ جمعہ والے دن میرے اوپر درود زیادہ پڑھا کرو۔ یہ ایسا دن ہے کہ فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو مجھ پر درود پڑھے اور اس کا درود مجھ پر پیش نہ کیا جائے حتی کہ وہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے۔''

اور سنن البیھقی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی بصیغہ......((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْ کُلِّ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّ صَلَاۃَ أُمَّتِیْ تُعْرَضُ عَلَیَّ ...... الخ)) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''ہر جمعہ والے دن میرے اوپر دُرود زیادہ بھیجا کرو اس لیے کہ میری امت کا درود میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے۔''......الخ اور ابن ابی السری کی عن اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ بصیغہ......((عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:" أَکْثِرُوْا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔" وَکَانَ الصَّحَابَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ یَسْتَحِبُّوْنَ الصَّلَاۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ......)) نبی ﷺ کا فرمان ہے: جمعہ والے دن میرے اوپر زیادہ درود پڑھا کرو۔'' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ تسلیما کثیرا پر جمعہ والے دن دُرود زیادہ پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

اور اسی طرح ''جلاء الافہام'' میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت (بواسطہ محمد بن یوسف عن الاعمش عن زید بن وہب عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم) بصیغہ......((یَا زَیْدَ بْنَ وَھَبٍ! لَا تَدَعْ اِذَا کَانَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ أَنْ تُصَلِّیَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْفَ مَرَّۃٍ تَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْأُمِّیِّ......)) اے زید! جب جمعہ کا دن ہو تو تم رسول اللہ ﷺ پر اس صیغہ کے ساتھ ہزار دفعہ درود پڑھنے کو کبھی

نہ چھوڑنا:((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ)) والی تمام روایات ایک دوسری کے لیے شاہد ہو کر اوس بن اوس رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث کو تقویت پہنچاتی ہیں۔

محدث کبیر جناب عبداللہ بن مبارک اپنے استاذ (عمرو) ابن شعیب رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (اپنے عہدِ حکومت میں) حکم جاری کر دیا تھا؛ جمعہ والے دن دینی مذاکرات سے علم کی نشر و اشاعت کی جائے۔ اس لیے کہ نسیان علم کے لیے آفت ہے اور جمعہ والے دن نبی ﷺ پر درود زیادہ پڑھا جائے۔"

[بحواله جلاءُ الأفهام]

تنبیه: جمعہ والے دن بھی انہی مسنون کلمات کو درود میں استعمال کیا جائے اور انہی آداب کے ساتھ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ ((اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا الْعَمَلَ بِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَ عَلٰى مَنْهَجِ أَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ رَضِيْتَ عَنْهُمْ))

⑬ قبر نبوی علی صاحبہ التحیۃ و السلام کے پاس:

فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "حجة النبی ﷺ"[1] میں احادیث کی کتابوں سے صحیح الاسناد تمام روایات کو جمع کر کے نبی ﷺ کے حج (اور اس مبارک سفر کی مکمل روئداد) کو بیان کرنے کے بعد "احرام سے لے کر حاجی کے واپس پلٹنے تک" کی عامۃ المسلمین اور جہالت پر بضد مولویوں سے سرزد ہونے والی ۱۷۵ بدعات کو شمار کیا ہے کہ جن کا دین اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ان میں سے (۳۶ عدد) مدینہ منورہ میں ہونے والی بدعات کو بھی گنوایا ہے۔ جن میں سے لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر عجیب و غریب قسم کی حالت میں درود و سلام پڑھنے کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "نبی مکرم ﷺ وعلی آلہ وصحبہ وسلم اور آپؐ کے دونوں اصحاب (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما)

[1] ص ۱۳۹ اور ص ۱۴۰ طبع المکتب الاسلامی

کی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقابر کی زیارت کرتے وقت ایک خاص صورت اختیار کرنا اور جیسے کہ غزالی نے (غالباً احیاء العلوم میں) یہاں عجیب وغریب طریقے بیان کیے ہیں (کہ زیارت اور سلام کرنے والا، اس ستون سے چار ہاتھ ہٹ کر کہ جو قبر کی دیوار والے کونے میں ہے قبلہ کی طرف پشت کر کے اور قبر والی دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر نبی ﷺ کے چہرۂ مبارک کے پاس یوں کہے......الخ۔ پھر یہاں جو دُرُود وسلام کے اپنے ہی من گھڑت لمبے چوڑے کلمات درج کیے ہیں۔) تو ان کا احادیث مبارکہ میں کہیں کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے اس طرح کے طریقے اور الفاظ ملتے ہیں۔ مشروع سلام تو نہایت مختصر ہے (جب مسلمان آدمی مسجد نبوی میں باوضو ہو کر مسجد میں داخل ہونے والی دعا پڑھ کر کہ جس کا پیچھے ذکر ہوا، داخل ہو جائے، تحیۃ المسجد کی دو رکعات پڑھ لے اور پھر اگر کسی فرض نماز کا وقت ہے تو اسے پہلے ادا کر لے، پھر "روضة مِن رياض الجنة" میں آئے اور قبر مبارک کے قریب ہو کر) یوں کہے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ صَاحِبَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا))

شیخ الاسلام امام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی دو کتابوں "اقتضاء الصراط المستقیم"[1] اور "کتاب الرد علی الأخنائی" (ص ۸۸ تا ص ۹۹ و ص ۱۰۷ تا ۱۰۹ اور ص ۱۲۱ تا ۱۲۳) میں یہاں اس موضوع پر احادیث صحیحہ وضعیفہ اور سلف صالحین کے اقوال سے نہایت علمی اور مدلل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ پر مسجد نبوی، دیگر دنیا کی تمام مساجد اور (بعض مخصوص مقامات کو چھوڑ کر) زمین کے تمام خطوں میں درود وسلام پڑھنا کتاب وسنت اور اجماع امت کے ساتھ مشروع ثابت ہے۔ جہاں تک آپ کی قبر کے پاس

---

[1] ص ۱۰۹، ۱۱۰ اور ص ۳۲۲ تا ص ۳۲۷ طبع انصار السنة المحمدية/لاہور

حُجرہ کے اندر داخل ہو کر سلام کہنے کا تعلق ہے تو یہ اس وقت تک مشروع تھا جب اس حجرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ طاہرہ میں داخلہ ممکن تھا۔ (اور اسی طرح سے ان کے بعد تا قیامت بھی) اور جہاں تک اس حجرہ کے قریب ترین کسی جگہ پر کھڑے ہو کر نبی ﷺ تسلیما کثیرًا پر درود و سلام کا تعلق ہے تو یہ معاملہ محلِ نزاع ہے اور اس میں علماء کے دو اقوال ہیں۔

۱۔ ایک جماعتِ علماء (اہل حدیث) یہ کہتی ہے کہ جونہی کوئی مسلمان آدمی مسجد نبوی میں داخل ہو وہ نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھے۔ (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔) پھر اس کے بعد کہ وہ (تحیۃ المسجد یا فرض) نماز ادا کر لے تو اس کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ حجرہ (یعنی نبی ﷺ اور شیخین کی مقابر) کے پاس آئے اور دُرود و سلام کہے۔ جیسا کہ اس بات کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے اصحاب نے اختیار کیا ہے۔

مؤطا امام مالک میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل جیسا کہ ذکر ہوا ہے: ''وہ نبی ﷺ کی قبر کے قریب آ کر کھڑے ہوتے اور نبی ﷺ پر اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے۔''[1]

۲۔ دوسری جماعت نے صرف پہلی صورت کو کافی جانا ہے۔ (یعنی ہر بار کہ جب نمازی مسجد نبوی میں داخل ہو تو ضروری نہیں کہ وہ حجرۃ النبی ﷺ کے پاس آئے اور درود و سلام پڑھے۔) اور اس بات کے دلائل میں دیگر احادیث اور اقوال و عملِ صحابہ کے علاوہ:

ا..... مسند ابی یعلی الموصلی رحمہ اللہ کا ایک اثر بھی ہے۔ جسے علی بن عمر نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جناب سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب کے بیٹے سیدنا زین العابدین علی بن حسن رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کو اس جگہ جاتے اور دعا کرتے دیکھا جو قبر نبوی (علی صاحبہ علی التحیۃ والسلام) کے پاس کھلی تھی (اس دور میں ہوسکتا ہے کہ حجرہ مبارک کی کسی دیوار کا کچھ حصہ کھلا ہوا ہو۔) تو آپ رحمہ اللہ نے اس شخص کو منع کیا اور پھر تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں کو نبی ﷺ کی ایک حدیث سناؤں؟ جسے میں

---

1. موطا امام مالك كتاب قصر الصلاة فى السفر حديث: ۳۹۸

نے اپنے باپ جنابِ حسین سے سنا اور انہوں نے میرے دادا جناب علی رضی اللہ عنہما سے سنا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''میری قبر کو بار بار کے لیے زیارت گاہ نہ بنانا اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں قرار دے لینا۔ (کہ وہاں اللہ کا ذکر ہی نہ ہو۔) تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا اسلام مجھے پہنچ جائے گا۔'' [1]

ب ..... سنن سعید بن منصور میں ایک اثر یوں روایت ہوا ہے: ''سہیل بن ابو سہیل بیان کرتے ہیں کہ؛ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پوتے جناب علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے مجھے نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑے دیکھا تو مجھے آواز دی۔ آپ اس وقت (اپنی دادی جان) سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ میں جب آیا تو آپؒ نے مجھے کھانے کی دعوت دی: سہیل آؤ کھانا کھاؤ۔'' میں نے عرض کی: ''چاہت نہیں ہے۔'' انہوں نے پوچھا: ''کیا بات ہے میں نے تمہیں (نبی ﷺ کی) قبر کے پاس کھڑے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: ''میں رسول اللہ ﷺ کو سلام کرنے گیا تھا۔ جنابِ علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جب تم مسجد میں داخل ہوا کرو تو سلام کرلیا کرو۔'' (قبر مبارک کے قریب جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اس دور میں مسجد نبوی کی توسیع بہت زیادہ نہ ہوئی تھی۔) پھر ابن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میری قبر کو بار بار زیارت گاہ (اور میلے کی جگہ) نہ بنالینا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ میرے اوپر درود بھیجا کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا۔ تم جو کہ یہاں ہو اور وہ جو اندلس میں ہیں اس معاملے میں برابر ہو۔'' [2]

بہر کیف انسان کی مصروفیات اور ایمانی حالت کے پیش نظر دونوں ہی طرح درست

---

[1] یہ حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اپنی سنن میں روایت کی ہے اور پیچھے ذکر ہو چکی۔

[2] بحوالہ اقتضاء الصراط المستقیم

ہے۔ جو لوگ قبر الرسول ﷺ کی زیارت کو لزوم و استحباب کا درجہ دیتے ہوئے وہاں "حاضری دے کر درود و سلام پڑھے بغیر واپس آنے والے" کو طعنہ زنی کا نشانہ بناتے ہیں کیا ایسے لوگ زین العابدین علی بن حسین اور جناب علی بن حسن رضی اللہ عنہم جیسے اطہار آل نبی ﷺ بارک وسلم کی اپنے محبوب جدّ امجد سید الکونین محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت میں زیادہ ہونے کا دعوی کر سکتے ہیں؟ جب وہ دونوں بزرگ اس کے وجوب و استحباب کے قائل نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین! تو پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ والی بات کو درست مانتے ہوئے "اهل السنة والحديث" پر اپنے بدبودار فتووں والی غلیظ مہروں کو خشک ہو جانے دو۔ فرماتے ہیں: "سلف صالحین کی جماعت تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھ لیا کرتی تھی۔ اور خلفاء راشدین کے عہد میں اور ان کے بعد بھی جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز، اعتکاف، تعلیم و تعلم، اللہ کے ذکر یا اس سے دعا کے لیے آتے تو وہ (بالوجوب و بالالتزوم) قبر مبارک کی طرف (سیدھے) نہیں جاتے تھے کہ پہلے اس کی زیارت کریں اور سلام پڑھیں نہ ہی وہ حجرہ کے اندر داخل ہونے کو لازم جانتے اور نہ ہی اس کے قریب ہونے کو۔"......الخ[1]

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاذکار"[2] میں "فصل فی زیارة مسجد رسول الله ﷺ" والے عنوان کے تحت (امام غزالی کی نقل کرتے ہوئے کہ جو خود ایک فلسفی اور صوفی تھے۔ ان پر محدثین اور علماء اہل السنۃ والحدیث کی جرح بھی ہے۔) جو طریقہ اور درود و سلام کے الفاظ درج کیے ہیں ان پر ابن علان نے "شرح الاذکار" میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حاشیہ درج کیا ہے۔ کہتے ہیں: "اس صیغہ اور طریقہ کے ساتھ مجھے صحابہ کرام کے عمل سے کوئی چیز نہیں ملی۔ البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کچھ مذکور ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آ کر کھڑے ہوتے اور یوں کہتے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

---

[1] كتاب الرّد على الأخنائي ص: ٩٦ [2] طبع دار الهدى للنشر والتوزيع بالرياض ص: ٢٩٥

أَبَابَكْرٍ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرُ))

" ایضاح المسالك" میں اسی طرح درج ہے۔ابن علان کہتے ہیں: اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دو طرق سے ذکر کیا ہے۔ ایک مذکور بالا اور ایک دوسرا۔ دونوں اسناد کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: " موقوفٌ صحیحٌ "

پھر امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں سلام کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ جب قبر مبارک کے قریب آتے تو یوں کہتے: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ)) یہی الفاظ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔ اسی کی طرف امام طبری رحمہ اللہ مائل نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ جو مفصل درود و سلام اوپر مذکور ہوا، اگر زائر ایسا کہہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ بدعت کی ایجاد سے اتباع صحابہ زیادہ اولی ہے۔ اگرچہ یہ نئے ایجاد کردہ کلمات کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔"

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اس موضوع پر لوگوں نے احادیث گھڑیں اور کچھ آثار و اقوال صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ جمیعًا کی طرف منسوب بھی کیے۔ تو ایسی تمام روایات و کلمات سے احتراز تمسك بالكتاب والسنة ہوگا۔ اور اسی میں اجر و ثواب ہے ان شاء اللہ (هٰذَا مَا عَلِمْنَا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

⑭ گناہوں سے مغفرت طلب کرنے، تکالیف و شدائد اور کثرتِ غم کے موقع پر

((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ؛ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ ، فَقَالَ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اذْكُرُوا اللّٰهَ، اذْكُرُوا اللّٰهَ ، جَاءَ تِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔" قَالَ أُبَيٌّ؛ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ

اللّٰهِ! اِنِّیْ أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِیْ؟ قَالَ: " مَا شِئْتَ " قَالَ؛ قُلْتُ؛ اَلرُّبُعَ؟ قَالَ: " مَا شِئْتَ۔ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔" قُلْتُ ؛ فَالنِّصْفَ؟ قَالَ:" مَاشِئْتَ ، وَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔" قَالَ، قُلْتُ ؛ فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ:" مَا شِئْتَ، فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔" قُلْتُ؛ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا؟ قَالَ:" اِذًا تُكْفَى هَمَّكَ وَ يُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔))[1]

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جب دو تہائی (۲/۳ حصہ) رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوکر (بطور وعظ و تذکیر) ارشاد فرماتے:'' لوگو! (اٹھو) اللہ کا ذکر کرو۔ اللہ کو یاد کرو۔ کپکپا دینے والی گھڑی (یعنی قیامت کے آغاز میں سخت قسم کے زلزلے) آ رہی ہے اور اس کے پیچھے اس سے بھی زیادہ سخت پیچھے آنے والی (صور پھونکے جانے کی آواز) آ پہنچی۔ (اور ان دونوں سے پہلے) موت اپنا سامان لیے آ پہنچی۔ (لوگو! ہوشیار ہو جاؤ، فکر کرلو۔) موت اپنا سامان لیے آ پہنچی۔'' حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں آپ پر بہت زیادہ درود پڑھا کرتا ہوں۔ تو اپنی دعا میں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر درود کے لیے مقرر کرلوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا:'' جتنا تم چاہو؟'' میں نے عرض کیا:'' کیا ایک چوتھائی کرلوں؟'' (یعنی تین دیگر دعائیں اور ایک بار درود شریف؟) فرمایا:'' جتنا تم چاہو۔ البتہ زیادہ کرلو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا:'' نصف کرلوں؟'' (یعنی آدھی دیگر دعائیں اور آدھا درود و سلام) فرمایا:'' جتنا تم

---

[1] جامع الترمذی/ کتاب صفة القيامة/باب فی الترغيب فی ذكر الله وذكر الموت آخر الليل وفضل إكثارِ الصَّلاة على النبیّ صلی الله عليه وسلم حديث نمبر: ٢٤٥٧

چاہو۔'' اور اگر بڑھا لو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: ''دو ثلث؟'' (یعنی اپنی دعا کا ۲/۳ حصہ درود اور ۱/۳ حصہ دیگر دعائیں؟) فرمایا: ''تم جتنا چاہو۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ کرلو گے تو تمہارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کی: ''(اے اللہ کے رسول! ﷺ) کیا اپنی ساری دعا آپ ﷺ پر دُرود کے لیے مختص کرلوں؟ (یعنی کچھ اور نہ ہی پڑھوں؟) تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تب تو (تمہارا یہ کام) تمہاری سب فکریں دور کرنے کے لیے کافی ہوگا اور تمہارے سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

(امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرمایا ہے: ((هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ))

بالاختصار یہ روایت مسند احمد[1] میں بھی ہے۔ اور آخر روایت میں ہے کہ جب سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی مکمل دعا میں درود ہی پڑھتے رہنے کے لیے فیصلہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِذًا يَكْفِيْكَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ مَا أَهَمَّكَ مِنْ دُنْيَاكَ وَ آخِرَتِكَ............))

''تب تو اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے دنیا اور آخرت کے تمام اہم امور میں تجھے کافی ہوجائیں گے۔''

حافظ ابن قیم الجوزی رحمہ اللہ نے جلاء الافہام (کے پہلے باب) میں اس حدیث کو مرفوع روایات والی فصل کے تحت درج کرنے کے بعد اپنے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی شرح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو جو یہ فرمایا: ''تب تو (تمہارا اپنی دعا میں صرف درود وسلام ہی پڑھنا) تمہاری سب (دنیا اور آخرت کی)

---

[1] ۱۳۶/۵ حدیث نمبر: ۲۰۷۳۵ اور نمبر: ۲۰۷۳٦

فکریں دور کرنے کے لیے کافی ہوگا اور تمہارے سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔‘‘......تو اس لیے کہ جو شخص نبی ﷺ پر ایک دفعہ درود و سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ جس سے آپ ﷺ پر درود پڑھنا افکار و غم اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے۔‘‘

⑮ کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس، دروس وحلقات اور مواعظ ودعوت کے مواقع پر

اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جسے امام اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’ فضل الصلاۃ عَلَی النَّبِی صلیٰ الله علیه وسلم ‘‘میں روایت کیا ہے:’’

((حدثنا ابُو بکْر ابنُ اَبِی شَیْبَةَ ثنا حُسَیْنُ ابْنُ عَلِیّ وهو الجعفیُّ عَنْ جعفرِ ابنِ برقانَ قَالَ کَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ اَمّا بَعْدُ : فَاِنَّ اُنَاسًا مِّنَ النَّاسِ قَدِ الْتَمَسُوْا الدُّنْیَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَاِنَّ مِنَ الْقُصَّاصِ قَدْ اَحْدَثُوْا فِی الصَّلٰوةِ عَلٰی خُلَفَائِهِمْ وَاُمَرَائِهِمْ عَدْلَ صَلَاتِهِمْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا جَاءَ كَ کِتَابِیْ هٰذَا فَمُرْهُمْ اَنْ تَکُوْنَ صَلَاتُهُمْ عَلَی النَّبِیِّیْنَ وَدُعَاؤُهُمْ لِلْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً وَیَدَعُوْا مَاسِوَی ذَالِكَ))

’’جعفر بن برقان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک فرمان (اپنے زمانہ خلافت میں اس مضمون کا) جاری فرمایا تھا: آج کل لوگوں نے آخرت کے کاموں سے دنیا حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یعنی جس طرح دُرود رسول اللہ ﷺ کے لیے (خطبات وغیرہ میں) مشروع ہے۔ اسی طرح وہ اپنے خلفاء وامرا کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ جس وقت میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچے ان کو حکم دے دو کہ (آئندہ ایسا نہ کریں) دُرود صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے ہونا چاہیے باقی جملہ مسلمین کے لیے دعا۔ اس کے سوا جو

کچھ ہے بالکل چھوڑ دیں۔''

اس موقع پر درود شریف پڑھنا اس لیے بہتر سمجھا گیا ہے کہ یہ محل اس مبارک علم کی تبلیغ کا ہے جو نبی ﷺ لے کر آئے تھے اور جس کی نشر و اشاعت اور تلقین آپؐ نے اپنی امت کو فرمائی تھی۔ انسانوں کے لیے اس سے زیادہ افضل اور نفع رساں دوسرا کون سا عمل دین و دنیا کا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾ [حم السجدہ: ۳۳]

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾

[یوسف: ۱۰۸]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس امر سے لوگوں کو خبردار فرما دینے کا حکم دیا ہے کہ رب العالمین کا پسندیدہ راستہ دعوۃ الی اللہ ہے۔ اور جو شخص یہ راستہ اختیار کرے گا وہ گویا رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر چلنے والا ہے۔ بصیرت پر قائم ہے۔ یعنی ٹھیک راستہ پر چل رہا ہے اور آپ کا متبع ہے۔ جس طرح خود حضور کا ٹھیک راستہ پر ہونا یقینی ہے ویسے ہی حضور کے متبع کا بھی ٹھیک راستہ پر ہونا حتمی ہے۔ جو شخص بدبختی سے اس راستہ پر نہیں چل رہا ہے وہ نہ بصیرت پر ہے اور نہ آپ کا متبع۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں جس کا ذکر ابن الوضاح نے کتاب البدع والنھی عنھا میں کیا ہے یہ ارشاد فرمایا تھا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ امْتَنَّ عَلَى الْعِبَادِ بِاَنْ جَعَلَ فِیْ كُلِّ زَمَانٍ فَتْرَةً مِّنَ الرُّسُلِ بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَدْعُوْنَ مَنْ ضَلَّ اِلَى الْهُدٰى وَيَصْبِرُوْنَ مِنْهُمْ عَلَى الْاَذٰى وَ يُحْيُوْنَ بِكِتَابِ اللّٰهِ اَهْلَ الْعَمٰى كَمْ

مِنْ قَتِيْلٍ لِاِبْلِيْسَ قَدْ اَحْيَوْهُ وَضَالٍّ تَائِهٍ قَدْ هَدَوْهُ۔ بَذَلُوْا دِمَاءَ هُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ دُوْنَ هَلَكَةِ الْعِبَادِ فَمَا اَحْسَنُ اَثَرِهُمْ عَلَى النَّاسِ وَ اَقْبَحُ اَثَرِ النَّاسِ عَلَيهِمْ يَقْبِلُوْنَهُمْ فِيْ سَالفَ الدَّهْرِ وَاِلَى يَوْمِنَا هٰذَا۔ فَمَا نَسِيَهُمْ رَبُّكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ جَعَلَ قَصَصَهُمْ هُدًى وَ اَخْبَرَ حُسْنَ مَقَالَتِهِمْ فَلَا تَقْصُرْ عَنْهُمْ فَاِنَّهُمْ فِيْ مَنْزِلَةٍ رِفِيْعَةٍ وَاِنْ اَصَابَتْهُمُ الْوَضِيْعَةُ))

''سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے جس نے اپنے بندوں پر احسان فرما کر ہر زمانہ فترۃ میں (وہ زمانہ جو دو نبیوں کی بعثت کے درمیان ہوتا ہے) کچھ اہل علم اس لیے باقی رہنے دیے ہیں کہ وہ مخلوق کو ہدایت کی دعوت کا کام کرتے رہیں اور اس کام میں مخلوق سے جو تکلیفیں انہیں پہنچیں ان کو برداشت کریں۔ وہ اللہ کے احکام سنا کر گمراہی کی موت سے خلق کو نجات دیتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے لوگوں کو جن کے دل شیطان کے دام فریب میں پھنس کر مر چکے تھے زندگی بخشتے ہیں۔ بہت سے گمراہوں کو انہوں نے ہدایت کے راستہ پر لگا دیا ہے اور اپنے جان و مال پر کھیل کر دوسروں کو ہلاکت سے بچایا ہے۔ پس کیا اچھا سلوک ان کا لوگوں کے ساتھ ہے اور کتنا برا سلوک لوگوں کا ان سے ہے۔ جو ایک مدت سے آج تک ان کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بھولا اور بھولنا تو اللہ کی عادت ہی نہیں ہے۔ ان کے واقعات ہمارے لیے ہدایت و بصیرت کا سبب بنائے ہیں اور ان کے حسن مقال سے ہم کو مطلع فرمایا ہے۔ ان کے کارنامے فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔ اگرچہ مخلوق کی جانب سے ان کی کیسی ہی بے عزتی ہوئی ہو لیکن ان کے درجات بہت بڑے ہیں۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں جب کبھی کوئی بدعت ظاہر ہوگی اللہ

تعالیٰ اپنے اولیاء میں سے ایک نہ ایک ولی اس کے مٹانے کے لیے پیدا کر دے گا۔ ایسے لوگوں کو ذات مغتنمات میں سے سمجھنا چاہیے۔

یاد رکھنے کے لائق بات ہے کہ ایک موقع پر نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر ارشاد فرمایا تھا: ''جو شخص میری کسی سنت کو زندہ کرے گا میں اور وہ جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے۔''

ایک مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ ''جو کوئی انسان کو ہدایت کا راستہ دکھائے اور وہ انسان اس پر عامل رہے تو قیامت تک ہدایت کرنے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب حاصل ہوتا رہتا ہے۔''

پس جبکہ تبلیغ علم کی بدولت مبلغین و داعیان کو ایسی بڑی بڑی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو ان پر بھی واجب ہے کہ تبلیغ علم کے وقت سلسلہ کلام کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے اعتراف وحدانیت سے کریں۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھ کر آپ کی تمجید و توصیف سے رطب اللسان ہوں اور جب ختم کریں تو اس کا خاتمہ بھی درود شریف پر ہو۔((وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْهُدَاةِ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا))

⑯ روزانہ صبح و شام

((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔" رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ))[1]

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دس مرتبہ صبح اور دس مرتبہ شام کے وقت مجھ پر درود بھیجا اسے قیامت والے

[1] حافظ ابو عبید اللہ المقدسی کی ''کتاب الصلاۃ علی النبی ﷺ'' میں دیکھیے۔

دن میری سفارش حاصل ہوگی۔''

⑰ گناہوں سے معافی چاہنے کے لیے

بروایت ابن ابی عاصمؒ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ا......((صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ كَفَّارَةٌ لَّكُمْ فَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ......))[1]

''میرے اوپر دُرُود پڑھا کرو اس لیے کہ مجھ پر درود پڑھنے سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جو شخص میرے اوپر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر (دس بار) رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔''

اس حدیث کو ''ابن شاہین'' رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

ابوعبیداللہ المقدسی نے ابوالکاہل کی ایک روایت یہ بھی درج کی ہے:

ب ......((قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا اَبَا كَاهِلٍ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حُبًّا أَوْ شَوْقًا اِلَيَّ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّغْفِرَ لَهُ ذُنُوْبَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةِ وَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ))

'' کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اے ابو کاہل! جس شخص نے بتقاضائے محبت یا شوقِ قلبی سے (یہ راوی کا سہو ہے کہ آپؐ نے دونوں میں سے کیا فرمایا تھا؟) دن رات میں تین تین بار میرے اوپر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ہے کہ اس دن اور رات میں جو کچھ گناہ اس سے سرزد ہوئے انہیں معاف کردے۔''[1]

---

[1] صحیح الجامع الصغیر للالبانی رقم الحدیث: ٦٢٣٣

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: درود شریف پڑھنے سے نفوس کو خصائل رذیلہ سے نجات مل کر کامل طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ طہارت ہمیشہ ترقی پذیر رہ کر کمالات و فضائل انسانی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ اور یہی کمالِ نفس کی غایت ہے۔ نتیجہ کلام یہ سمجھنا چاہیے کہ نفس کو بغیر درود وسلام کے مرتبہِ کمال حاصل نہیں ہوسکتا جس کے حصول کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ اس لیے کہ یہ آپ ﷺ کے لوازمِ محبت و متابعت اور تقدیم علی ماسواہ سے ہے۔ [1]

⑱ کوئی ضرورت پیش آنے اور بھول جانے کے وقت

ا...... امام ابوموسیٰ المدینی نے بطریق محمد بن عتاب المروزی رحمہم اللہ روایت کی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا نَسِیْتُمْ شَیْئًا فَصَلُّوْا عَلَیَّ تَذْکُرُوْهُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ))

''جب تم کوئی چیز بھول جاؤ تو میرے اوپر درود پڑھو۔ اللہ نے چاہا تو وہ بھولی ہوئی چیز تمہیں یاد آ جائے گی۔'' [2]

ب......احمد بن موسیٰ رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز فجر کے بعد گفتگو کرنے سے پہلے سو مرتبہ میرے اوپر درود پڑھے گا اللہ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔ تیس دنیا میں اور ستر آخرت میں۔ نماز مغرب کے بعد بھی ایسا ہی کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ پر دُرُود کیسے پڑھا جائے؟ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

---

[1] دیکھئے: جلاء الافہام باب چہارم

[2] جلاء الافہام باب چہارم...... عربوں میں بالخصوص سعودی عرب کے لوگوں میں یہ اچھی عادت دیکھی گئی ہے کہ وہ چیز کے بھول جانے پر اور ناراضگی کے وقت درود کثرت سے خود پڑھتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس عادت کا نہ پایا جانا سنت اور حُبِ رسول (ﷺ) سے دوری والے ماحول کا اثر ہی کہا جاسکتا ہے جو کسی بھی صورت قابلِ تعریف نہیں ہے۔

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ..... ﴾ پڑھتے ہوئے حتی کہ سو کی گنتی پوری ہو جائے۔

ج...... حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ نے اسی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو درج ذیل الفاظ میں روایت کیا ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَضَى اللّٰهُ لَهُ مِائَةَ حَاجَةٍ۔ سَبْعِيْنَ مِنْهَا لِآخِرَتِهِ وَ ثَلَاثِيْنَ مِنْهَا لِدُنْيَاهُ......))

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزانہ میرے اوپر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ اس کی سو ضرورتیں پوری کر دے گا۔ ان میں ستر اس کی آخرت کے لیے اور تیس ان میں سے اس کی دنیا کے لیے۔'' حافظ ابو موسیٰ نے اس حدیث کو حسنؒ کہا ہے۔

(یاد رکھو! اللہ رب العزت آدمی کے دل کی کیفیت، ایمانی پختگی، صرف دنیا کی طمع و لالچ اور مطلب پرستی کو خوب جانتا ہے۔)

دُرُود و سلام کی فضیلت و فوائد

۱...... ((عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَ حُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَ رُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ))[1]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ معاف اور دس درجے بلند فرمائے گا۔''

[1] صحیح سنن نسائی للالبانی الجزء الأول رقم الحدیث: ۱۲۳۰

ب......((عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) رَوَاهُ الترمذی))[1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص مجھ پر بکثرت درود بھیجتا ہے، قیامت والے دن وہ سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا۔''

ج......((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ أَوْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَقَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) رَوَاهُ اِسْمَاعِيْلُ الْقَاضِيْ فِيْ فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ))[2]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس نے مجھ پر درود بھیجا یا میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ (جنت میں بلند مقام) مانگا اس کے لئے میں قیامت کے روز ضرور سفارش کروں گا۔'' اسے اسماعیل قاضی نے'' درود کے فضائل'' میں روایت کیا ہے۔''

د......((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ۔ قُلْتُ: الرُّبُعَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ قُلْتُ: فَالنِّصْفَ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ: مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا۔ قَالَ: اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَ يُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ))[3]

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں۔ اپنی دعا میں سے کتنا حصہ

---

1. مشکاة المصابیح للالبانی الجزء الأول رقم الحدیث: ۹۲۳
2. فضل الصلاة علی النبی للالبانی رقم الحدیث: ۵۰
3. صحیح سنن الترمذی للالبانی الجزء الثانی رقم الحدیث: ۱۹۹۹

دُرود کے لئے وقف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جتنا تو چاہے۔'' میں نے عرض کیا ؛ایک چوتھائی صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جتنا تو چاہے، لیکن اس سے زیادہ اگر کرے تو تیرے لیے اچھا ہے۔'' میں نے عرض کیا؛ نصف مقرر کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جتنا تو چاہے، لیکن اس سے زیادہ اگر کرے تو تیرے لیے اچھا ہے۔'' میں نے عرض کیا؛ دو تہائی مقرر کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جتنا تو چاہے، لیکن زیادہ اگر کرے تو تیرے لئے بہتر ہے۔'' میں نے عرض کیا؛ میں اپنی ساری دعا دُرود کے لئے وقف کرتا ہوں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تیرے سارے دکھوں اور غموں کے لئے کافی ہوگا اور تیرے گناہوں کی بخشش کا باعث بھی۔''

ھ......((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى دَخَلَ نَخلاً فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ: فَجِئْتُ أَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: مَالَكَ؟ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ قَالَ: فَقَالَ: اِنَّ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ: أَلَا أُبَشِّرُكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ))[1]

''سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے اور ایک کھجوروں کے باغ میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہیں اللہ نے آپ کی روح قبض نہ کرلی ہو۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی دیکھ رہا تھا کہ آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' میں نے بات بتائی ۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ؛ جبریل علیہ السلام نے (ابھی ابھی آکر خوشخبری دیتے ہوئے) مجھ سے کہا ہے: ''اے محمد! کیا میں آپ کو ایک

---

[1] رَوَاهُ أَحْمَدُ في المسند : ١٩١/١، حديث: ١٦٦٥ـ والألبانی فضل الصلاة على النبی رقم الحديث: ٧

بشارت نہ دوں؟ اللہ کریم فرماتے ہیں: ''جو شخص آپ پر درود بھیجے گا، میں بھی اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا، میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔''

و......((عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَ حِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دس مرتبہ صبح، دس مرتبہ شام کے وقت مجھ پر درود بھیجا، اسے روزِ قیامت میری سفارش حاصل ہوگی۔''

ز......((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي وَ النَّبِيُّ ﷺ وَ أَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ رضي الله عنهما مَعَهُ ، فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ: " سَلْ تُعْطَهُ، سَلْ تُعْطَهُ))[2]

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے۔ میں (دعا کے لیے) بیٹھا، تو پہلے اللہ کی حمد وثنا کی۔ پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، پھر اپنے لئے دعا کی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا (اسی طرح) ''اللہ سے مانگو۔ ضرور دیئے جاؤ گے۔ (دوبارہ فرمایا) اللہ سے مانگو۔ دیئے جاؤ گے۔''

ح......((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا))[3]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

---

1. رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ۔صحيح الجامع الصغير للالباني رقم الحديث: ٦٢٣٣
2. صحيح سنن الترمذي للالباني الجزء الأول رقم الحديث: ٤٨٦
3. رَوَاهُ مسلم ، كتاب الصَّلَاة باب الصلاة على النبي ح: ٩١٢

ط......((عَنْ أَبِیْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبُشْرَى فِیْ وَجْهِهٖ فَقُلْنَا اِنَّا لَنَرَى الْبُشْرىٰ فِیْ وَجْهِكَ فَقَالَ: " اِنَّهُ أَتَانِی الْمَلَكُ جِبْرِيْلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ ! اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ أَمَا يُرْضِيْكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّیْ عَلَيْكَ أَحَدٌ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا، وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ أَحَدٌ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا)) [1]

''حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتمارہا تھا۔ ہم نے عرض کیا؛ آج ہم آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کیا آپ ﷺ کے لیے یہ بات خوشی کا باعث نہیں کہ آپ ﷺ کا جوامتی ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجے، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں اور جوامتی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہے، میں اس کو دس مرتبہ سلام کہوں؟''

سیدنا ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مسند احمد [2] میں ان سے کعب بن عجرہ کے واسطے سے بھی درج ہے اور ان کے بیٹے جناب عبداللہ بن ابوطلحہ رضی اللہ عنہم کے واسطے سے بھی۔ اوپر جس حدیث کا ترجمہ ہوا یہ عبداللہ بن ابوطلحہ والی روایت کا تھا۔ دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! کیوں نہیں؟ (میرے چہرہ اس مبارک موقع پر مسرور ہونا چاہیے اس لیے کہ) میرے پاس میرے رب، اللہ عزوجل کی طرف سے ایک آنے والا (جبریل علیہ السلام) آیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ؛ ''آپ ﷺ کی امت میں سے جس نے آپ ﷺ پر ایک بار درود پڑھا، ① اللہ تعالیٰ اس

[1] صحیح سنن النسائی للالبانی الجزء الأول رقم الحدیث: ۱۲۱٦، ومسند احمد (۳۰/٤) حدیث: ۱۵۹۲٦ [2] ۲۹/٤، ۳۰، ح: ۱۵۹۱۷ و ۱۵۹۲٦

کے لیے (اس کے کھاتے میں) دس نیکیاں لکھ دیں گے۔ ② اس کے دس گناہ معاف کر دیں گے۔ ③ اس کے دس درجات بلند کر دیں گے۔ ④ اور اس پر دس بار رحمت نازل فرمائیں گے۔'' [1]

ی......((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: '' مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ)) رَوَاهُ اِسْمَاعِيْلُ الْقَاضِيُّ فِيْ فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) [2]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا اللہ اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھے گا۔'' اسے اسماعیل قاضی نے **فضل الصلاة علی النبی** ﷺ میں روایت کیا ہے۔

س......((عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ أَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: '' مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا صَلَّى عَلَيَّ فَلْيُقِلَّ أَوْ لِيُكْثِرْ۔'' رَوَاهُ اِسْمَاعِيْلُ الْقَاضِيُّ فِيْ فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔)) [3]

''حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تک کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے اس وقت تک فرشتے اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ اب جو چاہے کم پڑھے اور جو چاہے زیادہ کرے۔''

ع......((عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: '' مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ

---

1 حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کو سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۶ کی تفسیر میں درج کر کے لکھتے ہیں: '' وَهٰذَا ايضًا إسنادٌ جيّدٌ ولم يخرجوه''

2 فضل الصلاة على النبى للالبانى رقم الحديث : ١١

3 مشكوٰة المصابيح رقم الحديث : ٩٢٥

السَّلَامَ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدُ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مجھے سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس لوٹاتا ہے اور میں (اس سلام کا) جواب دیتا ہوں۔'' اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔''

مختلف احادیث میں دُرود و سلام پڑھنے کا جو اجر و ثواب مختلف ذکر ہوا ہے تو یہ پڑھنے والے کے خلوص، ایمان، نبی ﷺ سے محبت، تقویٰ اور نیت کی بنیاد پر ہے۔

ف......((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَةٍ فَلَمْ يَجِدْ أَحَدًا يَتْبَعُهُ، فَفَزِعَ عُمَرُ فَأَتَاهُ بِمَطْهَرَةٍ مِنْ خَلْفِهِ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فِيْ مَشْرَبَةٍ فَتَنَحَّى عَنْهُ مِنْ خَلْفِهِ حَتَّى رَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ ، فَقَالَ: " أَحْسَنْتَ يَا عُمَرُ! حِيْنَ وَجَدْتَنِيْ سَاجِدًا فَتَنَحَّيْتَ عَنِّيْ۔ إِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِيْ فَقَالَ؛ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ))[2]

''سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کسی (فطری) ضرورت اور حاجت کے لیے (مدینہ منورہ سے پیدل) باہر نکلے۔ مگر کوئی شخص نہ تھا جو آپ ﷺ کے پیچھے جاتا۔ (اور خدمت بجالاتا۔) پس عمر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔ (کہ رسول اللہ ﷺ پریشان نہ ہوں۔) چنانچہ آپ (جلدی سے) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پانی کا برتن (لوٹا وغیرہ) لے کر پہنچے اور نبی ﷺ کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہنے والی

---

1. فضل الصلاة على النبي للالباني رقم الحديث : ٦
2. بحواله تفسير ابن كثيرؒ عند آية ٥٦ في سورة الاحزاب اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ روایت درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس حدیث کو حافظ ضیاء مقدسیؒ نے اپنی کتاب " المستخرج على الصحيحين" میں درج کیا ہے۔ اسی طرح اسماعیل القاضی نے بھی اسے بطور دلیل لیا ہے۔

نرم زمین پر سجدہ کی حالت میں دیکھا۔ (کہ آپؐ اللہ رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔) پس آپؓ رسول اللہ ﷺ کی پچھلی جانب دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے حتی کہ نبی ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور (سلام پھیرنے کے بعد) فرمایا: "(عمر!) تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ مجھے سجدے میں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ سنو! میرے پاس (ابھی سجدے کی حالت میں جبریل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ: آپ ﷺ کی امت میں سے جو شخص آپ ﷺ تسلیما کثیرًا پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کریں گے۔"

رسول اللہ ﷺ تسلیما کثیرًا پر درود وسلام کی اس سے بڑی فضیلت کیا ہوگی کہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔) اور جیسا کہ آپ نے اس درود و سلام والی فصل و بحث کی ابتدا میں یہ پڑھ لیا کہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کا معنی یہ ہے کہ: "وہ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے نبی ﷺ کی تعریف وثنا کرتا ہے اور اس پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ جبکہ فرشتوں کا درود نبی مکرم ﷺ پر برکت کی دعا کرنا ہے۔ اور...... عربی زبان کے اصول وقواعد سے واقف لوگ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ:

۱...... حرف "اِنَّ" کے ساتھ جب کلام کا آغاز کیا جاتا ہے تو اس اِنَّ والے جملہ میں ہمیشہ تاکید پائی جاتی ہے اور یہ کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

۲...... اور جب آگے فعل میں مضارع کا صیغہ استعمال ہو رہا ہو تو اس میں ہمیشہ استمرار پایا جاتا ہے۔ یعنی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کرتے اور مفہوم سمجھتے وقت یوں کہا جائے گا: "یہ بات قطعی طور پر بالتاکید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے پیغمبر خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ پر بالاستمرار ہمیشہ رحمتیں نازل فرماتے اور ملأ اعلیٰ میں ان کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ فرشتے اللہ رب العالمین کے اس محبوب پیغمبر کے لیے (کہ جو اللہ رب العالمین کی

عنایت سے خود رحمۃ للعالمین ہیں) درجات کی بلندی اور برکت میں اضافہ کی اپنے رب سے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔'' کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

عقل دور اندیش می داں کہ تشریفے چنیں ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

''یعنی دور اندیش اور عقل و دانش والے لوگ جانتے ہیں کہ ایسا شرف و مرتبہ نہ کسی دین پرور نے کہیں دیکھا اور نہ کسی پیغمبر کو پہلے یہ نصیب ہوا۔''

رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام نہ پڑھنے کی وعید

جیسا کہ آپ نے پیچھے ''صلاۃ وسلام کے وجوب واستحباب'' والے موضوع کے تحت سیدنا ابو ہریرہ، کعب بن عُجرہ، علی بن ابو طالب اور جناب ابوذر رضی اللہ عنہم سے مروی روایات میں نبی مکرم ﷺ پر درود وسلام نہ پڑھنے کے نتیجے میں آپ ﷺ کی اپنی زبان مبارک سے سنائی گئی وعیدیں، خیر و برکت اور آخرت کی کامیابی سے محرومیاں جو بیان ہوئی ہیں کیا ان پر غور وفکر اور اطلاع کے بعد بھی کوئی شخص اگر ان مواقع پر جہاں رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنا واجب یا مستحب ہو مسنون و ماثور درود شریف نہیں پڑھتا بلکہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے تو کیا اس سے بڑا بھی دنیا میں کوئی بد بخت ہو گا؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ))[1]

''جو میرے اوپر درود پڑھنا بھول گیا، اس نے جنت کا راستہ کھو دیا۔''

اور جو کہے کہ زندگی میں ایک دفعہ پڑھنا واجب ہے اسے یہ وجوب پوری زندگی کیسے یاد رہے گا؟ (اِتَّقُوا اللّٰهَ يَا عِبَادَ اللّٰهِ!)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ......))[1] جب تک نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔''

---

[1] صحيح سنن ابن ماجه للألباني الجزء الأول حديث ٧٤٠

صحابہ کرام اور آئمہ عظام کے دُرود والے الفاظ کی شرعی حیثیت

1. براویت علی بن المدینی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی: ((اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدِ الْكُبْرٰى......الخ))[1]
2. بروایت سلامہ الکندی، سعید بن منصور رحمہ اللہ کی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی: ((اَللّٰھُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَ بَارِیءَ الْمَمْسُوْكَاتِ......الخ))[3]
3. سنن ابن ماجہ[4] میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی: ((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَ رَحْمَتَكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ......الخ)) جیسے کلمات والی تمام روایات: اوّلاً ضعیف الاسناد اور نا قابل اعتبار ہیں۔ امام ابن قتیبہ، حافظ ابن کثیر، شیخ محمد ناصر الدین البانی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ جیسے محدثین و ناقدین نے ان کے بعض رواۃ کو جرح و تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور تمام روایات کو نا قابلِ حجت قرار دیا ہے۔

ثانیًا..... تفقہ فی الدین اور عمل بالجوارح کے لیے یہ بات آئمہ مجتہدین و محدثین اور فقہاء کے نزدیک ایک مسلم اصول رکھتی ہے کہ جب کوئی بات یا حکم قرآن و سنت سے ثابت ہو جائے تو پھر کسی دوسرے کے قول و عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہوگی۔...... جمہور کی رائے یہ ہے کہ قیاس سے فائدہ ظنی (گمان والا) حاصل ہوتا ہے نہ کہ یقین۔ اسی لیے عقائد کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا۔ قیاس کا اعتبار اسی وقت ہوتا ہے جبکہ کتاب و سنت اور اجماع میں حکم نہ ملے۔''[5]

مندرجہ بالا اصول کے بیان میں اصول فقہ کی کتب بھری پڑیں ہیں۔ اس لیے جب نبی مکرم ﷺ کی اپنی زبانِ مبارک سے ادا کیے ہوئے ہر موقع و مناسبت کے اعتبار سے درود و سلام کے الفاظ موجود ہیں اور انہی کلمات کی ادائیگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے

---

1. سلسلة الاحاديث الصحيحة للألبانی الجزء الخامس حديث: ٢٠٣٥
2. جلاءُ الأفهام باب دوم
3. بحواله تفسير ابن كثير عند تفسير آيت: ٥٦ من سورة الاحزاب
4. كتاب اقامة الصلوات/باب الصلاة على النبى ﷺ حديث: ٩٠٦
5. دیکھیے: مولانا محمد الغنی خاں حنفی رحمہ اللہ کی مزیل الغواشی اردو شرح اصول الشاسی۔ طبع عبدالتواب اکیڈمی ملتان ص:٦

بھی متابعت کی ہے تو بتلایئے ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے جو اپنے اعمال برباد کرتے پھریں؟

مابعد والے ادوار کے دُرودوں کی شرعی حیثیت

آج کل دین اسلام میں بدعات کا اضافہ روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ بالخصوص اذکار ووظائف میں خودساختہ اور غیر مسنون چیزیں اس قدر شامل کردی گئی ہیں کہ مسنون دعائیں اور اذکار طاق نسیاں بن کر رہ گئے ہیں۔ دیگر غیر مسنون اذکار و وظائف کی طرح دُرود و سلام میں بھی بہت سے خودساختہ دُرود و سلام رائج ہو چکے ہیں۔ مثلاً درودِ تاج، درود لکھی، درود مقدس، دردو اکبر، درود ماہی، درود تنجینا وغیرہ۔ ان میں سے ہر درود کے پڑھنے کا طریقہ اور وقت الگ الگ بتایا گیا ہے اور ان کے فوائد (جو کہ زیادہ تر دنیاوی ہیں) کا بھی الگ الگ تذکرہ کتب میں لکھا گیا ہے۔ مذکورہ دُرودوں میں سے کوئی ایک دُرود بھی ایسا نہیں جس کے الفاظ رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہوں۔ لہٰذا انہیں پڑھنے کا طریقہ اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد ازخود باطل ٹھہرتے ہیں۔ اس لیے کہ:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں موجود نہیں وہ ہر کام مردود ہے۔''[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی اجر وثواب نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ؛ ہر بدعت (یعنی خود ساختہ عبادت) گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔[2] اس ضمن میں بخاری اور مسلم کا روایت کردہ درج ذیل واقعہ بڑا سبق آموز ہے؛ تین آدمی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کیا۔ انہیں بتایا گیا

---

[1] صحیح البخاری / کتاب الصلح ح : ٢٦٩٧ وصحیح مسلم ح : ٤٤٩٣

[2] مسند احمد : ١٢٧/٤ وصحیح مسلم ح : ٢٠٠٥

[3] شریعت میں خودساختہ اور غیر مسنون افعال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات ہر مسلمان کی نگاہ میں رہنے چاہئیں تاکہ اس مختصر اور انتہائی قیمتی زندگی میں خرچ کیا گیا وقت، پیسہ اور دیگر صلاحیتیں قیامت کے دن اکارت اور ضائع نہ جائیں

تو ان میں سے ایک نے کہا: ''میں آئندہ ہمیشہ پوری رات قیام کیا کروں گا اور کبھی آرام نہیں کروں گا۔'' دوسرے نے کہا: ''میں آئندہ مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی ترک نہیں کروں گا۔'' تیسرے نے کہا: ''میں کبھی نکاح نہیں کروں گا اور عورتوں سے الگ رہوں گا۔'' رسول اکرم ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تم سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، پرہیزگار ہوں، رات قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، روزے رکھتا بھی ہوں اور ترک بھی کرتا ہوں، میں نے عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں۔ لہٰذا یاد رکھو! جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

قارئین کرام! اندازہ فرمایئے تینوں حضرات نے اپنی دانست میں زیادہ نیکی کرنے اور زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن ان کا طریقہ چونکہ خود ساختہ اور غیر مسنون تھا لہٰذا آپ ﷺ نے ان کی باتوں پر سخت اظہار ناراضگی فرمایا۔ یہی معاملہ درود و سلام کا ہے۔

خود ساختہ اور غیر مسنون دُرود و سلام پر محنت اور ریاضت بے کار اور عبث ہے۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ناراضگی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث بنے۔ لہٰذا وہی دُرود و سلام پڑھیے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ یاد رکھیے! رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک لفظ دنیا کے سارے اولیاء اور صلحاء کے بنائے ہوئے کلمات خیر سے زیادہ افضل اور قیمتی ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو سکھائے ہوئے درود و سلام کے کلمات کا آغاز جو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ......الخ سے ہوتا ہے تو اس میں اللہ رب العالمین سے سید ولد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے رحمت و برکت کی طلب میں جو انتہا ہے وہ کسی اور صیغے میں نہیں ہو سکتی۔ دعا دراصل تین قسم کی ہوتی ہے۔

① اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء و صفات کا واسطہ دے کر دعا کی جائے اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اَسْمَآئِهٖ ط﴾ [سورة الاعراف: ١٨٠]

''اور اللہ تعالیٰ کے اچھے خاصے نام ہیں۔اس کو انہی ناموں سے پکارا کرو۔اور جو لوگ اس کے ناموں میں بے دینی کرتے ہیں (یعنی اس کے علاوہ کسی اور کو داتا، دستگیر، غوث مشکل کشا، حاجت روا یا غریب نواز وغیرہ مانتے ہیں۔) ان کو چھوڑ دو۔''

۲ محض اپنی ضرورت وحاجت یا فقر ومسکینی کا اعتراف کر کے اللہ سے مانگا جائے۔جیسے لوگ اَنَاالْعَبْدُ الْبَائِسُ الْفقیرُ الِمسْکِینُ فلان بن فلان کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

۳ تیسرا یہ کہ صرف عرض حاجت کرے۔چنانچہ ان تینوں صورتوں میں سے اوّل بہتر ہے البتہ تینوں صورتیں اگر اکٹھی ہو جائیں تو یہ انداز سب سے افضل اور بہتر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اکثر دعائیں اسی قسم کی ہوتی تھیں۔سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو دُعا آپ ﷺ نے سکھائی تھی وہ اس اعتبار سے اپنے اندر پوری جامعیت رکھتی ہے۔ فرمایا: ''(ابوبکر!) یوں کہا کرو:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ))[1]

''اے اللہ! میں اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کر بیٹھا ہوں اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔پس مجھے اپنے پاس سے خاص مغفرت کے ساتھ بخش دے اور میرے اوپر رحم فرما بلاشبہ تو بہت زیادہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

چنانچہ اَللّٰهُمَّ کی میم کے بارے میں یہ بات محقق اور مسلم ہوئی کہ یہاں رب العالمین کے نام (کلمۂ) اللہ کے ساتھ جو میم کا اضافہ کیا جاتا ہے تو اس کا مرکوزِ خاطر یہ ہے کہ جو دعا مانگی جائے اس کی ابتداء اللہ کے نام کے ساتھ ایسے جامع خطاب سے ہو کہ جس میں اس کے جملہ اسماء وصفات کا تذکرہ آ جائے اور یہ مختصر کلمہ (لفظ اَللّٰهُمَّ) مطالب کثیرہ پر حاوی ہو جائے۔

---

[1] صحیح بخاری/ کتاب الأذان/ باب الدعاء قبل السلام/ حدیث: ٨٣٤

گویا دعا مانگنے والے نے جب ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَالُكَ '' کہا تو تقدیرِ کلام یہ ہوئی: ((أُدْعُوا اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَ الصِّفَاتُ الْعُلٰی......)) میں اس اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اس کے اچھے خاصے انتہائی پیارے نام اور اس کی انتہائی بلند صفات ہیں۔

کلمہ ''اَللّٰھُمَّ '' میں اس تجمیع و تفخیم والی میم کے بارے میں مندرجہ بالا تشریح کی متعلق سلف صالحین میں سے اکثر بزرگوں کا یہی مسلک ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ مجمع الدعا ہے۔ ابو رجاء العطاردی کہتے ہیں: دعا کے لیے نبی ﷺ کے کلمہ ''اللّٰھُمَّ'' کی میم میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام پائے جاتے ہیں۔ نضر بن شمیل رحمہ اللہ کا قول ہے: ''مَنْ قَالَ: اَللّٰھُمَّ فَقَدْ دَعَا اللّٰهَ بِجَمِیْعِ أَسْمَائِهِ'' جس نے ''اَللّٰھُمَّ'' کہہ کر اپنی دعا کا آغاز کیا گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام اسماء عالیہ کے ساتھ اللہ ذوالجلال سے دعا مانگ لی۔[1]

اور پھر یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے کہ وہ نبی مکرم ﷺ کو آکر ''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَلَّمَ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ'' وغیرھا جیسے کلمات کے ساتھ مخاطب کرتے ہوں۔ اور جیسے بہت سارے عجمی معاشروں میں کئی ایک مواقع پر لوگوں کا مل کر اس طرح کے خود ساختہ شرکیہ کلمات اور موضوع دُرودوں کے ساتھ اونچی اونچی آوازوں میں پڑھنا اور نبی ﷺ کو اس مجلس میں حاضر ناظر والا مشرکانہ عقیدہ رکھ کر یوں بدتمیزی کے انداز میں مخاطب کرنا ویسے ہی صریح گمراہی، قرآن کی کھلی خلاف ورزی اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ ﴾ [سورۃ الحجرات: ۲]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی جلاء الافہام

"مسلمانو! پیغمبر (علیہ السلام) کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا نہ ہونے دو اور پیغمبر سے اس طرح پکار کر بات مت کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے پکار کر بات کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال صالحہ غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔"

اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکماً فرماتے ہیں:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ ﴾ [سورة محمد: ٣٣]

"(مسلمانو!) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور (ہمارے) پیغمبر (علیہ السلام) کی بھی اتباع و اطاعت کرو اور (ان کی خلاف ورزی کر کے) اپنے اعمال (صالحہ) کو ضائع (اکارت) نہ کر لینا۔"

((هٰذَا مَا عَلِمْنَا وَ أَخْبَرْنَاكُمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ))

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ أَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ [1]

---

[1] صحیح بخاری / کتاب التفسیر حدیث: ٤٧٩٧، ٤٧٩٨۔ کتاب الدعوات/ باب الصلاة علی النبی ﷺ حدیث: ٦٣٥٧، ٦٣٥٨۔ کتاب احادیث الأنبیاء/ باب/ حدیث: ٣٣٦٩، ٣٣٧٠۔ صحیح مسلم/ کتاب الصلاة/ باب الصلاة علی النبی ﷺ حدیث: ٩٠٧ تا ٩١٢۔ سنن ابی داؤد/ کتاب الصلاة حدیث: ٩٧٦ تا ٩٨٢۔ مسند ابی عوانہ و مصنف ابن ابی شیبہ (٢/١٣٢، ١٠)

زیر تکمیل کبار مصادر حدیث رسول اللہ ﷺ

بتوفیق ربنا الکریم درج ذیل ان کتب حدیث کی تحقیق وتخریج کے ساتھ اُردو زبان میں آسان فہم ترجمہ اور بالاختصار تشریح کا کام بحمد اللہ العزیز چند سالوں سے جاری وساری ہے کہ جن پر آج تک اس انداز سے کام ہرگز نہیں ہوسکا تھا۔ ادارہ نے دنیا بھر کے اُردو داں جید علماء کرام کی خدمات حاصل کر کے اس عظیم کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزمِ صمیم کیا ہے۔ بھائیوں سے استدعا ہے کہ اس ضمن میں ہمارے لیے اللہ رب العالمین سے اخلاص، استقلال و استقامت اور قبولِ خدمت دینِ حنیف کی دعا ضرور کریں۔ جزاکم اللّٰہ خیراً

* جامع الترمذی
* السنن الکبریٰ للبیهقی
* مصنّف ابن ابی شیبه
* سنن النسائی
* سنن الدار القطني
* شمائل الترمذی
* سنن ابن ماجه
* مسند احمد بن حنبل
* صحیح ابن خُزیمه
* سنن ابی داؤد
* سنن الدارمی
* موسوعة الاحادیث الصحیحه
* صحیح جامع صغیر
* کتاب السنه للإمام عاصم
* جمع الفوائد
* مسند ابی داؤد الطیالسی
* کتاب السنه للإمام المروزی
* شرح السنه للإمام البغویؒ
* مسند الحمیدی
* صحیح الأدب المفرد
* (مرفوعات) مصنّف عبدالرزاق
* صحیح ابن حبان
* مسند ابی عوانه
* مؤطا الامام مالکؒ
* المنتقیٰ لابن جارود
* صحیح الترغیب والترهیب
* مقدمة الحدیث (للشیخ ابی یحییٰ محمد زکریا زاهد)
* .....مستدرك حاکم
* .....سلسلة الاحادیث الصحیحه

۳۰۔ صحیفه همام بن منبه

۳۱۔ مسند عمر بن عبدالعزیز

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس انسان کو خوش وخرم رکھے جس نے میری بات کو سُن کر یاد کیا پھر اس شخص تک پہنچایا جو اسے نہیں سُن سکا۔'' (مسند احمد بن حنبل)

اس عظیم الشان منصوبے میں علمی تعاون، کمی بیشی کو پورا کرنے اور تنقید برائے اصلاح خط و کتابت کے لیے: ادارہ احیاء ضیاء السنہ 398 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔

مصادر و مراجع

تفاسیر

① تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء حافظ اسماعیل بن کثیر القرشی	طبع دار المعرفہ، بیروت، لبنان
② اشرف الحواشی	فضیلۃ الشیخ محمد عبدہ الفلاح	شیخ محمد اشرف ناشران کتب، لاہور
③ تفسیر کمالین (اُردو شرح)	تفسیر جلالین (مولانا محمد نعیم دیوبندی)	مکتبہ شرکت علمیہ، بوہڑ گیٹ ملتان
④ احسن التفاسیر	سید احمد حسن محدث دہلویؒ	المکتبہ السلفیہ، لاہور
⑤ فتح القدیر	امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی	دار الحدیث، قاہرہ

کتب احادیث

⑥ صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ	طبع دار السلام بالریاض ۱۹۹۹ء
⑦ صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ	//......//......جولائی ۱۹۹۸ء
⑧ سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ	//......//......اپریل ۱۹۹۹ء
⑨ مسند الإمام أحمد	ابوعبداللہ أحمد بن حنبل الشیبانیؒ	طبع دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۹۹۳ء
⑩ جامع الترمذی	للإمام أبی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ	طبع دار السلام بالریاض اپریل ۱۹۹۹ء
⑪ سنن النسائی	ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی	//............//............//
⑫ سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ	//............//............//
⑬ السنن الکبریٰ	للإمام ابی ابوبکر البیہقی	طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، الہند
⑭ مصنف عبدالرزاق	الحافظ ابوبکر عبدالرحمٰن بن ہمام بن نافع الصنعانی	// // // //
⑮ سنن الدارمی	الإمام الدارمی	// // // //
⑯ مشکوٰۃ المصابیح (البانی)	للإمام محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	طبع المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۵ء

⑰ مسند الشافعي — للإمام محمد بن ادریس الشافعي

⑱ معجم الطبرانی — للإمام الطبرانی

⑲ صحیح ابن خزیمہ (تحقیق محمد مصطفیٰ الاعظمی) — الامام ابوبکر بن محمد بن اسحاق ابن خزیمہ — طبع المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۵ء

⑳ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ — الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی — المکتب الاسلامی، بیروت

㉑ صحیح ابن حبان — الحافظ ابو حاتم محمد بن حبان البستی — دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان

㉒ مؤطا الامام مالک — مالک بن انس رحمہ اللہ — دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

دیگر علوم و فنون کی کتب

㉓ الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان — شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ — طبع المکتب الاسلامی بیروت

㉔ مدارج السالکین — امام ابن قیم

㉕ تنبیہ اُولی الابصار الی کمال الدین و مافی البدع من الاخطار — الدکتور الشیخ رصالح بن سعد السحیمی۔ استاذ مساعد فی الجامعہ الاسلامیہ — طبع دار ابن حزم للنشر والتوزیع بالریاض

㉖ التوسل و انواعه و احکامه — فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی — طبع المکتب الاسلامی بیروت

㉗ الاعتصام — للإمام الشاطبي

㉘ الخطب المنبریه — فضیلۃ الشیخ رصالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان

㉙ منهاج الفرقة الناجيه — الشیخ رمحمد بن جمیل زینو — جمعیت احیاء التراث الاسلامی

㉚ الاجوبة المفيدة على أسئلة العقيده — عبدالرحمٰن بن حمد الجطیلی — مکتبۃ الحرمین، بالریاض

㉛ المنطق — الامام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی

㉜ تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد — الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی — المکتب الاسلامی بیروت

㉝ الكواكب الدراري

㉞ التحفة العراقيه فى الاعمال القلبيه — لشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

	کتاب	مصنف	ناشر
35	لطائف المعارف	علامہ ابن رجب حنبلیؒ	
35	المواهب اللدنيه	امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی	
37	المقدمات الممهدات لبيان .....الخ	ابن رُشد المالکی	
38	مسائل الامام أحمد	برواية عبدالله بن الامام أحمد	مكتبة الدار بالمدينة المنورة
39	تحفة الودود باحكام المولود	حافظ ابن قیم	دائرة المعارف العثمانیہ حیدر آباد، دکن
40	كتاب المجروحين	الامام ابن حبان	" " "
41	كشف الاستار عن زوائد البزار	امام بزار	
42	مجموع شرح المهذب	امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	بیروت
43	تهذيب الكمال فی اسماء الرجال	للامام المزی	مؤسسة الرسالة بيروت
44	ميزان الاعتدال في نقد الرجال	شمس الدین احمد بن محمد بن عثمان الذهبی	
45	تلخيص الحبير	للحافظ ابن حجر العسقلانی	
46	فتح الباری شرح صحیح البخاری	حافظ ابن حجر العسقلانی	
47	القول الفصل في حكم الاحتفال بمولد خير الرسل	الشیخ راسماعیل بن محمد الانصاری	دارالافتاء بالریاض
48	سير اعلام النبلاء	الامام احمد بن محمد الذهبی	مؤسسة الرسالة بيروت
49	لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ	ابن فهد	
50	اقتضاء الصراط المستقيم	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	انصار السنة المحمدية، لاہور
51	حلية الاولياء	ابونعیم	
52	شرح عقیدہ طحاویہ	ابن ابوالعز الحنفی	
53	اعلام الموقعين عن رب العالمين	ابوعبدالله محمد بن ابوبکر بابن قیم الجوزیہ	داراحیاء التراث العربی بیروت

54 مجموعۃ فتاویٰ	شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ	دارالافتاء والدعوۃ والارشاد، بالریاض
55 الکلم الطیب (تخریج عبدالقادر الارناؤوط)	// // //	انصار السنة المحمدية، لاہور
56 دُرِّ مختار		
57 شرح الکرخی للقدوری		
58 فیروز اللغات اُردو	مولوی فیروز الدین	سنت سنگھ اینڈ سنز دھلی، انڈیا
59 جلاء الافهام في الصلوٰة والسلام علی خير الانام	امام ابن قیم	
60 خیر الکلام اُردو ترجمہ جلاء الافہام	قاضی شاکر حسین صدیقی سہسوانی	مطبعۃ القرآن والسنہ امرتسر
61 نزل الابرار بالعلم بالماثور من الادعية والاذكار	نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ	بھوپال۔ ہند
62 مسدس حالی	خواجہ الطاف حسین حالی	رابعہ بک ہاؤس، اُردو بازار، لاہور
63 کلیاتِ اقبال	علامہ محمد اقبال	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
64 فضائل دُرود شریف	مولانا محمد زکریا کاندھلوی	مکتبۃ العلم، اُردو بازار، لاہور
65 صفة صلاة النبي ﷺ	الشیخ محمد ناصر الدین الالبانی	المکتب الاسلامی بیروت
66 القول البديع	السخاوی	
67 الرّوضہ	امام یحییٰ بن شرف النووی	المکتب الاسلامی بیروت
68 فتاوى اللجنة الدائمة مبحوث العلمية والافتاء	طبع رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء بالریاض	
69 المخلّص الفقهي	ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان	....
70 نیل الاوطار	محمد بن علی الشوکانی	طبع دار الریان للتراث ودار الحدیث بالقاہرہ
71 مجموعۃ مؤلفات	شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	رئاسة ادارة البحوث العلمیہ والافتاء بالریاض

⑫ مزیل الغواشی اُردو شرح اصول الشاشی	مولانا نجم الغنی صاحب	عبدالتواب اکیڈیمی، ملتان
⑬ فضل الصلاة على النبي ﷺ	اسماعيل القاضي	
⑭ الاذكار	ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	دارالہدیٰ، بالریاض
⑮ دُرود شریف کے مسائل	محمد اقبال کیلانی	حدیث پبلیکیشنز، لاہور
⑯ التحقيق والايضاح	الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	رئاسة ادارات البحوث العلميه والافتاء بالرياض
⑰ حصن المسلم	الشیخ سعید بن علي بن وهف القحطانی	دارالاندلس، لاہور
⑱ الفوائد المجموعه (تحقیق عبدالرحمٰن المعلمی)	محمد علی الشوکانی	طبع بیروت ومصر
⑲ كتاب الرد على الأخنائي	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	دار الافتاء بالرياض



﴿ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ﴾

Love For Allah & His Messenger

1۔۔۔ "تو جو لوگ پیغمبر (ﷺ) کا حکم نہیں مانتے (اور عملاً ان کی مخالفت کرتے ہیں) انہیں اس بات سے ڈر جانا چاہیے کہ: (دنیا میں) انہیں کوئی مصیبت آ گھیرے یا (آخرت میں) انہیں ایک دردناک عذاب پہنچ جائے۔ (جس سے وہ کبھی بھی جان نہ چھڑا سکیں گے)۔" (سورۃ النور: 63)

2۔۔۔ "اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت والے دن اور جنتوں میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (اپنے انعامات کے ذریعے) بڑا فضل کیا ہے۔ یعنی پیغمبروں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ اور ان لوگوں کی رفاقت نہایت خوب ہے۔" (سورۃ النساء: 69)

3۔۔۔ سیدنا ابوہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص (تب تک) صاحب ایمان (مسلمان) نہ ہوگا جب تک اس کے والد (تمام آباؤ اجداد) اس کی اولاد (اور اس رشتے کے تمام افراد) اور (دیگر) تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں (اور بذریعہ عمل) میری محبت نہ ہو جائے۔"

(صحیح البخاری، حدیث: 15 و صحیح مسلم، حدیث: 169)

4۔۔۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم (اور عمل یا تائید و سکوت) نہ ہوا تو وہ (اللہ کے ہاں) رد کر دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم عن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث: 4481)

انصار السنہ 398۔ جہانزیب بلاک اقبال ٹاؤن لاہور
اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17۔ اردو بازار لاہور 7357587